رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی

# سیاسی زندگی

از


ڈاکٹر محمد حمید اللہ

استاذ قانون جامعہ عثمانیہ (دکن)



ناشر

مولوی مسافر خانہ کراچی



Marfat.com

135158

اس تالیف کی اشاعت کے
جملہ حقوق مؤلف نے ہم کو
عطا فرمائے ہیں

دارالاشاعت مولوی مسافر خانہ کراچی

باسمہٖ سبحانہ

# عرضِ ناشر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر چھوٹی بڑی تصانیف اتنی ہیں کہ ان کا شمار کرنا بھی آسان نہیں، اس باب کے کسی حصے اور کسی شعبے میں ایک مسلمان کا نام درج ہو جانا ہی اس کی بڑی سعادت ہے، ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتے کہ اس نے ہمیں اس باب کے ایک اچھوتے موضوع پر بہترین تصنیف شائع کرنے کی توفیق بخشی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نمونہ ہدایت لے کر تشریف لائے، اور ہر شعبے کے وہ اصول و فروع بتلائے جن کے بغیر انسانیت کی تکمیل نہیں ہو سکتی اسی طرح آپ سیاست کے بھی امام اور نمونہ ہیں، اس کتاب میں آپ کے سامنے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی کا نقشہ پیش کیا جا رہا ہے،

اس کے مؤلف ملک کے مشہور اہل قلم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے علوم اسلامیہ قدیمہ کے ساتھ علوم جدیدہ میں بھی دستگاہِ کامل عطا

Marfat.com

فرمائی ہے، اور جن کی پانچ چھ زبانوں میں تالیفیں اہل علم میں معروف ہیں،
خود یہ کتاب اپنے مصنف کے کمالات کا آئینہ ہے، ہم ڈاکٹر صاحب کے
بے حد ممنون ہیں کہ انھوں نے ہم کو اس مبارک کتاب کی اشاعت کا موقع
عطا فرمایا، فجزاهم الله تعالیٰ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء،

محمد رضی
ناظم دار الاشاعت کراچی
۱۳ ذیقعدہ ۱۳۶۹ھ

Marfat.com

# فہرستِ مضامین


| سلسلہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱ | عرضِ مؤلف | ۹ |
| ۲ | رسولِ اکرمؐ کی سیرت کا مطالعہ کس لئے کیا جائے | ۱۱ |
| ۳ | مواد اور ماخذ | ۲۳ |
| ۴ | بعثتِ نبوی کے وقت دنیا کی حالت | ۲۷ |
| | ا - چین | ۲۹ |
| | ب - ہند | ۳۰ |
| | ج - ترکستان | ۳۱ |
| | د - رومی و ایرانی | ″ |
| | ہ - حبش | ۳۳ |

| سلسلہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|
| ۵ | عرب اور مکہ کا انتخاب دعوتِ اسلام کے مرکز کے طور پر | ۳۳ |
| ۶ | مکّے کی حالت ولادت باسعادت سے قبل | ۳۸ |
| ۷ | ختم المرسلینؐ کے لئے آپؐ کے انتخاب کی وجہ | ۴۸ |
| ۸ | ولادت باسعادت | ۵۲ |
| ۹ | نوعمری | ۵۸ |
| ۱۰ | نوجوانی | ۶۳ |
| ۱۱ | تجارت کا مشغلہ | ۶۷ |
| ۱۲ | شادی خانہ آبادی | ۷۳ |
| ۱۳ | سماجی اور شہری زندگی | ۷۸ |
| ۱۴ | آفتابِ رسالت کا طلوع | ۸۵ |
| ۱۵ | نبوّت کا مکّی دَور | ۹۱ |
| ۱۶ | تبلیغِ رسالت | ۹۷ |
| ۱۷ | رسولِ اکرمؐ کا تبلیغ دین میں عورتوں نے کیا ہاتھ بٹایا | ۱۰۸ |
| ۱۸ | قریش سے تعلقات | ۱۱۴ |
| ۱۹ | ا ۔ صلح حدیبیہ کی فتح مبین | ۱۱۵ |
| | ب ۔ فتح مکّہ سے انسانیت کی فتح بہیمیت اور شیطانیت پر | ۱۳۰ |
| ۲۰ | حبشہ اور عرب | ۱۳۹ |
| ۲۱ | اصل مکتوب نبویؐ بنام نجاشی کی نئی دستیابی | ۱۸۵ |

| سلسلہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|
| ۲۲ | مکتوباتِ نبوی کے دو اصول (مقوقس اور منذر کے نام) | ۱۹۹ |
| ۲۳ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط قیصرِ روم کے نام | ۲۳۳ |
| ۲۴ | عربوں کے تعلقات بیزنطینی حکومت سے | ۲۵۴ |
| ۲۵ | عہدِ نبوی کے عربی ایرانی تعلقات | ۲۸۶ |
| ۲۶ | عہدِ نبوی میں یہود | ۳۰۸ |
| ۲۷ | عام قبائلِ عرب سے تعلقات | ۳۵۵ |
| ۲۸ | ارتداد و بغاوت | ۳۹۶ |
| ۲۹ | عہدِ نبوی کی سیاسی دستاویزیں | ۴۰۱ |
| ۳۰ | امہات المومنین ازواج مطہرات نبویؐ اور بین الاقوامی عصبیتوں کا دور کیا جانا | ۴۰۳ |
| ۳۱ | بعثتِ نبویؐ کے وقت چند عالمگیر گتھیاں اور ان کا اسلامی حل | ۴۱۵ |
| ۳۲ | انسانیت کا منشورِ اعظم (خطبۂ حجۃ الوداع) | ۴۳۶ |
| ۳۳ | خلافتِ نبویؐ کے بعض اصول (دو شاہاں در اقلیمے) | ۴۴۴ |
| ۳۴ | اشاریہ | ۴۵۳ |


Marfat.com

# زمانہ ہائے تالیف

اِس مجموعے کے مختلف مضمون مختلف زمانوں میں لکھے گئے تھے، اور جب تک زمانہ تالیف معلوم نہ ہو شاید ناظر کو بعض جگہ اُلجھن ہوگی، ہر قدیم مضمون کی البتہ اشاعت کے وقت مکرر نظر ثانی کر کے ترمیم و اضافہ ضرور عمل میں آیا ہے، (مؤلف)

۱۔ عرض مؤلف، خصوصی — سنہ ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء

۲۔ سیرت کا مطالعہ کس لئے کیا جائے — سنہ ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء

۳ تا ۱۵۔ "مواد و ماخذ" سے "نبوت کا مکی دور" تک — سنہ ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء تا سنہ ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء

۱۶۔ تبلیغ رسالت — سنہ ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء

۱۷۔ عورتوں نے کیا ہاتھ بٹایا — سنہ ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰

۱۸۔ صلح حدیبیہ — سنہ ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء

۱۹۔ فتح مکہ (بر موقع ساڑھے تیرہ سو سالہ سالگرہ فتح مکہ) ۲۲ رمضان — سنہ ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء

۲۰۔ عربی حبشی تعلقات — سنہ ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

۲۱۔ مکتوب نبوی بنام نجاشی — سنہ ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء

۲۲۔ مکتوبات نبوی کے دو اصول — سنہ ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء

۲۳۔ خط قیصر روم — سنہ ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

۲۴۔ عربوں پر نطینیوں کے تعلقات — سنہ ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

۲۵۔ عربی ایرانی تعلقات — سنہ ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء

۲۶ تا ۲۹۔ "عہد نبوی میں یہود" تا "عہد نبوی کی سیاسی دستاویزیں" — سنہ ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء

۳۰۔ امہات المومنین — سنہ ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء

۳۱۔ عالمگیر گتھیاں — سنہ ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء

۳۲۔ انسانیت کا منشور اعظم — سنہ ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء

۳۳۔ دو شاہان دراقلیمے — سنہ ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرضِ مؤلف

الحمد للہ حق حمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی من بعدہ وعلیٰ آلہ ایضاً وصحبہ۔

چاہے خواہش و تمنا ہی ہو، ہمت نہ تھی کہ "آنچہ خوباں ہمہ دارند" کے تنہا جامع صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات پہ کوئی چیز لکھی جائے۔ متقدمین یہ کیا اضافہ کرتا "سیرت النبیؐ" (شبلی و سلیمان ندوی) جیسی ضخیم و سیر حاصل چیزیں بھی ہماری زبان میں آچکی ہیں۔ اور اوسط یا قلیل ضخامت کی کتب سیرت بھی۔ ان متاخرین نے بھی خلف کے لئے کم گنجائش چھوڑی ہے۔

حالات ایسے پیش آئے کہ سیرت پاک کا مطالعہ روز افزوں ہی کرنا پڑا۔ وقتی ضروریوں سے اس پر کچھ لکھا بھی۔ لیکن لکھتے وقت کبھی خیال نہ آیا کہ وہ خود کتابچہ اپنے خود بخود ایک بڑی کتاب کے باب بنتے جا رہے ہیں۔ میں اس طرح بجائے سنہ وار سوانح پاک لکھنے کے مُلک وار اور قوم وار لکھتا رہا۔ اور گذشتہ پندرہ بیس سال سے ایسی چیزیں مختلف علمی رسالوں میں نکلتی رہی ہیں۔ کتابچوں

Marfat.com

کے مقابل ایسی چیزیں جلد عام دسترس سے باہر ہو جاتی ہیں۔ خیال ہوا کہ ایسے چند مقالوں کو یکجا کر دیا جائے تو نامناسب نہ ہو۔ اور کسی کو نہیں تو خود مجھے وقتاً فوقتاً کسی مواد یا حوالے کی تلاش میں اس سے سہولت ہو۔ مباحث کی تکمیل کے لئے ایک دو باب البتہ تازہ تالیف اور غیر مطبوعہ بھی شامل ہیں۔

جن رسالوں میں پہلے یہ مضمون نکلے ہیں ان کی اجازت حاصل کرنی اخلاقی طور پہ ضروری ہے۔ حالات نے اس کا موقع نہ دیا۔ لیکن مجھے امید ہے کہ اس نیک کام اور نفع عام کو وہ بھی خوشی سے منظور کرتے ہیں۔

ناشر کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے کہ ان کے خیال میں مُلک میں مُس کی مانگ ہے۔ غرض، مؤلف، ناشرینِ ابتدائی، ناشرِ حالی، ناظرین سب کے لئے سیرتِ پاک برکتِ نبوی کا مطالعہ و خدمت باعثِ سعادت ہے۔

ایک چیز اس طرح کے مجموعے میں ناگزیر ہوتی ہے، کہ ایک ہی بات بعض وقت متعدد ابواب میں تکرار پا جائے۔ ایک باب یعنی مضمون لکھتے اور شائع کرتے وقت یہ خیال نہ ہوتا تھا کہ کوئی کبھی دوسرے ابواب بھی ساتھ ہی پڑھے گا۔

اگرچہ چند ابواب بے جوڑ سے ہو گئے ہیں مثلاً بعض مکتوباتِ نبوی کے اصول کی صحت و جعل کی بحث، مکتوب کے مرسل الیہ کے حالات جتنی تفصیل کے بیان کئے گئے ہیں اس کے پہلو میں صرف مکتوب کے اصل نسخے پر اتنی بحث کھٹکتی ہے۔ لیکن عذر یہی ہے کہ یہاں چند متجانس مقالات کا مجموعہ شائع کیا جا رہا ہے۔ کوئی مستقل تالیف نہیں۔ نہ ہی سیرتِ پاک پر کوئی جامع و مکمل کتاب۔ اور یہ میری دانست میں کسی ایک انسان کے بس کی چیز بھی نہیں۔

بہرحال جینا بصناعۃ مزجاۃ۔ زہے نصیب اگر کسی کے کچھ کام آئے۔ البتہ گر زندگی وفا کرے اور وسائل فراہم ہیں تو خدمتِ سیرت سے بہتر کوئی اور شغلہ نہیں۔ (م ح ا)

Marfat.com

# رسولِ اکرمؐ کی سیرت کا مطالعہ کس لئے کیا جائے؟

اَللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَتُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

نبی اور رسول کا تصور مختلف قوموں، زمانوں میں مختلف ہوگا۔ بہرحال اشرف المخلوقات میں سے بھی اس اشرف ترین مخلوق کا تصور مسلمانوں میں یہ رہا ہے کہ وہ انسانِ کامل ہے۔ یہ کاملیت ظاہر ہے کہ صرف اچھے انسانی پہلوؤں کے متعلق ہے۔ انسانی زندگی کے دو ہی بڑے شعبے ہیں۔ ایک معاش اور دوسرے معاد۔ دوسرے الفاظ میں ایک تو انسان کے تعلقات انسان اور دیگر مخلوقات کے ساتھ۔ اور دوسرے انسان کے تعلقات اپنے خالق و مالک جل شانہٗ کے ساتھ۔ پہلی قسم میں اعلیٰ ترین مرتبہ حکمرانی ہے تو آخر الذکر میں عقائد و عبادات کے متعلق رہنمائی یعنی پیغمبری۔

رسولِ عربی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی یک وقت یہ دونوں کمالات حاصل تھے۔ آپ کی زندگی کے ان دونوں پہلوؤں کا استقصاء طویل عمل ہے۔ اس جلد میں آپ کی صرف اول الذکر یعنی سیاسی زندگی کا مطالعہ پیشِ نظر ہے۔

لیکن ہر سنجیدہ طالب علم اور ذاتی غور و فکر کرنے کے ذمہ دار اور مستقل رائے قائم

Marfat.com

کرنے کے خواہش مند کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اسلامؐ کی سیرت یعنی سوانح حیات و تعلیمات کا مطالعہ اب بھی کیوں کیا جائے جب کہ آپ کی وفات پر ساڑھے تیرہ صدیاں گذر چکی ہیں، علوم و فنون میں بے انتہا ترقی ہو چکی ہے، تمدن قوموں کے ماحول اور تصور حیات میں زمین و آسمان کا فرق ہو چکا ہے، اور آپؐ بھی ہمارے جیسے ہی ایک انسان تھے؟

اصولی حد تک تو اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ انسانی تمدن، و ثقافت کی ترقی کا راز اسی میں پوشیدہ ہے کہ "ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت" لیکن اس طرح نہیں کہ اوجھڑ پن کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ (کلما نقضت غزلہا من یک قوۃ انکاثا) جاری رکھا جائے، بلکہ اس طرح کہ تعمیر سابق پر تعمیر جدید کا اضافہ ہوتا رہے۔ ظاہر ہے کہ قدیم و جدید دونوں عمارتوں کا مالک متمول تر ہوگا بہ نسبت اس شخص کے جس کے قبضے میں صرف کوئی ایک قدیم یا جدید عمارت ہو۔ البتہ یہ سوال ایک تفصیلی جواب چاہتا ہے کہ خاص محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (روحنا فداہ) کی سیرت کا کیوں مطالعہ کیا جائے اور اس غرض کے لئے کسی اور کا کیوں نہیں؟

مسلمانوں کا دعویٰ اپنے رسول و ہادی کے متعلق تو یہ ہوگا ہی کہ آپؐ ہی کی ذات والا صفات ہے جس نے ایسے زمانے میں مبعوث ہو کر جب کہ دنیا جہالت و گمراہی کے انتہائی حدود پر پہنچ چکی تھی اس کو ایک مرتبہ پھر انسانیت صحیحہ کے سیدھے راستے پر کھڑا کر دیا۔ آج بھی جب کہ ہم مختلف وجوہ کی بنا پر ان ایام جاہلیت سے قریب تر ہو رہے ہیں تو صرف اس شمع ہدایت سے اکتساب ہی ہماری نجات کا حقیقی باعث ہو سکتا ہے۔

لیکن ذاتی عقیدے سے قطع نظر، ایک جویائے حق طالب علم اور ایک ناظر فدا لیکن مقصد ور مورخ کو اس سوال کے جواب میں جو کہنا ہے اس میں سے بعض باتیں صرف مسلمانوں سے متعلق ہیں، بعض باتیں دوسروں سے متعلق ہیں۔ اور بعض باتیں دونوں سے مشترکہ طور پر متعلق ہیں۔

**مُسلمانوں کے لئے** آپ کی سیرت جو اہمیت رکھتی ہے وہ کسی تفصیل کی محتاج نہیں۔ اصولِ فقہ کی کتابوں میں یہ امر مسلّمہ ہے کہ آنحضرتؐ کے ہر قول کی طرح آپ کا ہر فعل بھی قانونی حیثیت رکھتا ہے۔ اور سنتِ نبوی سے بھی واجبات، مستحبات، مباحات، مکروہات وغیرہ قائم ہوتے ہیں۔ یوں تو کسی مسلمان کی زندگی اسی وقت اسلامی کہلاتی ہے جب وہ قرآن مجید کے احکام کے مطابق ہو۔ لیکن خود قرآن کریم نے متعدد موقعوں پر سنتِ نبوی کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا ہے، اور اُسے واجب التعمیل قرار دیا ہے۔ اس سے سنتِ نبوی یا صحیح و مسلّمہ سیرت کی حیثیت بھی جزءِ قرآن نہیں تو کم از کم ضمیمۂ قرآن اور تتمۂ قرآن کی سی ہو جاتی ہے۔ ایسی چند آیتوں کی طرف یہاں توجہ منعطف کرائی جاتی ہے:۔

(۱) ما اٰتاکم الرسولُ فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔

"جو آنحضرتؐ تم کو دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اُس سے رُک جاؤ۔"

(۲) لقد کان لکم فی رسولِ اللہِ اُسوۃٌ حسنۃ

"آں حضرتؐ تمھارے لئے بہترین نمونۂ عمل ہیں۔"

(۳) ما ینطق عن الھویٰ اِن ھو الّا وحیٌ یُوحیٰ

"آنحضرتؐ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے وہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ خدا ہی کے ارشاد پر مبنی ہوتا ہے۔"

اِن اور دیگر آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ پیشوائے اعظم سردار دو عالم کا قول، آپ کا فعل اور جن چیزوں کو آپ نے اپنے صحابہ میں روا و برقرار رکھا اُن سب پر عمل کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا خود احکام قرآنی پر۔

## غیر مسلموں کے لئے

رسولِ عربی کی سیرت کا مطالعہ اس لئے ضروری ہے کہ جب ایک شخص ہم سے یہ بیان کرے کہ میں تمہارے فائدے کی کچھ بات کہنا چاہتا ہوں، تو کون عقل سلیم رکھنے والا ایسا ہے جو اُس بات کو سُننے ہی سے انکار کر دے۔ آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں جب پہلی مرتبہ یہ فرمایا تھا کہ میں تمام عالموں کے لئے رحمت بن کر آیا ہوں، اور میرے لائے ہوئے دین اسلام کے بغیر دنیا اور آخرت کی بھلائی حقیقت میں حاصل نہیں ہو سکتی تو اس پر اوچھی طبیعت رکھنے والوں نے ٹھٹھول شروع کیا اور مخالفت پر اُتر آئے۔ سنجیدہ لوگوں نے اس کے برخلاف یہ پوچھا کہ دین اسلام کس کو کہتے ہیں، اور آپ کی رائے میں ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ پھر جواب اور توضیح پر ٹھنڈے دل سے غور سے کیا۔ اور جس کی رائے میں بات معقول تھی اُس نے اس دین کو قبول کر لیا۔ ہادیٔ عالم کے اقوال و افعال اور آپ کا پیش کیا ہوا دین اب تک محفوظ و موجود ہیں۔ اور محض آثار قدیمہ کی رٹی سے ہاتھی بنانے اور قیاس آرائی و خوش عقیدگی کی ضرورت نہیں۔

اس کی کچھ تشریح بے محل نہ ہوگی۔ اور دیگر ادیان و مذاہب کی مقدس و الہامی کتابوں میں سے گوتم بدھ کے صرف اقوال ملتے ہیں کوئی کتاب نہیں۔ اور یہ اقوال بھی بروقت قلمبند نہیں ہوئے تھے۔ ہندو مذہب میں پُران، سُرتی، وید کئی چیزیں ہیں۔ لیکن یہ سب ہزاروں برس صرف سینہ بسینہ چلتی رہیں۔ آخر تدوین ہوئی بھی تو

ایک ہی شخص کے حافظے کی بنا پر۔ توریت کی اصل بھی ناپید ہے۔ ایک سے زیادہ مرتبہ وہ دنیا سے ناپید ہو گئی۔ اور محض حافظوں سے اس کو دوبارہ لکھا گیا ہے۔ اور اب جو نسخے ملتے ہیں اُن میں باہم ہزاروں الفاظ و آیات کے متعلق اختلافِ روایات پایا جاتا ہے۔ اس میں کی بہت سی چیزیں لاپتہ ہیں۔ بہت سے اجزاء کے متعلق صاف نظر آتا ہے کہ وہ بعد کے اضافے ہیں۔ (مثلاً حضرت موسیٰ ؑ کی طرف منسوب کتاب میں خود اُن کے وفات پانے کا ذکر وغیرہ) انجیل کا حال یہ ہے کہ اس کو حضرت عیسیٰ ؑ نے کبھی نہیں لکھوایا (اگر لکھوایا ہے تو وہ اصل انجیل اب لاپتہ ہے۔) جو چیز اب ملتی ہے وہ اُن کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کا چشم دید و گوش شنید بیان ہے کہ اُن کے پیغمبر اس طرح پیدا ہوئے، زندگی بھر فلاں طرح رہے، فلاں وقت فلاں بات کی وغیرہ۔ گویا یہ سوانح عمری ہے کوئی الہامی کتاب اور ربانی ہدایت نامہ نہیں۔ ایک مزید بات قابلِ ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کی ایسی سوانح عمریاں یا انجیلیں بھی بکثرت تھیں۔ اور لازماً اُن میں بڑا اختلاف بھی تھا۔ ایک مرتبہ ان سب کو ایک کے اوپر ایک رکھ کر ہلایا گیا اور جو گر پڑیں وہ الگ اور جو نہ گریں وہ الگ کر لی گئیں۔ اور اس طرح آج کل کی مروجہ چاروں انجیلیں صحیح قرار پا کر اختیار کر لی گئیں۔ اور باقی تلف کر دی گئیں۔

اب قرآن مجید کو دیکھئے، جیسے ہی کوئی آیت نازل ہوتی، ابتدائے نبوت ہی سے رسول اکرم ؐ اس کو فوراً لکھوا دیتے رہے۔ اور کاتبوں کو یہ بھی ہدایت کرتے تھے کہ فلاں آیت کا مقام تا حال نازل شدہ قرآن میں فلاں سورۃ میں فلاں آیت کے بعد ہے۔ اس کو ساتھ ساتھ بہت سے صحابہ زبانی بھی نماز کی ضرورتوں سے یاد کرتے جاتے تھے۔ اور یاد کی ہوئی چیزوں کو رسول اکرم ؐ کو سنایا بھی کرتے تھے۔ لوگ تحریری نقلیں بھی کیا کرتے تھے۔

Marfat.com

جب آں حضرت ؐ کی وفات ہوئی تو چند ماہ بعد ہی خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے عہد نبوی کے سرکاری کاتبین وحی کی ایک کمیٹی مقرر کی کہ پورا قرآن مجید ایک کتاب کی صورت میں لکھا جائے۔ اور ہدایت دی کہ ہر ہر لفظ و آیت کو علاوہ حفظ کے دو دو تحریری ثبوتوں کے بعد درج کیا جائے۔ عہد نبوی کے آخر میں کامل قرآن کے کم سے کم چار پانچ حافظ تھے، جن میں ارکان مجلس تدوین بھی شامل تھے۔ اور متفرق سورے جن کو یاد تھے اُن کی تعداد ہزاروں تھی۔ اس احتیاط سے تدوین ہونے اور پھر آئندہ بھی حفاظ کا سلسلہ اب تک جاری رہنے سے قرآن مجید اس قدر صحت کے ساتھ اب تک محفوظ ہے کہ کسی اور بانیٔ مذہب کی الہامی کتاب اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچتی۔

غرض ہم ایک ایسی شخصیت کا مطالعہ کر سکتے ہیں جس کے عام حالات بھی تفصیل سے محفوظ ہیں، اور جس کی تعلیم کی اساس یعنی اس پر نازل شدہ الہامی کتاب بھی ہو بہو د بجنسہٖ محفوظ و موجود ہے، اس کے مندرجات کے متعلق کوئی چھوت چھات بھی نہیں کہ اجنبیوں کو پڑھنے بلکہ سننے سے بھی روکا جائے۔ بلکہ ایک صلائے عام ہے کہ ہر شخص اس کو پڑھے۔ اور بطور خود اپنے لئے فیصلہ کرے کہ وہ اس کو قبول کر سکتا ہے یا نہیں۔ اور جو قبول نہ کرے اس کے لئے بھی صاف حکم ہے کہ "لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" (دین کے بارے میں کوئی جبر نہیں)، اور پھر یہ قرآن وہ ہے جو فصاحت میں ہومر اور ڈیماسیتھنس کے، قانون سازی میں جسٹی نین کے، فی الدنیا حسنۃ میں کاؤٹلیا کے، فی الآخرۃ حسنۃ میں گوتم بدھ کے، ادب احترام سلف میں کنفوشس، کے چیلنج کا جواب تھا۔ اور اس کا اپنا یہ چیلنج ہے کہ "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری"، اس نے مرکز گریز اولادِ آدم و حوّا کو دوبارہ مرکز کشی کی تعلیم دی۔ اور ان میں فطری

مساوات اور اختیاری فضیلت (اعمالِ صالح کی بنا پر) قائم کی۔ اور جملہ سابقہ مذاہب کا احترام و اعتراف کرتے ہوئے اُن کے مقابل اپنی حیثیت صرف یہ بیان کی کہ یہ ایک تجدید صداقت اور بنیادی و لابدی اقل قلیل مذہب ہے۔

**ہر کسی کے لئے** چند بنیادی اصول و حقائق سے خود فیصلہ کر لینا ممکن ہے۔ اسلام کا اصل اصول یہ ہے کہ فی الدّنیا حسنۃً و فی الآخرۃ حسنۃ (یعنی دنیا میں بھی اچھے رہیں اور آخرت میں بھی) دیکھنا یہ ہے کہ دنیوی معاملات میں آنحضرتؐ کی سیرت اور طرزِ زندگی ہمارے لئے کیا سبق ہیں۔

دنیا میں یک چشمی بڑے لوگوں کی کبھی کمی نہیں رہی ہے۔ لیکن اگر ہم مثلاً سکندرِ اعظم اور نپولین و ہٹلر کو لیں تو اُن کی زندگی صرف ایک سپہ سالارِ جنگ اور فاتح کے لئے مفید مواد مطالعے کے لئے پیش کر سکتی ہے۔ گوتم بدھ کی زندگی ریاضت و عبادت میں خصوصی دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ہی سبق آموز ہو سکتی ہے۔ ہومر صرف ایک شاعر تھا۔ افلاطون و ارسطو صرف حکیم و فلسفی تھے۔ زندگی کے دوسرے شعبوں میں اُن کی کوئی بڑی وقعت نہیں۔ اس کے برخلاف رسولِ عربیؐ کی زندگی پر نظر ڈالئے۔ اُس کی ہمہ جہاتی حیثیت، قول و فعل کی یکسانی، تعلیم میں ناقابلِ عمل مطلقیت کی جگہ معتدل عملیت اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زندگی ہی میں کامیابی کے لحاظ سے ایک بے نظیر چیز ہے۔ سیاسی حیثیت کو لیجئے تو آپ نے دس سال کے قلیل عرصے میں جزیرہ نمائے عرب کے نراج (لاحکومتی) میں جہاں زیادہ تر خود سر خانہ بدوش قبائل میں خانہ جنگیاں ہی رہا کرتی تھیں، ایک بڑی مستحکم اور بڑی مملکت قائم کر دی۔ بحیثیت سپہ سالار کے آپ کی لڑائیوں میں فریقین

Marfat.com

کے بمشکل چند سو آدمی مارے گئے۔ لیکن دس سال کے عرصے میں تقریباً بارہ لاکھ مربع میل کا رقبہ مطیع اور ماتحت ہو گیا۔ اور عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایسی حکومت قائم ہوئی جو پورے جزیرہ نما کو حلقہ بگوش بنا سکی۔ اور یہ آنحضرت ﷺ کی تعلیم اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ عرب جیسی گم نام اور جاہل قوم نے بین الممالک تعلقات میں پہلا قدم رکھا تو کیمبرج کے ایک عیسائی مورخ کے الفاظ میں اُن سے زیادہ "مہذب وحشی" کبھی فتوحات کے لئے نہیں نکلے تھے۔ اور فتوحات کی وسعت اور گہرائی کا جو ریکارڈ انھوں نے قائم کیا ہے وہ اب تک کسی قوم سے توڑا نہیں جا سکا ہے۔ چنانچہ دس ہی سال میں انھوں نے عراق، ایران، فلسطین، شام، مصر، طرابلس تونس، ترکستان، اور آرمینیا کو زیر کر لیا۔ یہ سب علاقے قریب قریب آج بھی پورے اسلامی علاقے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر کی زبان تک عربی ہی ہو گئی ہے۔

انتظامی حیثیت لیجئے جس ملک میں کبھی کوئی حکومت قائم ہی نہیں ہوئی تھی اس میں پیدا ہونے اور پرورش پانے کے باوجود آنحضرت ﷺ نے جو دستورِ مملکت مرتب اور جو نظام حکمرانی قائم فرمایا اس پر عمل دنیا کی ایک عظیم الشان مملکت کے لئے نہ صرف ہر طرح کارآمد و کافی ثابت ہوا بلکہ جب تک اس پر عمل رہا وہ دنیا کی مہذب ترین حکومت بنی رہی۔ گاندھی جیسی کٹر ہندو بھی اُسے انسانیت کا دور زریں سمجھتا اور کانگریسی ہندو حکومتوں کو مشورہ دیتے رہے کہ اسی کو اپنے لئے نمونہ بنائیں۔

عمرانی حیثیت سے تقسیم و گردش دولت کا اصول رسول اکرم ﷺ کے ہر مالی حکم میں نظر آتا ہے۔ تقسیم ترکہ، تحدید وصیت، ممانعتِ سود، پس انداز دولت

اور جائداد پر محصول (زکات) وغیرہ کی طرف اشارہ کافی ہے، جن کا اصول یہ تھا کہ دولت صرف مالداروں میں نہ گھومتی رہے۔ اور مال والوں سے لیتے ہوئے محصول سے حکومت اپنے مُلک کے جملہ محتاجوں کو روٹی مہیا کرنا اپنا اوّلین فریضہ سمجھے اور اشتراکیت و سرمایہ داری کے تصادم کو (جو آج بے دین دنیا میں رُونما ہے) پیش بینی کر کے شروع ہی میں حل کر دیا اور روک دیا۔

عورت، مزدور اور غلام کی حیثیت کے متعلق بھی پیغمبر اسلام کی تعلیم معتدل اور اسی لئے مفید و قابلِ عمل ہونے میں بے مثل ہے۔

سماجی اور اخلاقی حیثیت سے آپؐ نہ صرف ایک اچھے معلّمِ اخلاق تھے، بلکہ ایک نادر بات یہ تھی کہ آپ اپنی تعلیم کی سب سے پہلے خود تعمیل کر کے اور دوسروں کو جتنا حکم دیتے اس سے زیادہ خود عمل کر کے اوروں کے سامنے زندہ نمونہ پیش فرماتے تھے۔ ایک باپ، ایک شوہر، ایک دوست، اور حاکم، ایک تاجر ایک انسان کی حیثیت سے آپ کا کردار اتنا بے داغ ہے کہ دشمن بھی اس کو سراہنے کے بغیر چارہ نہیں دیکھتے۔ علاوہ اور اسلامی اصلاحات کے بت پرستی، شراب اور جوے، سٹے کی ممانعت مسلمانوں کی ایسی خصوصیت ہے کہ باقی دنیا بھی اب خواہی نہ خواہی اس کو ماننے پر مجبور سی ہو چلی ہے۔

دنیا میں بہت سے معلم، ہادی اور پیغمبر آئے، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ کسی کو اپنی زندگی میں اتنی کامیابی نہیں ہوئی جو نبی عربیؐ کو ہوئی۔ ۱۳ھ میں جب آپ حج کو تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھ ڈیڑھ لاکھ مسلمان تھے، جو مُلک کے ہر حصّے سے آئے تھے۔ آنحضرتؐ نے دنیا میں جو دین پیش فرمایا اس نے اپنے

لئے خود بخود جگہ پیدا کر لی۔ چین میں کبھی اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی۔ مگر چین کے کروڑوں مسلمان اور ہندوستان کے روز افزوں نو مسلم اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ اسلام کی اندرونی کشش کتنی ہے۔ وہ آپ ہی تھے کہ تعصبات سے بھری دنیا میں برملا فرما گئے کہ نسل، رنگ یا زبان سے کسی انسان کو دوسرے پر کوئی فوقیت بالکل نہیں۔ حقیقی فضیلت نکوکاری اور خدا ترسی ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز و مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو)۔ آپ نے اسلام کے اصول پر جس زور سے عمل کرایا اسی کا نتیجہ ہے کہ تمام پست قومیں اسی کو اپنی نجات کا واحد ذریعہ سمجھتی رہی ہیں۔ اسلام سے زیادہ مساوات کسی اور مذہب میں نظر نہیں آتی۔ اور مثلاً رنگ و زبان کے متعلق فطرت کی تنوع پسندی کو بے اثر بنانے میں اسلام سے زیادہ کسی مذہب و مسلک کو کامیابی نہیں ہوئی۔

انسانی آبادی کے ہر گروہ کی اپنی الگ تاریخ، الگ تعصبات، الگ روایات ہیں۔ اور انسان کو اپنے محسنوں یا بزرگوں کے احترام سے روکنا نہ تو آسان ہے اور نہ ہی اس میں کوئی فائدہ۔ آسان اور مفید طریقہ یہی ہے کہ پرانے روایات اور تعصبات و تخیلات کو چھیڑے بغیر (اگرچہ اس کو ایک نیا پس منظر، ایک نئی رُخ میں رواں دواں کر کے) کچھ نئی چیزوں کے احترام اور اوروں سے زیادہ احترام کی تعلیم دی جائے، اس کے بغیر مرکز گریز اولادِ آدم و حوا کو دوبارہ ایک مرکز پر آنے کے لئے آمادہ کرنا ممکن نہیں۔

یہودیوں کو اپنے ہمعصروں میں واحد موحد قوم ہونے وغیرہ کی بنا پر ناز تھا اگرچہ باقی دنیا میں وہ ملعون تھے۔ اسلام نے برملا اعتراف کیا کہ فَضَّلْتُکُمْ

Marfat.com

عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (خدا نے تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی) عیسائیوں کو اپنے
مانی مذہب کی بعض خصوصیتوں پر ناز تھا۔ جس سے باقی ساری دنیا کو انکار تھا۔ قرآن
نے اس کو بھی قبول کیا کہ عیسیٰ بن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم
وروح منہ (وہ اللہ کے رسول، کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ تھے) لیکن ان دونوں قوموں
کو بتایا کہ محض پدرم سلطان بود کافی نہیں۔ عمل کے متعلق خدا کا حساب وکتاب فرداً
فرداً ہر ایک انسان سے ہوگا۔ جس خدا نے موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو کچھ خصوصیتوں
سے نوازا اسی خدا نے ان سابقہ انبیاء کی تعلیمات کے صحیفوں کے حوادث زمانہ کا
شکار ہو کر تلف ہو جانے کی وجہ اپنی وفور نوازش سے انسانوں پر ان تعلیموں کی پھر سے
تلقین وتجدید کرنے کے لئے ایک اور نبی بھیجا۔ اور جب تک اس نبی کی تعلیم محفوظ و
موجود ہے کسی مزید نبی کی ظاہر ہے کہ کوئی ضرورت نہیں۔

انبیاء بنی اسرائیل ہی نہیں، اُن سے قبل اور ان کے بعد کے بھی وان من
امۃ الا خلا فیھا نذیر کہہ کر دنیا کی ہر قوم کا دل موہ لیا۔ آدمؑ سے لے کر
عیسیٰ تک آنے والے رسولوں میں سے ایک دو درجن کا نام بھی لیا اور یہ بھی فرمایا
ورسلا قد قصصناھم علیک من قبل ورسلا لم نقصصھم علیک
(یعنی اور کسی کے لئے رنجش کی وجہ نہ رہی)۔ اس حیثیت سے بھی آپ رحمۃ للعالمین
ثابت ہوئے۔

مذہب سابق میں ایک گورکھ دھندہ بن کر عبادت گاہوں کے افسروں پجاریوں
کی اجارہ داری بن گیا تھا۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ نہیں الذین یسرہ وہ ہر ایک
فرد انسانی کا معاملہ ہے۔ اور ایک بنیادی مذہب، ایک خلاصہ اور نچوڑ پیش کیا کہ

Marfat.com

انسان مہدیا کم از کم سن رُشد سے لحد تک اپنے آپ اس کا ذمہ دار رہے۔ اور وہ مذہب اٰمَنَ باللہ والیوم الاٰخر و عمل صالحاً (اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور عمل صالح کرتا رہے) اور لا یکلف اللہ نفساً الا وُسعَھا (ہر شخص پر اس کی استطاعت کے مطابق ہی ذمہ داری ہے)

یہ سب ایک طرح سے دنیوی پہلو تھا۔ اسلام کی خصوصیت یہ رہی ہے کہ وہ دنیا و دین دونوں کی بہ یک وقت بھلائی چاہتا ہے۔ روحانی ترقی، اور تزکیۂ نفس کے لئے توحید سے بڑھ کر کوئی وسیلہ تصور میں نہیں آتا۔ اگر کوئی شخص خدا کو ایک مان لے، اور خیر و شر میں اُس کے سوا کسی اور کی قدرت نہ سمجھے، اور حشر و حساب کو مان لے تو پھر اس دنیا میں گناہ کا سرزد ہونا محال نہیں تو مشکل ضرور ہو جاتا ہے۔ ہر شخص کے ایمان کی پختگی اس کے اعمال میں ہویدا رہتی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکات اور جہاد فی سبیل اللہ ایسے احکام ہیں جن سے انسان فرشتوں سے بھی سبقت لے جاتا ہے۔ جس میں مدرکِ حکمی کی صلاحیت ہی نہ ہو (مثلاً فرشتہ) اور وہ کسی کل کی طرح بے اختیار حرکت کرتا چلا جائے تو نہ وہ ثواب کا مستحق اور نہ عذاب کا مستوجب۔ جس میں خیر و شر کی بہ یک وقت قدرت ہو اور وہ اپنی قوتِ ارادی و اختیار سے کام لے کر صرف خیر پر عمل کرے تو یقیناً اشرف المخلوقات کہلانے کا اسی کو حق ہو سکتا ہے۔

یہی چیزیں نتیجہ ہیں سیرتِ پاک کے مطالعے کا۔ اور یہی چیزیں ہیں جو سیرتِ پاک کے مطالعے کی دعوت دیتی ہیں۔

135158

وَاٰخر دعوانا اَن الحمد للہِ ربِّ العٰلمین

Marfat.com

# مَواد اور مآخذ

مختلف اشخاص کی سوانح عمریاں مختلف قسم کے ماخذوں اور مولو کی مدد سے مرتب ہوتی ہیں۔ مواد کبھی زیادہ ہوتا ہے اور کبھی کم، بعض وقت تو کسی زبان کی کوئی کہاوت، کوئی ضرب المثل یا کوئی تلمیح ہی اپنے ہیرو کے متعلق معلومات کا واحد ذریعہ ہوتی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی بادشاہ ہو، کوئی ممتاز سیاسی شخصیت ہو، کوئی کاریگر یا پیشہ ہو، کوئی عالم یا فلسفی ہو، کوئی شاعر و ادیب ہو، کوئی درویش و صوفی ہو، کوئی نیک شخص ہو، کوئی بد شخص ہو، عقلمند ہو، بے وقوف یا سادہ لوح ہو، غرض ہر ایک قسم کی شخصیت الگ الگ نہج سے کام کرنے پر مجبور کرے گی۔ اگر کسی معمار کی سوانح عمری کا تکملہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ اس کی بنائی ہوئی عمارت کی فنکارانہ اور معاشی و دیگر حیثیتوں سے جانچ کی جائے تو کسی قائد و مصلح کی قیادت میں یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ اس کے اثرات کتنے گہرے، کتنے دیرپا، کتنے وسیع ہوئے۔ اور اگر کوئی بہت سی حیثیتوں کا جامع رہا ہو تو سوانح نگار کا کام بھی پھیل جاتا ہے۔ پھر ولادت سے لے کر وفات تک جسمانی حیثیت سے کیسے گذری، دماغی ارتقاء کیا ہوا، گھریلو زندگی، پبلک زندگی، احباب سے برتاؤ، دشمن سے سلوک، اور اس کے متعلق اس کے اپنے خیالات، نیز غیروں کے تاثرات بھی دلچسپ دریافت کا سامان ہیں۔

کسی پیغمبر کی حیات طیبہ کا کام جہاں باعث سعادت ہے وہیں مشکلات سے لبریز بھی ہے۔ وہاں مادی اور عام مسائل سے بھی سابقہ ہوتا ہے اور روحی و معجزات سے بھی۔

دنیا میں کسی پیغمبر ہی نہیں، کسی بھی انسان کے حالات اتنے گوناگوں نہیں ہونگے جتنے رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ سیرتِ پاک کے مواد اور ماخذوں کا سرسری اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ آپ کے اپنے اقوال و احکام (۲۳) سالہ پیغمبرانہ زندگی میں جس مقدار میں زبان سے نکلے اُن کا مختصر و محدود حصہ جو محفوظ رہا اور ہم تک پہنچا ہے وہ بھی ہزاروں ہی نہیں لاکھوں حدیثوں کی صورت رکھتا ہے۔ اگر آپ کے افعال اور آپ کی اپنوں میں روا رکھی ہوئی چیزیں بھی لے لی جائیں تو سنت کا یہ مجموعہ بیسیوں مجلدات میں آتا ہے۔

کسی شخص سے ملنے والے سینکڑوں چیزیں بیان کر سکتے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف عقیدت مند ہی سنہ ۱۰ھ کے حج کے موقع پر لاکھ، ڈیڑھ لاکھ تھے اس سال حج کو نہ آنے والے ہوں، خانہ نشینوں کی تعداد یقیناً اس سے کئی گنا زائد ہوگی۔ ماہرین حدیث نے لکھا ہے کہ صحابہ کا وہ حصہ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی نہ کوئی حدیث مروی ہے ایک لاکھ سے زائد تعداد رکھتا ہے۔ دنیا کی کسی شخصیت کے حالات کے شاہدانِ عینی اتنے کیا اس کا ہزارواں حصہ بھی نہیں ملیں گے۔ آنحضرتؐ سے ملنے والوں میں آپ کے بزرگ یا خورد، رشتہ دار ہیں، گھر والے ہیں، ملازم ہیں دوست ہیں، اتفاقی ملاقاتی ہیں۔

آپ کی ۶۳ سالہ واقعات سے پُر زندگی میں نہ معلوم کتنے خطوط آپ کو لکھے گئے ڈھائی تین سو تو تاریخ نے عہد نبوت کے متعلق اب بھی محفوظ کئے ہیں۔ صرف انھیں کو لیجئے تو سب لکھا، کس کو لکھا، کیوں لکھا، کیا لکھا، لکھنے کا نتیجہ کیا ہوا، وغیرہ ان کی ضخیم جلدوں کا مواد ہوگا۔

Marfat.com

معلومات کا ایک اور اہم ماخذ ہمعصر شعراء کا کلام ہے۔ اُن کے اشعار کے اشاروں کی توضیح و تشریح، شاعر کی پرکھ، قوتِ فیصلہ اور قوتِ اظہار اور دیگر بہت سے امور اس سلسلے میں لحاظ میں آتے ہیں۔

بیرونی لوگوں کے ہمعصر سفر نامے ہیں۔ بیروں میں آپ کے حالات کی جو اطلاع پہنچی اُس کے بیرونی مورخوں کے ہاں تذکرے بھی ہیں۔

پھر آپ کی دی ہوئی اور پیش کی ہوئی تعلیم ہے۔ اس مشن کا مقصد اس کی تکمیل کے لئے اختیار کی ہوئی تدبیریں، ان وسائل و تدابیر کا اثر و نتیجہ اور اثرات کا استحکام و دیرپائی نیز اُن اثرات کی رفتہ رفتہ ترمیم و تبدیل و تجدید کے وجوہ و اسباب سے بحث کی ضرورت ہوگی۔ اور چونکہ کسی ایک زمانے کو سمجھنے کے لئے اس کے پس منظر کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ اور انسانیت ارتقائی مدارج طے کرتے ہوئے آغاز عہد رسالت میں جس درجے پر پہنچ چکی تھی، اس کو بھی شامل کر لیں۔ اور کام پھیلا کر جامع بنانا چاہیں تو ایک طرح سے ایک ذات قدسی صفات کی زندگی کے لئے ابتدائے آفرینش سے نفخ صور تک کی انسانیت کی تاریخ پر تبصرہ کرنا پڑے گا۔ خاص کر اس شخصیت کے متعلق جس کی نسبت عقیدہ ہے کہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاک۔

کسی شخص کے بہت سے کارناموں کی صحیح اہمیت کے لئے کمیت کی جگہ کیفیت دیکھنی پڑتی ہے ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں سب کے اعداد ملا کر کہتے ہیں کہ ایک کروڑ آدمی مارے گئے۔ اور ۱۹۳۹ء کی جنگ میں چار کروڑ۔ مگر تاریخ عالم میں اُن کی وہ اہمیت نہیں جو جنگ بدر کی ہے۔ جس میں فریقین کے مجموعی طور سے مارے جانے والوں کی تعداد سو بھی نہیں ہے۔ اسی طرح کسی ارب پتی راک فیلر کا ایک کروڑ روپیہ خیرات کر دینا یا مرتے وقت

Marfat.com

وصیت کرنا کردار کی وہ عظمت نہیں رکھتا جو چند سو روپے کا چندہ دینے والے کا جس سے یہ پوچھا گیا تھا کہ اس چندے کے بعد گھر میں کیا رکھ چھوڑا ہے تو جواب ملا تھا۔ کہ "بس صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت" مزید برآں بہت سے واقعات اس وقت تک پوری طرح پاتو سمجھے ہی نہیں جا سکتے یا اُن کی صحیح قدر و قیمت نہیں معلوم ہو سکتی جب تک اُن واقعات کے پیش آنے کے مقام کا جغرافیہ، معاشی و سیاسی حالت وہاں والوں اور اس واقعے میں حصہ لینے والوں کی نفسیاتی کیفیت، اُس مقام کے ماحول اور رہسلے کی داخلی اور اثر انداز حالتیں اور دیگر بہت سے امور کا مطالعہ نہ کیا جائے۔ اوروں کے حالات سے مقابلہ بھی ایک مزید پہلو ہے۔

لکھنے والے کی عقیدت، اہلیت، سہولت، حالات کی مساعدت، وسائل کی فراہمی وغیرہ کا بھی خیال کیا جاتا ہے۔

ایک ہی واقعے سے مختلف ذہن، مختلف نتائج کا استنباط کرتے ہیں۔ سیرتِ نبوی اس وقت دنیا کی ہر مہذب زبان میں ملتی ہے۔ اور بعض زبانوں میں ہزاروں کتابیں اس ایک موضوع پر ملتی ہیں۔ اگر مکررات کو حذف بھی کر دیں تو بھی ہر کتاب میں کوئی نہ کوئی خاص پہلو اہمیت رکھتا ہے۔ صرف آپ کی جنگوں ہی کو لیجئے کوئی اُن کا ذکر کہانیوں کے طور پر کرتا ہے۔ کوئی فن حرب کی تاریخ میں اُن کو جگہ دینے کے لئے اُن کا بیان کرتا ہے۔ کوئی قانون بین الممالک کے قواعدِ جنگ کی نظیروں کے لئے اُن کا مطالعہ کرتا ہے۔ کوئی عربی سپاہی کی نفسیات، قوتِ برداشت، بہادری، موقع محل سے استفادے کی اہلیت وغیرہ کا مواد اُن میں تلاش کرتا ہے۔

جس مقام پر کوئی شخص زندگی گذار چکا ہو، وہاں عرصہ دراز تک اس کے متعلق

Marfat.com

تاثرات، کہانیاں اور کہاوتیں پائی جاتی ہیں، جن میں حذف اور اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ اتنی قسم کی اور اتنی کثیر چیزوں کی موجودگی میں سوانح نگار کیا کرے؟ ان ہزاروں پہلوؤں میں سے ایک آدھ پر اکتفا کئے بغیر چارہ نہیں۔ اگر اس میں بھی کچھ کامیابی ہو جائے یعنی کسی کو اس میں کچھ کام کی چیز ملے تو فبہا۔ ورنہ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ اپنے ذاتی استفادے ہی کے لئے ہے اور بس۔

# بعثتِ نبوی کے وقت دُنیا کی حالت

دنیا میں بُرائی اور گناہ کو فن لطیف بنا دینے والے بھی اور قوم کی حالت پر کُڑھنے اور دردمند دل رکھنے والے بھی ہر جگہ اور ہر زمانے میں ہوتے ہیں۔ بُرائی اور اخلاقی پستی جتنے بڑے طبقے میں پھیلی اور شدت اختیار کرتی ہے اُتنے ہی بڑے کردار کے مُصلح کی ضرورت ہوتی ہے۔ انبیائے سلف کے زمانے میں معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ایک قوم، کسی ایک بستی میں بُرائی کو بھلائی سمجھنے لگنا عام ہوتا تھا۔ اور باقی دُنیا ایک حد تک گوارا کرنے کے قابل کردار رکھتی تھی۔ اور نبی بھی خاص مقام کے لئے روانہ کیے گئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ عہد نبوی کے آغاز پر دنیا کے کس کس مُلک میں مصلح کی ضرورت تھی۔ ایک ہی آدم و حوا کی اولاد ہونے کے باوجود روز افزوں پھیلنے والی نسل انسانی قدیم زمانے میں ذرائع معیشت کی ضرورتوں سے جب اپنوں سے بچھڑتی اور رشتہ داروں سے دور دوسری جگہ جا بستی تو پھر اپنے مرکز سے تعلق رکھنے کی ضرورت یا موقع کم ہی پیش آتا تھا۔ لیک تو ذرائع حمل و نقل کی کمی تھی۔ دوسرے ہر مقام اپنی ضرورتوں کے لئے جو زیادہ تر غذا، لباس وغیرہ پر مشتمل ہوتیں) خود اکتفا ہوتا۔ یہ نہ تھا کہ آج کل کی طرح ہر کوئی اپنی کسی نہ کسی ضرورت کے لئے

Marfat.com

دوسروں کا محتاج ہو، کہیں غلہ نہ ہو، کہیں روئی نہ ہو، کہیں لوہا، کہیں کوئلہ یا پٹرول نہ ہو، کہیں کاغذ کا مواد نہ ہو۔ اس کا نتیجہ تھا کہ قدیم زمانے میں بین الاقوام اور بین الممالک تعلقات ناپید سے تھے۔ ناگزیر نبی اور مصلح بھی قومی ہوتے تھے۔ (علمگیر اور بین الاقوامی نہیں) اور ان کی تعلیم کسی بربری، کسی غیر بنی اسرائیل، کسی غیر آریہ سے متعلق ہی نہ ہوتی تھی۔ انسانیت میں بین الاقوامی امتیاج رفتہ رفتہ ہی پیدا ہوئی۔ اور عہد نبوی کے آغاز پر اس کا عبوری دور اس حد تک گذر چکا تھا کہ مہمات پسند عرب تاجر ایک طرف حبش و مصر و شام کو تو دوسری طرف چین و ایران و ہند کو کارواں لے جایا کرنے لگے تھے۔ بڑے بڑے جہاز بنانا اور زمین کے تلاب ملانا انسان سیکھ چکا تھا۔ ناگزیر اب نبی بھی مختص المکان، اور مختص الزمان ہونے کی جگہ ایسا ہونا ضروری تھا جو معتدل اور مستقل تعلیم دے۔ سرد ممالک ہوں یا گرم، شہری باشندے ہوں کہ خانہ بدوش، سب کو ایک مرکز سے دوبارہ جوڑنا اور سب کے لئے بنیادی مذہب لانا ممکن ہو۔ تعلیم میں مستحب اور نفل کی تھوڑی سی لچک ضرور رہے۔ لیکن اقل قلیل فرائض بنیادی مذہب کا کام دے سکیں، اور وہ سب ہی کے لئے یکساں ہوں۔ یونان کسی زمانے میں حکمت اور فصاحت کے دریا بہا چکا تھا۔ دنیا کو اس کی ذہنی غلامی سے نجات دلانے کے لئے حکمت اور فصاحت کے ایک بہتر اور بلند تر نمونے کی ضرورت تھی۔ رومانے قانون سازی میں کمال پیدا کیا تھا۔ اور رسول عربی کی ولادت سے پانچ ہی سال پہلے مرنے والے شہنشاہ جسٹی نین نے رومی قوانین کی تدوین کا کارنامہ انجام دلا کر دنیا کو ایک چیلنج دے دیا تھا کہ اس سے بہتر قانون لاؤ۔ اسی طرح ہندوؤں نے کچھ، مصریوں نے کچھ، ایرانیوں نے کچھ، ایسے کارنامے چھوڑے تھے جن سے خاص خاص شعبوں میں انسانی ذہنیت پر اُن کی برتری مسلم ہو چکی تھی۔ اور ضرورت تھی کہ انسانی ذہن

Marfat.com

کی صحت مند بالیدگی کے لئے اِن کچلنے والے مواقع کو دُور کر دیا جائے۔ اور انسان کو عقل، فکر، نظر، بصر، سمع، تفقہ، تدبر، شعور، علم وغیرہ سے خود کام لینے پر آمادہ کیا جائے۔ ان عطایائے فطری کو معطل کر لینا، اسے انفرادی جواب دہی سزا و جزا سے بھی علٰحدہ کر لینا فی الحقیقت اطاعت شعار فرشتوں اور سرکش شیطانوں سے الگ ایک احسن تقویم والی مخلوق کے پیدا کرنے کی غرض کو فوت کر دینا ہے۔ اِن تمہیدی نکات کے ساتھ دنیا کے بڑے ممالک کی عام حالت سے جو بعثتِ نبوی کے وقت تھی، ضروری واقفیت حاصل کر لینی چاہیئے۔

**چین** چین نے اقصائے مشرق میں اپنی صلاحیتوں کے معراج کمال کا مظاہرہ اپنے مصلح کونگ فوت سیوز (کنفوشیوس) (زمانہ ۵۵۱ء تا ۴۷۹ء ق م) کی صورت میں کر دیا تھا۔ عہد نبوی کے آغاز پر وہاں عجیب حالت تھی۔ کنفوشی نظام پارہ پارہ ہو چلا تھا۔ ہند کا بدھ مت وہاں گھسنے اور ایک عبوری دور پیدا کرنے کا باعث بنا ہوا تھا۔ متاخر خاں (Hans) خانوادے کی حکومت عرصہ ہوا ختم ہو چکی تھی۔ اور اس کی جگہ وائی (Wei) وو (Wu) اور شو (Shu) کی تین حکومتیں کیا قائم ہوئی تھیں کہ خانہ جنگیوں کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ چھڑ گیا اور مُلک کو انسانیت کی کسی خدمت کے ناقابل بنا چکا تھا۔ مگر یہ فتنے پر مُستزاد تاتاریوں، ہسیونگ نو اور تبت والوں کے حملے بھی تھے۔ عرصہ دراز کے افتراق کے بعد خانوادہ سوئی نے ۵۸۹ء تا ۶۱۸ء پینتیس سال کے قلیل عرصہ کے لئے مُلک میں بہت کچھ وحدت پیدا کی، مگر ہجرت نبوی سے ڈیڑھ سال پہلے ہی اس کا خاتمہ ہو گیا۔ پھر ٹنانگ خانوادہ برسر اقتدار آیا تو آہستہ آہستہ حالت کچھ سُدھری۔ اور مُلک میں امن اور یک جہتی تو پیدا ہوئی مگر ہم چو من دیگرے نیست کا

تمرتی سوز جذبہ انھیں کچھ سیکھنے میں مانع ہی رہا۔ (تفصیلات انسائکلوپیڈیا برٹانیکا وغیرہ میں)

**ہند** ہند میں ایک ہزار سال قبل مسیح آریہ قبائل آ گھسے تھے۔ جات پات کے نظام، مظاہر پرستی کی سطحیت کے تحت کروڑوں دیوتاؤں کی ایجاد، رہبانیت اور ترک دنیا کو انسانیت کا کمال سمجھنے کا جذبہ کو ملا سی طرح کی چیزیں اُسے پوری انسانیت کی اجتماعی زندگی کی خدمت کے ناقابل بنا چکی تھیں۔ کنفوشیوس کے ہمعصر زمانے میں گوتم بدھ نے برہمنوں کی مراسم پرستی کے خلاف احتجاج کر کے ایک دوسری انتہا پسندی کی تعلیم دی۔ علاج صحیح تھا۔ مگر ظاہر ہے کہ وہ عارضی ضرورتوں کے لئے تھا۔ چند دن وہ پھلا پھولا۔ مگر ایک تو معتدل حالات کے لئے اس میں ٹھوس بنیادیں نہ تھیں دوسرے بدھ مت اور برہمنیت کی کشمکش ایک دوسرے پر عارضی فتح کے بعد بالآخر بدھ مت کو بڑے مظالم کے بعد ہند سے خارج کر دینے کا باعث بنی۔

عہد نبوی سے پہلے ہند پر وسط ایشیا کے سفید خان (Huns خانوادہ) کی حکومت تھی۔ مگر ولادت نبوی سے پانچ سال پہلے ۵۶۵ء میں دریائے جیحوں پر اس حکومت کو شکست ہوئی، تو ہند پر سے بھی اس کا تسلط جاتا رہا۔ پھر تھانیسر کے راجہ کا چھوٹا بیٹا ہرش (زمانہ ۶۰۶ تا ۶۴۸ء) شمالی ہند کا مالک بنا۔ آسام، بنگال، نیپال، مالوہ، گجرات، کاٹھیاواڑ وغیرہ اس نے رفتہ رفتہ فتح کئے۔ مگر ۶۱۰ء میں ہجرت نبوی سے کچھ پہلے اس نے دکن کا رُخ کیا تو چلوکیا خاندان کے راجہ پلی کے سن دوم نے اُسے دریائے نربدا پر شکست دے دی۔ اس کے اولاد نہ تھی۔ اپنی رعایا کو اس نے آرام طلب بنا لیا تھا۔ اُس کی موت کے ساتھ اس کی شہنشاہی کا خاتمہ ہو گیا۔ اور پھر صدیوں تک تباہ کارانہ خانہ جنگیاں ہوتی رہیں۔

چلو کیا والوں نے ہرش کو شکست تو دی، مگر کانجی ورم کے پتوا والوں کے ہاتھ خود بھی تباہ ہو گئے اور ان کی سلطنت پنپ نہ سکی (ماخوذ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا وغیرہ)

**ترکستان** یہ بڑا مردم خیز خطہ ہے۔ مگر سنہ عیسوی کی سات صدیوں تک یہاں کی حالت کا ہمیں کچھ بھی علم نہیں۔ عہد نبوی کے ہمعصر خان (Huns) تبت پر چھا گئے تھے۔ اور مغربی ترکوں کی مدد سے براج رہے تھے۔ مگر اُن میں نہ کوئی تمدن تھا اور نہ خود غرضی کے سوا انسانیت کی خدمت کے لئے اُن میں کوئی بلند مطمح نظر ہی۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)

**رومی و ایرانی** یونان تو کبھی کا ختم ہو چکا تھا۔ اس کی جگہ یورپ میں رومی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ مگر جب وہ مشرقی و مغربی دو حصوں میں بٹ گئی تو ہم دیکھتے ہیں کہ عہد نبوی کے زمانے میں مغربی رومیوں پر جرمن وغیرہ وحشی قبائل ٹوٹ پڑے اور پایہ تخت روما کے بھی مالک بن گئے تھے۔ ان اُن وحشیوں نے جو کچھ کیا ہوگا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے مسیحیت کے مذہب یعنی عیسائیت کو قبول کیا تو غیر عیسائیوں سے زیادہ بے رحمی اور بے اصولی دکھاتے رہے۔

ادھر مشرقی رومی حکومت قسطنطنیہ کے صدر مقام سے ہمسایہ ایرانیوں کے ساتھ صدیوں تک آویزش میں مبتلا رہی۔ عہد نبوی کے ابتدائی زمانے میں ایرانیوں نے اپنے حریفوں سے مصر و شام وغیرہ تک چھین لئے تھے۔ اور قرآن مجید نے غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ کا اعلان کیا۔ مگر ۶ھ یعنی صلح حدیبیہ کے زمانے میں نینوی (موصل) کے میدان پر رومی شہنشاہ ہرقل نے ایرانیوں کو ایسی فیصلہ کن شکست دی کہ اُن کے ہاں شاہ گردیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور ایران سنبھل ہی نہ سکا۔

Marfat.com

قسطنطنیہ کے رومی (بیزنطینی) اس فتح سے کیا فائدہ اٹھاتے جب کہ صدیوں کی بیرونی جنگوں نے ایک طرف ملک کو تباہ و تاراج کر دیا تھا، تو دوسری طرف مذہبی فتنے بھی ان کے ہاں ناقابلِ بیان تھے۔

چنانچہ حضرت مسیح میں صرف خدائی طبیعت کا ہونا یا خدائی اور انسانی ہر دو طبیعتوں کا پایا جانا یا دو طبیعتوں مگر ایک مشیت کا پایا جانا وغیرہ نظریے فرقہ بندی پیدا کر رہے تھے اور ہر فرقہ اتنا تنگ نظر تھا کہ دوسرے کی زندگی تک کا روادار نہ تھا۔ یہ ایک دوسرے پر اتنے مظالم کرتے رہے کہ جب حکمران فرقے سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی تو دوسرے فرقوں کے عیسائی دل و جان سے ان اجنبی غیر مذہب والوں کو خوش آمدید کہتے اور ان کو مدد دیتے رہے۔ اور مسلمانوں کے ماتحت رہنا اُن کو غیر فرقے کے عیسائیوں کے ماتحت رہنے سے کہیں زیادہ اچھا معلوم ہوتا تھا۔ (انحطاط و زوال روما مؤلفہ گبن)

یہی حال ایران کا تھا۔ مزدکیت کی دولت اور عورت میں اباحت پسندانہ اشتراکیت نے عرصے تک ملک کو نہ صرف خانہ جنگی میں مبتلا رکھا بلکہ ملک کے اخلاق کو ناقابل اصلاح طور پر تباہ کر دیا تھا۔ حد ہو گئی کہ مزدک نے بھرے دربار میں شہنشاہ سے مخاطب ہو کر کہا تھا کہ یہ تیری ملکہ بھی صرف تیری نہیں ہے بلکہ اس سے ہر شخص استفادہ کر سکتا ہے۔ اور اس پر نہ اُسے غیرت آئی اور نہ یہ شرمائی۔ پھر نوشیرواں تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے باپ کے عمل کو اُلٹ دیا۔ اور اب آتش پرستی نے مزدکیت کے خلاف وہ وہ ظلم ڈھائے کہ یہاں سے رُونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ اسی زمانے میں رسول اکرم ﷺ کی ولادت ہوئی۔ مگر جیسا کہ ہم نے دیکھا رومیوں نے ایرانیوں کو کچھ ایسی زک دی تھی کہ وہ پنپ نہ سکے۔

(کرستن سین، ساسانی)

Marfat.com

**حبش** حبش بھی کافی بڑا علاقہ ہے اس نے ایرانیوں سے یمن کو چھین لیا تھا مگر جب ۷۰ یہ شمالی عرب میں بڑھے تو ولادت نبوی کے سال یہ "اصحاب الفیل" کی طرح کھائے ہوئے کھوکھلے دانوں (عصف ماکول) کی طرح ختم ہو گئے۔ اور جلدی ہی عہد نبوی میں اُن کی حکومت عرب میں بھی اور خود حبش میں بھی خانہ جنگیوں وغیرہ میں پھنس کر بیکار و معطل ہو گئی۔ اور مسلمان مہاجرین ہمیشہ خود حبش کی اُن خانہ جنگیوں سے پریشان رہے۔

غرض اس زمانہ میں جدھر دیکھو دنیا میں تباہی اور فتنہ و فساد ہی تھا۔ کسی جگہ بلند نظرانہ عالی ہمتی اور دردمندانہ انسانیت پر وری نظر ہی نہ آتی تھی۔ ضرورت تھی کہ پوری دنیا کو اب جھنجھوڑ کر یاد دلایا جائے کہ وہ سب ایک ہی آدم و حوا کی اولاد ہے۔ اور ملک وار، قوم وار، نسل وار، اور ایسے ہی دیگر محدود مذاہب سے نجات دلائی جائے۔ اور تمام انسانی دنیا کے لئے ایک "بنیادی مذہب" پیش کیا جائے جو زمان و مکان کے فرق سے بالا اور جاتیوں اور طبقوں کے امتیاز سے بری ہو۔ اور ہر انسان کو انفرادی حقوق اور ذمہ داریاں عطا کر کے نوع بشری کی تخلیق کی اصلی غرض و غایت پوری کرنے کا انتظام کیا جائے۔

## عرب اور مکہ معظمہ کا انتخاب
## دعوت اسلام کے مرکز کے طور پر

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تمام ہی دنیا کی حالت اصلاح طلب تھی تو اس کی اصلاح کی دعوت کا مرکز کہاں ہو؟

**جغرافی وجہ** پرانی دنیا کے نقشے پر نظر ڈالئے تو نظر آجائے گا کہ ایشیا، یورپ افریقہ اور اوقیانوسیہ کے براعظموں میں جزیرہ نما عرب کو

Marfat.com

ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اور یہ مرکز بھی ایسا کہ ایشیا میں ہوتے ہوئے بھی وہاں سے افریقہ اور یورپ بہت قریب ہیں۔ خاص کر ان دونوں براعظموں کے اس زمانے کے متمدن ترین علاقے یعنی یونان، مصر، روما سے بھی مرکزیت تھی، جس نے عرب کے بھی مرکز "مکہ معظمہ" کو ناف زمین کا نام دلا دیا تھا۔

کسی مرکز سے ہر انتہائی حصہ قریب ترین ہوتا ہے۔ اور ہر جگہ پہنچنا مرکز ہی سے سہل ترین ہوتا ہے۔ آب و ہوا کا اثر طبائع اور اخلاق پر جو کچھ پڑتا وہ اب مسلّم ہے۔ سرد ممالک والوں کی ذکاوت، پہاڑی اور صحرائی لوگوں کی جفاکشی، زرخیز ممالک والوں کی تمدنی ترقیاں وغیرہ مسلّمہ قانونِ قدرت پر مبنی معلوم ہوتی ہیں۔ ایک بہت ہی محدود رقبے کے اندر مکہ کی وادیٔ غیر ذی زرع، طائف کی رشکِ شام و روم خنکیاں، مدینہ کی زرخیزی وغیرہ کا ایسا اجتماع حجاز میں عمل میں آیا کہ اس کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ ایشیا، یورپ، اور افریقہ سے طبعی مماثلت کے ساتھ ساتھ عرب میں ان تینوں براعظموں کے سیاسی مفادات بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت پوری قوت سے اثر انداز تھے۔ قسطنطنیہ کے رومیوں نے شمالی عرب پر، ایرانیوں نے شرقی، اور حبشیوں نے جنوب مغربی عرب پر قبضہ کر رکھا تھا۔ اور عرب تینوں براعظموں کا سنگم اور عمل و ردِ عمل کا مرکزی نقطہ بنا ہوا تھا۔

## عمرانی وجہ

تاریخ عالم پر محض ایک سرسری نظر سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وحشیت و بدویت کے بعد ہی کسی قوم کا ارتقاء اور اس کے ہاتھوں انقلاب آفریں کارنامے انجام پاتے ہیں۔ اور عروج و تمدن کے زمانے میں کسی قوم میں برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ اپنی آپ اصلاح نہیں کر سکتی، بلکہ جلدی ہی انحطاط و زوال کے

Marfat.com

ذریعے سے اس کا رہنمایانہ وجود دنیا سے ختم ہو جاتا ہے۔ دنیا کی متمدن قوموں کو عموماً وحشیوں اور بدویوں ہی نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود مغلوب کر لیا، روم کی شہنشاہی کو جرمنوں نے، چینیوں کو ترکمانوں نے جس طرح زیر کیا، وہ دنیا کو معلوم ہے۔ عہد نبوی کی متمدن دنیا کو صحرائے عرب کے بدویوں کے ذریعے سے جھنجھوڑنے کی ضرورت تھی۔

کوئی ملک پوری طرح حضری اور متمدن زندگی گذارنے لگے تو اس میں زندگی پیدا کرنے والے نئے پیوند کا لگنا اندرونی وسائل سے ممکن نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف اگر خانہ بدوش بدویوں کے ماحول میں کہیں کہیں شہری زندگی کے آثار پیدا ہو گئے ہوں تو ایسا علاقہ وقتاً فوقتاً صحرانشینوں کو اپنے اندر کھینچ اور جذب کر کے تازہ قوت حاصل کر سکتا ہے۔ یہ بات عرب میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔

نامعلوم وجوہ سے دنیا کے تین حصے بڑے نسل بخش ہیں۔ صحرائے گوبی، جرمنی کا کالا جنگل اور عرب۔ سینکڑوں ہزاروں سال سے انھیں علاقوں سے اجتماعی ہجرتوں کی موجیں اٹھتی رہی ہیں۔ اور آس پاس کے علاقوں پر چھا جاتی رہیں۔ کیوں کہ خود اُن کے اپنے اندر آبادی کی تیز ترقی کی تو قوت ہے۔ لیکن آبادی کی پرورش کے لئے غذا وغیرہ کے وسائل بہت کم ہیں۔ یہ بات جو عرب کو حاصل ہے دنیا کے مرکز میں ہونے کے باعث مزید اہمیت پیدا کر دیتی ہے۔

عرب خاص کر حجاز میں اب تک کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے اب تک اپنی ذہنی قوتیں کسی کام میں خرچ نہ کی تھیں۔ اور ان کی توانائیاں سب محفوظ بلکہ لبریز تھیں۔ نپولین کے استنباط کے مطابق سینکڑوں سال سے خانہ جنگیوں اور بے امنیوں کے باعث اُن میں جفاکشی، جاں فروشی، صبر و ضبط، مستعدی، سادگی اور اسی طرح کے

Marfat.com

دیگر بلند کردار جو ترقی کناں قوموں کے لئے درکار ہیں، خوب پرورش پا چکے تھے۔ بعض دیگر وجوہ سے بات کا پاس، خودداری، عزتِ نفس بھی اُن میں مستحکم تھے۔ صحرائی زندگی اور کھلی فضا میں پرورش کے باعث اُن کی بصارت، سماعت، اور دیگر حواس بھی شہریوں کے مقابل غیر معمولی طور پر تیز تھے۔ لکھنے پڑھنے کا، گنتی کے پندرہ بیس آدمیوں کو چھوڑ کر تو، چونکہ کوئی رواج نہ تھا اس لئے حجازیوں کے حافظے بہت زبردست تھے۔ غذا میں سادگی، صحرا کا ناگزیر نتیجہ تھا۔ اور برسوں میں بھی کوئی بیمار نہ ہوتا تھا۔

زراعت پیشہ لوگوں میں جو وابستگیِ وطن بلکہ زمین زدگی ہوتی ہے، اس کے باعث اُن کا مہمات پسند ہونا، وطن سے کسی بھی لمبے دور دراز مقام پر جانے پر آمادہ رہنا، اور اسی طرح کے مستعدی کے دیگر امور ممکن نہیں۔ صنعت و حرفت میں بھی زمین زدگی کافی ہوتی ہے۔ صرف تجارت پیشہ ہی ایسے لوگ ہو سکتے ہیں جو سفر و سیاحت کی ترغیب بھی پاتے اور اس پر مجبور رہ کر اس کے عادی بھی ہو جاتے ہیں۔ مکہ والوں کی بستی قرآنی الفاظ میں "بِنا کھیتی" کی وادی ہے۔ یہاں زراعت تو کیا صنعت و حرفت کے لئے بھی کوئی سہولت نہیں۔ اور تو اور خنجر کی درآمد کی ضرورت ہے۔ ایسے لوگوں کی مستعدی اور تیار باشی کے کیا کہنے۔

فتوحات اور توسیع نیز اُن کے استحکام کے لئے حرکت پذیری (Mobility) کو جو اہمیت ہے وہ آج مسلّم ہے۔ جس زمانے میں بے جان سواریاں بجز سمندری جہاز کے اور کچھ نہ تھیں، اور برق اور بھاپ پر ابھی انسان کو تسخیر حاصل نہیں ہوئی تھی تو تیز تر سواری گھوڑے کی تھی۔ اور کارآمد ذریعۂ حمل و نقل اونٹ، جس کا صبر و تحمل، غذا کی سادگی و کمی، کثیر بوجھ کا اٹھا سکنا، دودھ اور گوشت وغیرہ کا قابل غذا ہونا سب جانتے ہیں۔

Marfat.com

گھوڑوں اور اونٹوں سے عرب کو جو خصوصیت ہے وہ کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں۔ ہزاروں کی عربی فوج اپنے اونٹوں کی مدد سے جس تیزی سے حرکت کر سکتی اور لپے لپے، دھاوے مار سکتی تھی، وہ عربی فتوحات کی سُرعت، کامیابی اور استحکام کے اہم وسائل میں سے سمجھی جاتی ہے۔ اور ماہرین حربیات قدیم سے عربوں پر رشک کرتے رہے ہیں۔

چین اور ہندوستان کی تجارت عرب ہی سے ہو کر یورپ جاتی تھی۔ قریش کا عرب کی تجارت پر حاوی رہنا مصر و شام، عراق و ایران، یمن و عمان، حبش و سندھ وغیرہ سے انھوں نے جو تجارتی معاہدے (ایلاف) کر رکھے تھے اور "رحلۃ الشتاء والصیف" کے باعث شمال و جنوب کے جس طرح قافلے ملاتے رہتے تھے وہ سب جانتے ہیں۔ ان سے بڑھ کر اقوام کی مزاج شناس، ملکوں کی راہ شناس، سب سے واقفیت کے باعث خود شناس قوم اس وقت کم ہو گی۔

## حکمرانی کا سلیقہ

مکے اور طائف اور پھر یمن کی شہری مملکتوں میں جو تھوڑا بہت سیاسی نظام تھا وہ خوش قسمتی سے سماجی مساوات پر مبنی تھا۔ سرداری اور اعیانیت سے کوئی جات پات کے ناقابل شکست بندھن نہیں پیدا ہو گئے تھے۔ سب آزاد اور سب برابر کے ہوتے تھے۔ محض عقل و تجربہ کسی کو سردار منتخب کراتے تھے۔ اس ماحول میں رچے ہوئے ہونے کے باعث انھیں جب دنیا پر حکمرانی کا موقع ملے تو انسانوں میں مساوات کی جیسی توقع اُن سے ہو سکتی اور رنگ و زبان و وطن کے اختلافات کو بے اثر قرار دینے کی اُن سے جتنی امید ہو سکتی تھی نہ برہمنیت میں ممکن تھی نہ ایرانیت میں، نہ رومیت میں، جہاں طبقات کا تفرقہ ذہنوں میں اتنا راسخ تھا کہ نکالے نہ نکل سکتا تھا۔

**لسانی** عربی زبان بھی انتخاب کا ایک باعث ہو سکتی تھی۔ اس کا خط جمالیاتی اور خطیباتی نقطۂ نظر سے جو صلاحیتیں رکھتا تھا اور خود زبان ادائے مطالب اور فصاحت و بلاغت کی جو غیر متناہی قابلیتیں رکھتی تھی وہ دیگر ہمعصر متمدن زبانوں مثلاً پہلوی، یونانی، سنسکرت اور لاطینی و چینی پر بدرجہا تفوق رکھتی تھی۔

**نفسیاتی** چند ساحلی یا سرحدی رقبوں کو چھوڑ کر عرب پر اب تک کسی بیرونی سلطنت کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ وہ اپنی آزادی کے ساتھ ہمیشہ بیرونی پناہ جوؤں کے لئے پناہ گاہ ثابت ہوتا رہا۔ دنیا کی رہنمائی کے لئے کسی غلامانہ ذہنیت رکھنے والی قوم کی جگہ وہی قوم اوروں پر ترجیح رکھتی سمجھی جا سکتی ہے جو آزاد دلکی بھی آزاد ہو۔

# مکے کی حالت ولادت باسعادت سے قبل

یہ ہم معلوم کر چکے ہیں کہ مکہ ناف زمین پر آباد اور پرانی دنیا کے بیچوں بیچ تین براعظموں کے وسط میں واقع ہے، جس سے بہتر کوئی مرکز کسی عالمگیر تحریک و تبلیغ کا نہیں ہو سکتا اس طرح اس کا "وادی غیر ذی زرع" (بن کھیتی کی بلکہ بے آب و گیاہ سرزمین) میں ہونا طماعوں کی طمع سے اس کو محفوظ رکھنے کا باعث تھا۔ تجارتی "رحلۃ الشتاء والصیف" سے یہاں دولت جمع ہو سکتی تھی۔ اس کی حفاظت قدرت نے یوں کر دی کہ ایک تنگ درّے کو چھوڑ کر وہ وادی جہاں شہر مکہ آباد ہے بلند اور ناقابل عبور و مرور پہاڑیوں سے چاروں طرف گھری ہوئی ہے اور مدافعتی اغراض کے لئے بہت موزوں ہے۔ بنجر مکہ اور اس کے ہمشیر شہر یعنی زرخیز مطائف نے مل کر یہاں کی آبادی میں وہ خصلتیں اور خصوصیتیں طبعاً پیدا کر دی تھیں جن کا اجتماع نادر ہی ہوتا ہے۔ جب ہی تو انھوں نے

رومی، ایرانی اور حبشی شہنشاہیوں کے قبضے کے لئے سلسل جدوجہد کے باوجود اپنی چھوٹی سی شہری مملکت کو آزاد اور خود مختار رکھا اور کبھی اس پر اجنبیوں کا تسلط نہ ہونے دیا۔

اب ہم دیگر احوال کا مطالعہ کریں گے۔

**سیاسی** مکہ ایک خود مختار شہری مملکت تھا یہ بستی کا رقبہ تو چند مربع میل سے زائد نہیں لیکن اس کے اطراف کا وہ حصہ جہاں تک اس کا مؤثر تسلط تھا اور جسے وہ حرم کہتے تھے تقریباً سوا سو مربع میل پر مشتمل تھا۔ یہاں مختلف زمانوں میں مختلف قبائل کی حکمرانی رہی۔ سرورِ کائنات کی ولادت کے وقت یہاں آپ ہی کے خاندان قریش کو سرکردگی حاصل تھی۔ اگرچہ دیگر لوگ بھی بستے تھے۔ لیکن فردی حکومت کا وجود نہ تھا آں حضرت ؐ کے پردادا کے دادا قصیؔ نے تقریباً بادشاہ کی سی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ لیکن اپنی وفات کے وقت اپنے سیاسی فرائض اپنے بچوں میں بانٹ دیے، تو پھر وہ کسی ایک فرد میں دوبارہ جمع نہ ہو سکے۔ بلکہ منتشر تر ہی ہوتے چلے گئے۔ اور ابن عبد ربہ کے مطابق دس قبائلی سرداروں کی اعیانیت قائم ہو گئی۔ گویا دس وزراء تھے۔ اور بادشاہ کوئی نہ تھا۔ دار الندوہ کی پارلیمان کسی سے متعلق تھی، تو عبادت گاہِ کعبہ کا انتظام کسی اور کے، کوئی قوم کا علمبردار اور سپہ سالار تھا تو ضمان اور ہرجانوں کا تعین کرنا کسی اور کا کام تھا، کوئی افسر خارجہ تھا اور بوقت ضرورت خود ہی سفیر بھی بن کر چلا جاتا تھا تو ٹیکس کی وصولی اور خرچ کسی اور کے ذمے تھی۔ اُن کی تفصیلوں کی تو یہاں گنجائش نہیں۔ لیکن ان اشاروں سے اتنا ضرور معلوم ہو چکا ہو گا کہ اُن ذہین قریشیوں نے ایک خاصا ترقی یافتہ دستور مملکت قائم کر لیا تھا، جس میں تمام ہی اہم اور بنیادی امور کا انتظام تھا۔ ایک دو نہیں دس گھرانوں میں نظم و نسق کی روایتیں اور تجارب پیدا ہو گئے تھے۔ ایک عالمگیر شہنشاہی

Marfat.com

کے ہونے والے مالکوں کو ضرورت بھی اسی کی تھی۔

فوج کے سلسلے میں تو یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ غلاموں اور ملازموں کے ذریعے سے ایک مستقل فوج قائم بھی اُن کے ہاں قائم ہو گئی تھی، جو قومی جنگوں میں بھی ہاتھ بٹاتی اور کاروانوں کے ساتھ حفاظت کے لئے بھی جایا آیا کرتی۔ عدالتی نظام کے سلسلے میں خاندان وار اور قبیلہ وار حکم بھی تھے۔ خانہ کعبہ میں قرعہ و فال بھی تھا۔ موقتی ثالث بھی مقرر ہوتے تھے۔ لیکن اِن سب کے علاوہ ایک رضا کار انصاف رسانوں کی جماعت بھی بن گئی تھی۔ اس حلف الفضول میں شریک ہونے والے یہ اقرار کرتے ہیں کہ حدود شہر میں کسی پر ظلم نہ ہونے دیں گے چاہے شہری پر ہو یا اجنبی مسافر پر اور اس وقت تک چین نہ لیں گے جب تک ظالم حق رسانی نہ کر دے۔

سیاسی سلسلے میں مکے والوں نے آس پاس کے بہت سے قبائل سے حلیفیاں بھی قائم کر لی تھیں جو جنگی اہمیت بھی رکھتی تھیں، اور تجارتی کاروانوں کو آنے جانے میں محفوظ رہ گذر بھی مہیا کرتی تھیں۔ اور اُن کی اپنی قوت بھی اتنی تھی کہ دور دراز مثلاً مدینے کے قبائل اُن سے حلیفی کی کوشش میں رہنے لگے تھے۔

کچھ تھوڑا سا خانوادہ واری تذکرہ پس منظر کے لئے مفید ہوگا۔ مکے میں یوں تو ہزاروں کی آبادی تھی لیکن قبائلِ قریش کو وہاں سرداری حاصل تھی۔ اُن میں دس قبیلے ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ وہ اور اُن کے سردار یہ تھے:۔

(نقشہ آئندہ صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

Marfat.com

# کعب بن لوی بن غالب بن فہر

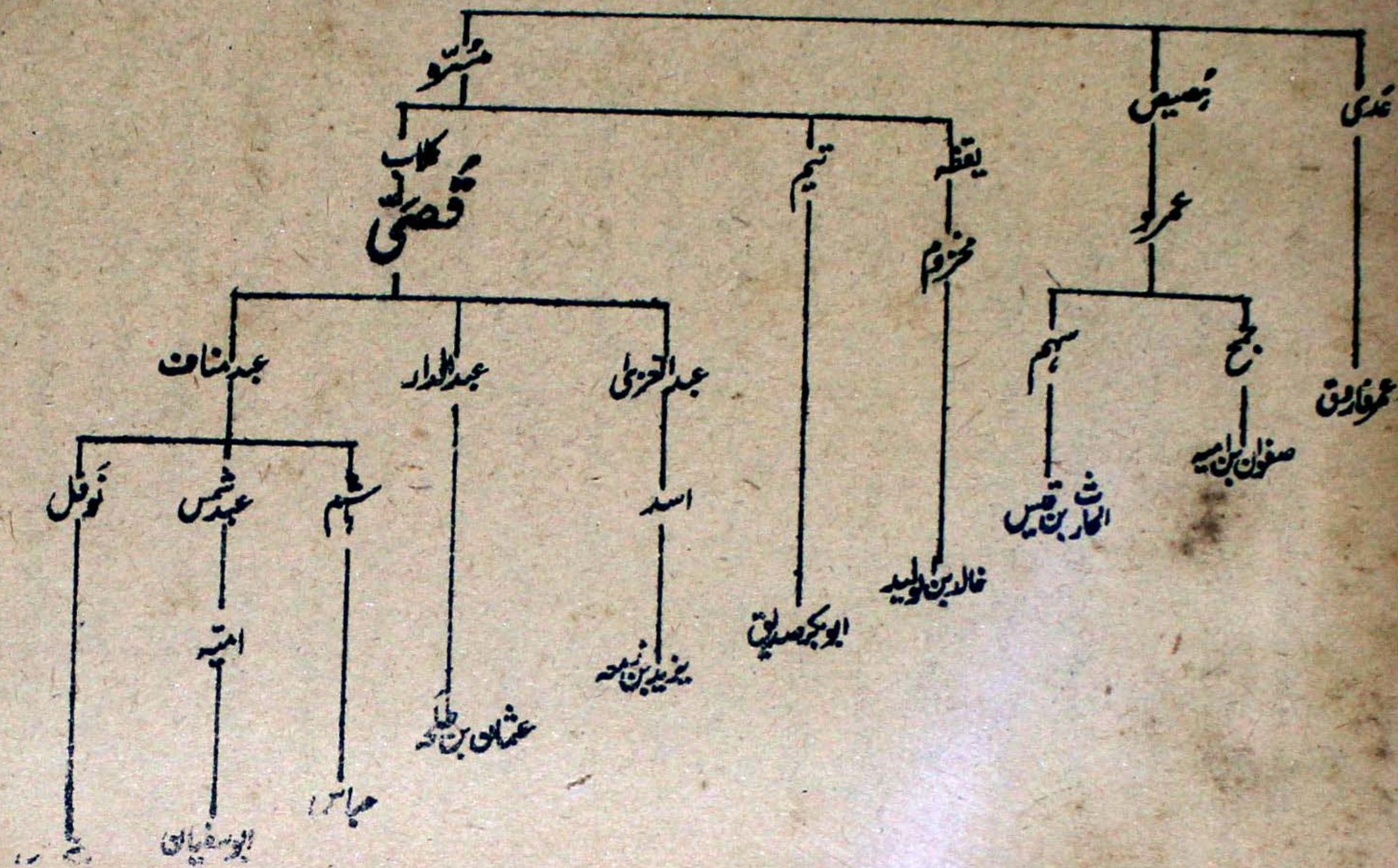


Marfat.com

اِن میں سے مکے پر قریش کے قبضے کے وقت اعلیٰ ترین سرداری قُصَیٰ کو حاصل ہو گئی تھی قُصَیٰ کے بعد اس کی اولاد میں عہدے بٹ گئے۔ اور خانہ جنگیاں اور رقابتیں چھڑ گئیں۔ عہد نبوی کے آغاز پر عبد مناف کے خاندان میں سے بنی ہاشم اور بنی امیہ میں رقابتیں تھیں۔ اور عبد المطلب کی وفات کے بعد ابو طالب کے افلاس وغیرہ نے بنی امیہ کا پہلو مضبوط تر کر دیا تھا۔ ابو سفیان جیسے پیدائشی لیڈر اور عثمان غنی جیسے کاروباری مہارت رکھنے والے اسی قبیلے میں تھے۔ خود پیغمبر اسلام اگرچہ بنی ہاشم سے تعلق رکھتے تھے لیکن ایک تو عبد المطلب کے بڑے بیٹے کے بڑے بیٹے یا اور طور پر جانشین نہ تھے۔ بلکہ یتیم پیدا ہوئے تھے، اور چچا نے پرورش کی تھی۔ یہ کہنا گستاخی کے لئے نہیں امر واقعہ کا اظہار کرنا ہے وہ کہ آں حضرتؐ ایک جونیئر گھرانے کے جونیئر فرد تھے۔ آپ کو نبی تسلیم کرنا بنی امیہ ہی کو نہیں خود بنی ہاشم کے سینیئر افراد کو گراں گذرتا تھا۔ ظالم چچا ابو لہب ہی نہیں بلکہ ہمدرد سرپرست چچا ابو طالب کو زندگی بھر اپنے سے چھوٹے کی یہ حیثیت تسلیم کرنا دقار کے خلاف ہی نظر آتا رہا۔ قریش کے دیگر قبائل میں بھی بڑی بڑی شخصیتیں تھیں۔ قبیلہ مخزوم میں الولید بن المغیرہ اور اس کے فرزند حضرت خالد بن الولید نیز ولید کا بھتیجا ابو جہل زمانہ جاہلیت میں اتنی ممتاز حیثیت رکھتے تھے کہ اس کا ذکر کئے بغیر چارہ نہیں۔ آنحضرتؐ نے نبوت کا دعویٰ فرمایا تھا تو بروایت طبری چھوٹتے ہی قریش نے کہا کہ ولید اس کا زیادہ مستحق ہے، جو ریحانۃ قریش" (قریش کا پھول) کہلاتا تھا۔ خالد اگرچہ کم عمر تھے، لیکن حضرت عمر کا قول تھا کہ عورتیں خالد جیسا بچہ پھر جننے سے عاجز ہیں۔ ابو جہل زمانہ جاہلیت میں اپنی قابلیت اور عمدہ رائے کے باعث "ابو الحکم" کہلاتا تھا۔ اور دار الندوہ کی پارلیمان میں جہاں چالیس برس کی عمر سے کم کوئی رکن نہ ہو سکتا تھا تیس ہی برس کی عمر میں اسے بطور

Marfat.com

خاص نشست دیدی گئی تھی۔ خودداری اس میں ہٹ دھرمی بن گئی تھی۔ اس کی غربا پروری وفیاضی کے بھی افسانے ملتے ہیں۔ جیسا کہ ابن حبیب نے کتاب المنمق وغیرہ میں بیان کیا ہے۔

ان سماجی رقابتوں کو ذہن میں رکھے بغیر آغاز اسلام کے قریشی معاندین اور مخالفین اسلام کی نفسیات کا سمجھنا آسان نہ ہوگا۔

**علمی** مکے میں لکھنے پڑھنے کا رواج بالکل نہ تھا۔ گنتی کے دس بارہ آدمیوں کو لکھنا آتا تھا۔ لیکن شعر وشاعری اور فصاحت وخطابت کے خوب چرچے تھے۔ وہ اپنے بچوں کو گھر میں رکھنے کی جگہ بدوی قبائل میں بھیج دیتے تھے تاکہ ٹھیٹ عربی لہجہ اور خالص عربی زبان سیکھیں۔ یہ مکے ہی کا قومی معبد کعبہ تھا جس میں لٹکانے کی عزت حاصل ہو تو کوئی قصیدہ معلقات میں شامل ہونے کی زندہ جاوید عزت حاصل کرتا۔ عکاظ کی سالانہ بین العرب موتمر ادبی گویا قریش ہی کی سرپرستی کی رہین منت تھی۔ یہ امداد ائمہ حج کعبہ پورے عرب میں زبان کو ایک بنانے اور قریشی علاقے کی بولی کو معیاری اور ٹکسالی بنانے میں خاموش لیکن نہایت موثر حصہ لے رہے تھے۔ یہ قریش کی ادب نوازی ہی تھی کہ اُن کو نہ تو ید بیضاء کے معجزے کی ضرورت تھی، اور نہ دم عیسیٰ کی۔ بلکہ تھی تو ایک ادبی شہ پارے کی۔ جسے سُن کر وہ جھومنے لگتے۔ اور جس کی تلاوت کو سننے کے لئے وہ باوجود اپنی حریفانہ مخالفت کے چُھپ چُھپ کر آتے۔

یہ ادبی ذوق لیکن نوشت وخواند سے اُمّی محض ہونا نسلہا نسل کی خصوصیت تھا۔ اسی لیے انھیں اپنے مطلب کی چیزیں خاص کر اپنے کاروباری حسابات اور قرضداروں کے نام اور رقمیں یاد رکھا کرنے پر مجبور کر کے اُن کے حافظے کی قوت کو غیر معمولی طور پر

Marfat.com

مستحکم کر دیا تھا، جو ناگزیر تھا۔ اس سے بعد کو قرآن و حدیث کے تحفظ کا خود بہ خود انتظام ہو گیا۔

**معاشی** وادیٔ "غیر ذی زرع" کے باشندوں کے لئے تجارت کے سوا کیا چارۂ کار تھا اُن کے پاس صنعت و حرفت کے لئے خام مواد بھی بالکل نہ تھا۔ اسطرح یک سُو ہو کر انھوں نے اپنی قابلیتوں کو تجارت پر مرتکز کر دیا تو نتائج اس زمانے کا خیال کرتے ہوئے حیرت ناک معلوم ہوتے ہیں۔

عرب ایک صحرائی براعظم تھا۔ باہر والے اِن کے لق و دق ملک میں کیا آتے انھیں کو حاجت تھی کہ باہر جایا کریں۔ ہندوستان کے برابر بڑے اس صحرائی براعظم کی پوری داخلی و خارجی تجارت کو قریش ہی نے منظم کیا۔ اور اپنے کو اس کا مرکز و محور بنا دیا تھا۔

چناں چہ آں حضرتؐ کے پردادا عمرو بن عبد مناف (جو اپنی غرباء پروری کے باعث ہاشم کے لقب سے مشہور ہیں) اتنے کاردان و کاربرآر تھے کہ قیصرِ روم اور کسرائے ایران اور نجاشیٔ حبش اور اقیال یمن سے ایلاف یعنی "منشورِ تجارت" حاصل کر لئے تھے کہ ان ممالک کو بے کھٹکے کاروان لایا اور لے جایا کریں۔ مکے سے عراق نیز عمان (جہاں سے مختصر بحری راستے سے بلوچستان و سندھ اور ہندوستان کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے) ایک طرف فلسطین و شام و عراق دوسری طرف مصر تیسری طرف حبشہ چوتھی طرف، اور یمن پانچویں طرف سینکڑوں ہی نہیں ہزاروں میل کی مسافت پر واقع ہیں۔ ششماہی "رحلۃ الشتاء والصیف" آج چودھویں صدی کے نصف دوم میں بھی تصور کے ساتھ رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ مگر قریشی تاجر برابر جاتا تھا۔ سفر کی مسافت اور

Marfat.com

راستے کے خورد ونوش اور نگہان سے بڑھ کر گذرگاہ کے لٹیرے خود مختار فاقہ مست قبائل سے سربراہ ہونا تھا۔ اس کے لئے ان کا حیرت زا نظام حلیفی وخفارہ (یا بدرقہ) وجود میں کیا آیا تھا کہ عرب کے کسی شخص کو بھی تجارتی سامان لے کر حجاز، نجد وغیرہ کے وسیع رقبے میں پھیلے ہوئے مضری قبائل کی سرزمین سے گذرنا پڑتا تھا تو قریشی بدرقے حاصل کرتا۔ قریش کی طی اور کلب قبائل سے حلیفی تھی جو شمالی عرب میں خیبر اور دُومۃ الجندل کے اہم رقبے پر چھائے ہوئے تھے۔ اور یہیں سے عراق، شام اور مصر کو راستے پھوٹتے تھے۔ بنی عمرو بن مرثد سے دوستی کی بنا پر قبائل ربیعہ کی سرزمین قریش کے لئے محفوظ تھی، جس سے بحرین وعمان یعنی پوری مشرقی عرب کی منڈیوں تک رسائی حاصل ہوگئی تھی۔ حتیٰ کہ اگر کسی کو بحرین کے سُوقِ مُشَقّر جانا ہوتا تو قریشی خفارہ ہی حاصل کیا جاتا۔ جنوبی عرب میں مَہرہ اور حضرموت کے علاقے ہیں۔ سُوقِ مہرہ جانا ہوتا، تو بنی محارب کا بدرقہ حاصل کیا جاتا۔ حضرموت کے سُوقِ راہبہ جانے کے لئے قریش قبیلہ آکل المرار کا خفارہ حاصل کرتے۔ اور دیگر لوگ کِندہ کے آلِ مسروق کا۔ لیکن قریشی سرپرستی کے باعث آکل المرار کو اپنے حریفوں پر فوقیت حاصل ہوگئی۔ غرض عرب کا شمال، جنوب، مشرق، مغرب اور وسط ہر حصہ قریشی ایلاف کی زنجیروں سے جکڑ گیا تھا۔ اُن کے میلے اور ان کے کاروان جتنے مفید ثابت ہوئے اُن کو قرآن نے دو معجز نما لفظوں میں یوں یاد دلایا ہے کہ أطعمھم من جوع وآمنھم من خوف (فاقے کی جگہ کھانا اور خوف کی جگہ امن) اس نے قریش کو پورے عرب میں ایک مرکزیت ومرجعیت دیدی ہو اور حجِ کعبہ وعرفات کے لئے عرب کے انتہائی کونوں سے لوگ ہر سال آیا کرتے ہوں تو کیوں حیرت ہو۔[1]

[1] تفصیلات ابن حبیب اور یعقوبی میں ملیں گی۔ سورۃ ایلاف سے یہی مراد ہے۔

Marfat.com

**مذہبی** کے دامنے بُت پرست بن گئے تھے۔ لیکن وہ بُتوں کو خدا نہیں بلکہ خدا کے پاس (جو واحد اور خالق السماوات والارض تسلیم کیا جاتا تھا) سفارشی سمجھتے تھے۔ اِسی لئے بتوں کے بارے میں اُن کے ہاں بڑی رواداری نظر آتی ہے۔ نہ صرف اُن کے اپنے شہر ہی کا بُت ہبل کعبے کے پاس تھا، بلکہ جملہ قبائلِ عرب کے تین سو ساٹھ بُت کعبے کے اطراف تھے، نیز صفا و مروہ پر خود کعبے کی کوٹھری کے اندر علاوہ دیگر تصاویر واصنام کے حضرت ابراہیمؑ ہی نہیں حضرت عیسیٰؑ اور بی بی مریمؑ کی تصویریں بھی تھیں، جو عیسائی مذہب سے رواداری کا سلوک ظاہر کرتی تھیں۔ ایک ہی گھر میں کوئی بت پرست ہوتا تو کوئی نصرانی اور کوئی دہریہ لامذہب (جس کی تفصیلیں معارف ابن قتیبہ وغیرہ میں ملتی ہیں۔ نیز ازرقی کی تاریخ مکہ میں۔)

بُت پرستی کے علاوہ وہ سالانہ حج کا مذہبی تہوار بھی مناتے۔ جس میں طوافِ کعبہ اور وقوفِ عرفات کے علاوہ اور طرح طرح کی رسمیں انجام پاتیں۔

مَعاد (مذہب) و معاش میں ہر مُلک اور ہر زمانے میں جو قریبی تعلق رہا ہے اس کا مظاہرہ ہم دیکھتے ہیں کہ حج کے موقع پر ایک بین العرب عظیم الشان تجارتی میلہ لگتا ہے۔ حج کے مہینے (ذوالحجہ) ہی میں نہیں بلکہ اس سے ایک مہینہ پہلے اور ایک مہینہ بعد پورے تین مہینے "حرام مہینے" کہلاتے، جس میں قتل و خوں ریزی حرام تھی۔ حتیٰ کہ قاتل سے انتقام تک اس زمانے میں نہیں لیا جا سکتا۔ تجارتی کاروانوں کو عرب کے بعید ترین گوشوں سے ذی الحجہ کے میلوں کے لئے آنے اور وطن واپس جانے کے لئے تین مہینوں کے اِس پُر امن زمانے کے سوا اور کیا مطلوب ہو سکتا تھا۔ اس طویل پُر امن زمانے کے وسط میں جو تہوار اور میلے پڑتے ہوں اُن کی مرکزیت سے کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟

Marfat.com

## اخلاق و عادات

مکے والے اسلام سے عین ماقبل زمانے میں زندہ قوموں کی جملہ مطلوبہ صفتوں میں اعلیٰ ترین مراتب پر فائز تھے۔ وہ فیاض تھے، بہادر تھے، مہمات پسند اور دور دور کے سفروں کے شائق دعاوی تھے۔ امانت و دیانت کی اُن کے ہاں بڑی قدر تھی۔ بات کا پاس تھا۔ غرض ہر چیز تھی۔ لیکن ان پر ایک غلاف چڑھا ہوا تھا۔ توانائیاں تھیں لیکن مرکز گریز۔ اس لئے بے اثر تھیں۔ جان لینے یا دینے میں باک نہ تھا۔ لیکن بے اصول طور پر۔ اس لئے یہ خصوصیت بے سود ثابت ہو رہی تھی۔ دُھن کے پکے اور استقلال کے پُتلے تھے۔ لیکن کوئی مقصد و مطمحِ نظر سامنے نہ تھا، جس کی تکمیل اُنھیں عالمِ انسانیت میں کوئی مرتبہ دلاتی۔ بہادری تھی تو خانہ جنگیوں میں، غیرت و خودداری تھی تو لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے میں، فیاضی تھی تو بے اصول اور زیادہ تر مالداروں کی باہمی ضیافتوں میں، ادبی ذوق تھا تو عیاشی کی غزلیات میں، غرض اعلیٰ سے اعلیٰ ملکہ ادنیٰ ترین مقاصد کے حصول میں لگا ہوا تھا۔ شیر کی قوت خرگوش کے شکار میں ضائع ہو رہی تھی۔ اور قریش جانور کی طرح پیدا ہوتے۔ اور کھاتے پیتے، زندگی گذار کر جانور ہی کی طرح ختم ہو جاتے۔ اور دنیائے انسانیت میں اُن کے مرنے کا نہ کسی کو افسوس ہوتا اور نہ خبر۔

اسلام نے جو کچھ کیا وہ انھیں صلاحیتوں کو اجاگر اور منظم کرنا تھا۔ اور حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ (دنیا سے فتنہ و فساد ختم ہو کر اللہ ہی کا بول بالا ہو جائے) کا مطمحِ نظر اُن کو دیدینا تھا۔ ماسویٰ اللہ کی الوہیتوں کا خاتمہ اور امن چین کا دور دورہ پوری دنیا میں (صرف مکہ یا عرب ہی میں نہیں) کرایا جائے۔ اس مشن کو پورا کرنے کے لئے اس زمانے میں قریش سے بڑھ کر کوئی اور موزوں قوم پوری دنیا میں ناپید تھی۔

اب ہم دیکھیں گے کہ عبداللہ کے یتیم و یسیر بیٹے محمدؐ (ارواحنا فداہ) ہی کا اس غرض کے لئے کیوں انتخاب ہونا تھا۔

# ختم المرسلینؐ کے لئے آپؐ کے انتخاب کی وجہ

ملوں تو کارسازِ عالم اپنی مخلوق میں سے جس سے چاہے کام لے سکتا تھا۔ اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں، اور اس کی مشیت پر کسی کا بس نہیں۔ لیکن اس نے اپنی ہی مرضی سے جب ہماری زمینی دنیا کو عالمِ اسباب قرار دیدیا ہے تو کوئی بات بے سبب نہیں ہونی چاہئے۔ چاہے ہماری نظر ہر صورت میں حقیقی سبب کو معلوم کرنے سے قاصر کیوں نہ ہو؟

مباحثِ بالا سے یہ تو معلوم ہو گیا ہوگا کہ کسی عالمگیر تحریک کے لئے عرب سب سے موزوں مقام تھا۔ اور عرب میں بھی حجاز اور حجاز میں مکہ۔

مکے میں قریش[1] کی سرداری اور سربراہ آوردہ حیثیت مسلم تھی۔ لیکن ماہرینِ عمرانیات کا استقراء و استنباط ہے کہ مسلسل کئی نسلوں تک کوئی سرداری کرے تو زمین کی قوتِ نمو کی طرح انسانوں کی نئی نسل بھی اپنے بہت سے جوہر ختم کر چکتی ہے۔ آنحضرتؐ کے دادا عبدالمطلب بے شک سردار تھے۔ لیکن آنحضرتؐ کے والد عبداللہ کا انتقال اپنے بوڑھے باپ کی موجودگی ہی میں ہو گیا تھا۔ اور عبداللہ کو اپنی وفات کے بعد اپنی

---

[1] قریش حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے قدم کا نشان کعبے کے سامنے مقامِ ابراہیم میں اب تک محفوظ ہے۔ ابن سعد (۱/۴۰) کے مطابق ایک مرتبہ بنی مدلج کا ایک قیافہ شناس کھوجی مکہ آیا۔ تو اس نے آنحضرتؐ کے متعلق کہا تھا کہ آپؐ کے قدم سے زیادہ مقامِ ابراہیم کے نقش سے کسی قدم کو مشابہت نہیں۔

Marfat.com

عاملہ بیوی سے جو بچہ پیدا ہوا اس کے لئے امارت و حکومت اور سرداری کا بظاہر حالات کوئی امکان نہ تھا۔ اول تو دولت، معاملہ فہمی وغیرہ کی بناء پر عبدالمطلب کے بعد قریش کے مختلف گھرانوں خاص کر بنی امیہ میں سرداری بٹ گئی تھی۔ اور خود بنی ہاشم و بنی مطلب کی سرداری بھی چھوٹے بیٹے عبداللہ کو نہیں مل سکتی تھی۔ اور نہ ملی ہی تھی جو اُن کے اکلوتے یتیم کو وراثت میں ملتی۔ آنحضرتؐ کی ولادت کے چند ہی سال بعد جب عبدالمطلب کی وفات ہوئی تو ابوطالب بزرگ خاندان بنے۔ اُن میں دل کی خوبیاں چاہے جتنی بھی رہی ہوں، کاروباری سلیقہ اتنا نہ تھا کہ اپنی سرداری کے لئے اپنی دولت کو اپنا مددگار بنا سکتے۔ ابوطالب کے بعد اُن کے بچوں میں دل کی خوبیاں بھی اتنی نہ تھیں کہ بے رحم چچا ابولہب کو سردار بننے سے روکتیں۔ آنحضرتؐ ہجرت پر مجبور ہوئے تو عقیل بن ابی طالب نے آنحضرت (بی بی خدیجہ) کا مکان تک بیچ کھانے میں باک نہ کیا تھا۔

غرض سرداری کا خون تو رگوں میں ہو لیکن سرداری کا کوئی امکان نہ رہے تو مت آخر پشتوں کے ایسے شخص میں سرداری کی خوبیاں تو بہت سی ہوتی ہیں، لیکن موروثی سرداری کی برائیاں یعنی غرور، جلد بازی، آرام پسندی، ناتجربہ کاری وغیرہ نہیں ہوتیں۔ ورنہ ہونے والے جانشین کو ماں باپ کا لاڈ پیار، ماحول کی خوشامد و ناز برداری وغیرہ بگڑنے سے بہت کم باز رکھ سکتی ہیں۔ اور ایک جونیئر گھرانے کا جونیئر فرد ہی پورے خانوادے کا چشم و چراغ ہو سکتا تھا۔

یہ خصوصیت دوسرے افراد میں بھی پائی جاتی تھی۔ اب یتیم پیدائش نے رہا سہا غرور اور لاڈ پیار ختم کر دیا ہوگا۔ پھر خاندانی رواج نے ماں کی محبت و توجہ تک سے محروم کر دیا۔ اور کئی سال تک ایک اجنبی دودھ پلائی کے ساتھ اجنبی ماحول میں خالص صحرا کی

Marfat.com

بدوی زندگی نصیب ہوئی۔ بی بی حلیمہ کا گھرانہ خود غریب تھا۔ وہاں سوائے اپنی مدد آپ کرنے اور سب کا ہاتھ سب بٹایا کرنے کے سوا کیا امکان تھا۔ بدویوں کے خانہ بدوش ماحول سے زیادہ کونسی چیز انسان کو وطن ہے سلا اجہاں ہمارا" کی تربیت بچپن کے تاثر پذیر دور میں دے سکتی ہے۔ جب کوئی گھر نہ ہو، حتیٰ کہ کوئی مستقل سرزمین بھی اپنی نہ ہو جہاں خدا کا فضل نظر آیا اور پانی، چارہ موجود ملا خیمے ڈال پڑے۔ اور موسموں کی گردش نے وہ جگہ بے سود بنادی تو خیمے اکھیڑ پھر خدا کے وسیع ملک میں کسی اور بہتر دگو پھر بھی عارضی رہائش گاہ کی تلاش میں چل پڑے یہ بدوی زندگی ہے۔

سالہا سال تک ایسی متوکلانہ زندگی کی عادت کر لینے کے بعد جب گھر آنا پڑا تو دیکھتے کے دیکھتے ماں اور دادا کی مہر و شفقت بھی خدا کی مشیت نے ختم کرادی اور کثیر العیال چچا کے گھر جا رہنا پڑا۔

ایسے فقر میں سرداری کے غرور، خود نمائی کے آنے کا کیا امکان رہ جاتا ہے۔

پھر آنحضرتؐ کا رشتہ ننھیال کی طرف سے مدینے والوں سے تھا۔ اور ماموؤں کی طرف سے رشتہ طائف والوں سے۔ مکہ، مدینہ، طائف، فطری و انسانی ہر جہت سے باہم انتہائی مختلف حیثیتیں رکھنے والی ان تینوں بستیوں سے یکساں تعلق رکھنے کی وجہ سے مقامی وطنیت کی جگہ خود بہ خود عالمگیر وطنیت کی طرف آپ کو مائل ہونا پڑا ہوگا۔ اور کسی عالمگیر رہنما کے لئے اسی کی ضرورت تھی

وطن آنے پر نوعمری میں چرواہا گری سے سلسلہ رہا ہے زبان اور مسکین بھیڑ بکریوں کی خدمت جہاں بچوں کسی، فرض شناسی، پابندی اوقات، نرمی، اور محنت و مشقت سکھلاتی ہے وہیں خدمتگار میں سید القوم خادمہم کے بمصداق رہنمائی و سرداری کے حقیقی

Marfat.com

وصاف پیدا کر دیتی ہے۔

چرواہا گری ختم ہوئی تو تجارت کرنی پڑی۔ یہاں بھی گاہکوں کی مزاج شناسی و
مزاج داری، امانت و دیانت، محنت وغیرہ سے سابقہ تھا، جس کے بغیر تجارت چل
نہیں سکتی۔ اور سب متفق ہیں کہ آپ بہت اچھے تاجر تھے پھر جلد ہی کاروانی تجارت
میں حصہ لینا پڑا۔ فلسطین، یمن اور عمان جیسے شمالی جنوبی اور مشرقی کالے کوسوں دُور
علاقوں کا سفر کرنا، اور رومی، ایرانی اور حمیری علاقوں کے انتظامات سے عہدہ برآ ہونا
پڑا تھا۔ اور بعض معقول استنباطات صحیح ہوں تو حبش اور بحری سفر سے بھی آپ کو
سابقہ رہا ہوگا۔ ایسے جہاں دیدہ اور تجربہ کار شخص ہی کو چالیس سال کی پختہ عمر میں سرداری
کے فرائض سپرد کیے جائیں تو اوروں کے مقابلہ میں بہتر ہو سکتا ہے۔

تربیت انسان کے لئے صیقل کا کام دیتی، اور جوہر کو نکھار دیتی ہے۔ دیکھنا اب
یہ ہے کہ آپ میں فطری جوہر کیا تھا۔

ہر محتاج کو مدد دینا، حق رسانی میں پیش پیش لیکن حق طلبی میں سب سے پیچھے رہنا۔
(جیسا کہ آپ کے شرکاء تجارت کی شہادت ہے) سادگی پسند، ملنسار، مخلص، فیاض،
محنتی، فرض شناس، پابندِ وقت، غرض فطرت نے مکارمِ اخلاق کا آپ کو وافر حصّہ
دیا تھا۔ یہ چیزیں بچپن ہی سے آپ میں نظر آتی تھیں۔ اور مذکورۂ بالا شدائد و مصائب
نے اُن کو اتنا مجلا کر دیا تھا کہ نبوت سے پہلے ایک طرف زبان خلق آپ کو الامین کا
خطاب دلا کر آپ کی سرداری کو معنوی طور سے تسلیم کرتی ہے تو بقول ابوطالب ؎

وابیض یُستسقی الغمام بوجہہ ثمال الیتامیٰ عصمۃ للأرامل

(ترجمہ) وہ گورا چٹا جس کے روئے انور کا واسطہ دے کر بارش کی دعا مانگی جاتی تھی۔

Marfat.com

اور جو یتیموں اور بیواؤں کا ملجا و ماویٰ تھا") کہہ کر آپ کی انسانی خوبیوں اور فطری وصفوں کی شہادت دی جاتی ہے۔ فرداً فرداً ایسے اوصاف اَوروں میں بھی ہو سکتے ہیں۔ اور رہے ہوں گے۔ لیکن ان سب کا اجتماع کسی اور میں نہ تھا۔ اور ضرورت اسی اجتماع کی تھی، جس کے بعد عالمگیر و دائمی نبوت کی خدمت پر مامور کیا جا سکتا تھا۔

# ولادتِ باسعادت

ہمارے اس عالمِ اسباب میں عمل ہی کسی کو چھوٹا یا بڑا بناتا ہے۔ سکندر و افلاطون کے بچوں سے کوئی واقف نہیں۔ اور نہ سیزر و ارسطو کے والدین سے۔ حقیقی عظمت کا آغاز اکثر غیر متوقع حلقوں سے ہوتا ہے۔

عام حالتوں میں ہم صرف معتقدین و واقفین کی قدر ناشناسی سے ایک ہی دو نسلوں میں قیمتی معلومات ہمیشہ کے لئے گم ہو جاتے ہیں۔ رسولِ کریم ؐ کے متعلق امّی عرب میں کون جانتا تھا کہ آپ رحمتِ عالم ہونے والے ہیں۔ آپ کی نبوی زندگی کا آغاز بھی چالیس سال کی پختہ عمر میں ہوتا ہے۔ جب کہ آپ کے بچپن کے حالات کو دیکھے ہوئے اور واقف لوگوں میں سے بہت سے ختم ہو گئے تھے۔ ہمعمروں کو بچپن کی باتیں کتنی یاد رہ سکتی ہیں؟ پھر ہمیں قلم و کاغذ سے قطعاً ناآشنا ملک سے سابقہ ہے۔ خاندانی ڈائریوں اور دوستوں کے روزنامچوں کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

بہرحال ۵۳ ق ھ کا واقعہ ہے (جسے عموماً ۵۷۰ء کے اور کبھی کبھی ۵۷۱ء کے مطابق سمجھا جاتا ہے) کہ سرکارِ دو عالم ؐ کی تشریف آوری سے دنیا کو سرفرازی حاصل ہوئی، آپ حمل ہی میں تھے کہ باپ یتیم کر گئے۔ ماں سسرال ہی میں مقیم رہیں۔

Marfat.com

صحیح تاریخ ولادت کے متعلق بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن ہماری ضرورتوں کے لئے
س کو کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ سُنّی مسلمانوں میں یوم ولادت ربیع الاول کی
ھویں کو منایا جاتا ہے۔

یہ زمانہ سچ مچ عالم آشوب تھا۔ خدا کو اپنے بندوں پر رحم آیا اور ایک رحمۃ للعالمین
یدا کیا گیا، جو اُن کو درندگی اور شیطنت سے نکالے۔ اور انسان اور خدا کا سچا بندہ بننا
کھائے۔ آپ کے بچپن کے حالات اپنے ہمشہریوں ہی کی طرح گذرے ہوں گے۔
ر کسی بچے سے کارنامے ہو بھی کونسے سکتے ہیں۔

شرفاء مکہ میں رواج تھا (جو آج بھی وہاں بڑے گھرانوں میں برقرار ہے) کہ بچہ کسی
حرانشین دودھ پلائی کے سپرد کر دیا جائے اور کئی سال تک جنگل کی کھلی اور آزاد فضاء
ں پرورش پانے کے بعد گھر واپس ہو۔ یقیناً بچے کو دکھانے کے بہانے لیکن درحقیقت
ہ انعام و امداد حاصل کرنے ہر چند ماہ میں دو چار دن کے لئے دودھ پلائی کے ساتھ
ں کے پاس واپس آتا ہوگا۔

تاریخ اور سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ؐ کو بھی یہی پیش آیا[1] اور
پ کو دودھ شریک کے طور پر ایک بھائی ضمرہ کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ حلیمہ سعدیہ
ت حلیم الطبع بدوَن تھیں۔ زیادہ حریص و طمّاع نہ تھیں۔ اور قناعت پسند، ملنسار اور

---

[1] ابن سعد (۱/ ص۷۰) کے مطابق دودھ پلائی کے سپرد کرتے وقت بی بی آمنہ نے یہ اشعار کہے تھے ؎

أُعیذ باللہ ذی الجلالِ من شرِّ ما مرَّ علی الجبالِ حتی أراہُ حامل الحلالِ
ویفعل العرف إلی الموالی وغیرہم من حشوۃ الرجالِ ؛

Marfat.com

باعجمت تھیں۔ غریب اور بے وسیلہ بھی تھیں۔ بہرحال یہ جانتے ہوئے بھی بچہ کو لے ا
کہ بچے کا باپ نہیں ہے، جو دودھ پلائی کی ناز برداریاں کرے۔ اور دلوا اگرچہ وجاہت
رکھتا ہے لیکن ایک درجن بیٹوں اور اُن کی کثیر ذریت کی پرورش کا ذمہ دار ہونے سے آ
پوتے پر اتنی ہی خرچ کر سکتا ہے۔

تاریخیں تو تفصیل نہیں دیتیں۔ لیکن ہم تصور کر سکتے ہیں کہ ایک بدو ن کی کسی طرح
گذرتی ہوگی۔ سال کے مختلف حصّوں میں مختلف مقاموں پر خیمہ زنی، دن بھر بچوں کا اور
بکریاں چرانا، یا خیمے کے آس پاس آپس میں کھیلنا، عورتوں کا لکڑیاں جمع کرنا، اُون کاتنا
کبھی صرف کھجور اور دودھ پر قناعت کرنا اور کبھی گوشت ترکاری پکانا، اور اسی طرح کی
چند سادہ ضرورتیں رکھنا۔

سیرت کی کتابوں میں اُس زمانے کے صرف دو ایک ہی واقعے درج ملتے ہیں۔ ایک
یہ کہ آنحضرتؐ اپنی رضاعی ماں کا صرف ایک طرف کا دُودھ پیتے تھے۔ اور ماں دوسری
طرف سے پلانا بھی چاہتی تو نہ پیتے کہ وہ بھائی کا حصہ ہے۔ دوسرا واقعہ یہ کہ جب آپ ذرا
اور بڑے ہوئے تو نہ معلوم کس بات پر مچل کر ایک مرتبہ اپنی بڑی دودھ بہن شیماء کو جو آپ
کو کھلایا کرتی تھیں کچھ اس زور سے کاٹا کہ ان کے کندھے پر عمر بھر اس کا نشان رہ گیا
(اور اتفاقاتِ زمانہ نے اسی شیماء کے حق میں ہی مفید ثابت کیا۔) ہونہار اور تیز بچوں
کی بے قرار طبیعتیں نوعمری میں اس طرح کی معصوم شرارتوں کے سوا اور کر بھی کیا سکتی ہیں

معلوم ہوتا ہے کہ صحرا کی زندگی سے محنت پسندی کی عادت ہونے کے باوجود آپ
کی صحت نازک ہی رہی۔ اور خاص کر جب شہر کو آتے تو بیمار ہو جاتے اور دوبارہ جنگل کو
جانے پر بھی سنبھلنے میں عرصہ لگتا۔ چنانچہ دودھ پلائی کے ساتھ بسر کرنے کی مدت اسی

Marfat.com

معمول سے بہت زیادہ رہی۔

بہرحال جب شہر واپس تشریف لائے تو جلدی ہی ماں آپ کو اور خادمہ ام ایمن کو بھی ساتھ لے مدینہ گئیں، جہاں بنی النجار کی بستی میں آپ کا ننھیال تھا۔ یہ سفر ممکن ہے کہ شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے ہو۔ سکونت بھی اُسی مکان میں رہی جہاں آنحضرتؐ کے باپ کی قبر تھی۔ اور یہ اب ۱۳۶۹ھ تک مسجد نبوی کے مغرب میں چند منٹ کے فاصلے پر موجود ہے) مکہ تو وادیٔ غیر ذی زرع ہے۔ وہاں پانی کہاں؟ مدینہ کی شاداب بستی میں بڑے بڑے کنوئیں تھے۔ چنانچہ آپ نے یہاں تیراکی اچھی سیکھ لی۔ غالباً یہ گرمی کا زمانہ ہوگا۔ ابن سعد کے مطابق آنحضرتؐ بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یہ زمانہ یاد ہے۔ بنی النجار کے اُطم (گڑھی) کے سامنے ہم کھیلا کرتے۔ اُطم پر کوئی چڑیا آکر بیٹھتی تو اُسے اُڑانا ہمارا دلچسپ مشغلہ تھا۔ ہم عمروں میں اُنیسہ نامی ایک لڑکی بھی کھیل میں شریک رہا کرتی۔" جب مہینہ بھر قیام کے بعد واپس ہونے لگے تو ماں کے ساتھ آپ نابغہ سے بھی راستے میں ملے اور اسی کے خیمے میں اُترے۔ (معلوم نہیں یہ قبائل انصار کا کوئی رشتہ دار فرد تھا یا مشہور شاعر) آخر الذکر نے (بروایت ابن حبیب) جاہلیت میں بھی شراب نوشی ترک کر رکھی تھی۔ اگر وہی تھا تو ایسے کردار والے نے کم سن مہمان پر اچھا ہی اثر چھوڑا ہوگا) گو بقول ابن سعد مدینے ہی میں نابغہ کے گھر میں مہینہ بھر قیام رہا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر چھ سال کی بیان کی جاتی ہے۔ یہاں ایک چھوٹا سا گھریلو واقعہ بیان کرتے چلیں۔ بعد کی زندگی میں رسولِ اکرمؐ کو یاد تھا کہ آپ کی والدہ سوکھا گوشت (قدید) کھایا کرتی تھیں کہ تازہ ہر روز کہاں ملتا۔ کفایت شعاری اور سلیقہ مندی ہی ہوگی، کہ قربانی، تحفے وغیرہ مواقع کا گوشت محفوظ کرتی تھیں۔

Marfat.com

مدینے سے واپس ہو رہی تھی کہ اثنائے راہ ابواء کے مقام پر والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اور وہیں دفن کیا گیا۔ ماں کو اپنے اکلوتے اور یتیم بچے سے جو اُنس ہو گا وہ ظاہر ہے۔ آپ کو بھی اپنی والدہ سے اُن کی شفقت اور اپنی سعادت مندی کے باعث محبت تھی۔ اس خوعمری میں یہ دائمی جدائی جتنی جگر پاش ہو گی ظاہر ہے۔ چنانچہ بڑی عمر میں جب کبھی آپ کو ابواء سے گذرنے کا موقع ہوتا تو آپ ماں کی قبر پر بھی ضرور حاضری دیتے۔ اور آپ کا دل بھر آتا۔

جب کسی نہ کسی طرح گھر مکہ واپس پہنچے تو ایک سو آٹھ سال کی عمر کے بوڑھے دادا کے سوا، اور کس کے ہاں آپ رہ سکتے تھے۔ دادا کو اپنے سب سے زیادہ چہیتے بیٹے کی یتیم و بے سہارا اور واحد یادگار سے یوں بھی محبت ہونی چاہئے۔ پھر آپ کی سعادت مندی اور اطاعت شعاری اور مستعدی و ذہانت وغیرہ نے سونے پر سہاگہ کر دیا تھا۔ اور درون خانہ کی بے تکلف زندگی ہی میں نہیں، سنجیدہ شہردارانہ محفلوں میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جب دادا قبیلے کی اہل رائے لوگوں کے ساتھ ہم بزم ہوتے اور سرداری اور حاکم عدالت پنچ کی حیثیت سے اُن کے لئے مسند بچھائی جاتی تو اس وقت بھی لاڈلا پوتا ساتھ رہتا۔ اور مسند ہی پر اپنے لئے بھی جگہ چاہتا۔ لوگ منع کرتے اور کسی کونے میں بیٹھنے کو کہتے۔ لیکن دادا فوراً دخل دے کر اپنے بازو بُلا لیتے اور بتاتے کہ بچے میں خود شناسی کا نادر وصف ہے اور وہ "اپنے آپ کو بزرگ سمجھتا ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ بہت بڑے مرتبے والا ہو گا۔" آپ کا ادب، تمیز محفل میں پھر کوئی شکایت کا باعث نہ بنتا۔

دادا کو یہاں تک محبت تھی کہ کہتے ہیں ایک مرتبہ خشک سالی میں اپنے اس پوتے کی خوبیوں کا واسطہ دے کر خدا سے بارش کے لئے گڑگڑا کر دعا بھی کی تھی۔ بروایت ابن سعد وہ تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ اور پوتے کو بُلانے کا حکم دیتے تھے (طبقات ۴۷)

Marfat.com

دادا کی شفقت و تربیت کو مشکل سے دو سال گذرے تھے کہ قدرت کو اس آٹھ سالہ دل و دماغ پر ایک اور صدمہ پہنچانا منظور ہوا۔ ابن ہشام وغیرہ نے لکھا ہے کہ آپؐ دادا کے جنازے کے پیچھے روتے جاتے تھے۔

عبدالمطلب نے بستر مرگ پر فیاض و فراخ حوصلہ بیٹے ابوطالب کو وصیت کی تھی کہ اپنے حقیقی مرحوم بھائی عبداللہ کی یادگار کو اپنی کفالت میں لے لیں، اور پوری خبرگیری کریں۔ نئے سرپرست چچا ابوطالب کا دل تو فراخ تھا لیکن کثیر العیال ہونے سے ہاتھ تنگ تھا۔ پھر بھی وہ اپنے عزیز بھائی کی واحد یادگار کو اس محبت و شفقت سے اپنے گھر لے جاتے ہیں کہ اس کا غم غلط ہو جاتا ہے۔ اور ناخواندہ مہمان کی جو تکلیفیں ایسی صورتوں میں ہوتی ہیں پیش نہیں آئیں۔

آں حضرتؐ کام سے پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ اور جب چچا کے گھر کی حالت دیکھی تو اس میں ذرا بھی عار محسوس نہ کیا کہ اپنی بساط بھر روزی کمانے میں ہاتھ بٹائیں۔ چنانچہ آپ شہر والوں کی بکریوں کو چرانے لے جاتے تھے۔ اور مقررہ خفیف اُجرت حاصل کرتے تھے۔ بکریوں کی گلے کی چوپانی سے شفقت، چوکسی اور حکومت کی تربیت حاصل ہوگی۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ اراک کے وہ پھل کھاؤ جو سیاہ ہو چکے ہوں۔ چوپانی کرتے وقت میں بھی کھایا کرتا تھا۔

(ابن سعد ۱/۸۰)

مکہ ایک تجارتی شہر تھا۔ شہر میں مال دار بھی تھے۔ اور وقتاً فوقتاً انکی خانگی تقریبیں شہر میں چہل پہل پیدا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ کسی ایسی ہی تقریب میں گانے بجانے کا بھی انتظام ہوا تھا، جو کسی قدر نادر موقع کہا جا سکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنے ایک ہمکار چرواہے لڑکے سے انتظام کیا کہ وہ ایک دن کے لئے دونوں گلوں کی رکھوالی کرے دیقیناً دوسرے

مواقع پر آنحضرتؐ نے بھی اس طرح اُن رفقاء کا کام کیا ہوگا) اور یہ کہ آپ شہر جا کر گانا سنیں معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کے دن تھے۔ اور جب آپ شہر پہنچے تو ابھی تقریب کو شروع ہونے میں دیر تھی۔ آپ تقریب گاہ کے باہر سائے میں انتظار میں بیٹھے تو غنودگی سے آنکھ لگ گئی اور جب بیدار ہوئے تو بعد از وقت تھا۔ اس قدرتی سزا کا آپ کے حساس اور غیور دل پر بڑا اثر ہوا۔ اور پھر کبھی اس طرح فرض کی نظر اندازی اور بے سود دل بہلائی سے جی نہ لگانے کا عہد کر لیا۔

# نوعمری

**متفرقات** بی بی آمنہ نے اپنے شوہر عبداللہ کی جوانا مرگی پر جو دلدوز مرثیہ کہا تھا اس کے چند شعر نووی ابن سعد (۶۲ ۱/۱) وغیرہ مولفوں نے محفوظ کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریمؐ کے گھرانے کے مرد ہی نہیں عورتیں بھی ذہنی حیثیت سے کتنا ممتاز اور بلند مرتبہ رکھتی تھیں ؎

عفا جانب البطحاء من ابن ہاشم — وجاور لحداً خارجاً فی الغماغم
دعته المنایا دعوۃً فاجابہا — وما ترکت فی الناس مثل ابن ہاشم
عشیۃ راحوا یحملون سریرہ — تعاورہ اصحابہ فی التزاحم
فان یک غالتہ المنایا وریبہا — لقد کان عطاءً کثیر التراحم

دودھ پلائی کے پاس سے واپسی پر بقول ابن حبیب (اُنمق مخطوط ص ۲۷) یہ شعر کہے ؎

لا دعاہ وارجعا دعاہ — دعاہ ان بہ مولاہ
فقد ارانی اللہ اذ سواہ — نوفلٌ یخلفن رویاہ
لن یخلف الفجر لی

بی بی آمنہ نے اپنے مرتے وقت بھی کہتے ہیں کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو دیکھ کر چند اشعار پڑھے جو تاریخوں نے نقل کئے ہیں۔ مگر ان کی زبان بعد کے زمانے کی معلوم ہوتی ہے۔ بی بی آمنہ کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ عسرت سے زندگی گذارتی تھیں۔ چنانچہ سوکھے گوشت کے کباب کھایا کرنا خود آں حضرت ؐ سے مروی ہے۔

آنحضرت ؐ کی لوری بھی مشہور ہے جو بی بی حلیمہ دیا کرتی تھیں:-

یارب اذا اعطیتہٗ فابقہ  واعلہ اعلی العلیٰ وارقہ

وادحض اباطیل العدیٰ بمحقہ

ایک لوری آپکی جو دودھ بہن شمار سے (جو عمر میں آپ سے بڑی تھیں اور آپ کو کھلایا کرتی تھیں) منسوب سیرۃ حلبیہ میں منقول ہوئی ہے۔ مگر اس کے مندرجات عام بچوں پر صادق نہیں آتے ہیں۔ خاص آں حضرت ؐ سے مخصوص معلوم ہوتے ہیں۔ اور ایک جاہل بدوی نوعمر لڑکی سے ایسی لوری کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ وہ اپنے گھر کی مروجہ لوریاں ہی سنا سکتی تھی۔

بی بی حلیمہ کی بدویانہ زندگی میں آس پاس کے میلوں کو جایا کرنا عادتی بات ہوگی۔ ایک مرتبہ آں حضرت ؐ بھی نوعمری میں سوق عکاظ میں بی بی حلیمہ کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ عکاظ میں خرید و فروخت بھی ہوتی تھی۔ شعر بازی بھی، کشتی کا دنگل بھی لگتا تھا۔ غیب داں نجومیوں کی دکانیں بھی سجتی تھیں۔ بی بی حلیمہ بھی ایک بدلی عرّاف (غیب داں) کے پاس دل بہلانے پہنچیں۔ وہ بچوں کا زائچہ بتانے سے اختصاص رکھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نے کچھ واہی تباہی باتیں کی ہوں گی۔

آپ کو سات برس کی عمر میں آنکھوں میں تکلیف اور سخت آشوب چشم کا بھی ایک

بار پتہ چلتا ہے۔ اور لکھا ہے کہ مکے میں علاج ناکام رہا، تو لوگوں کے مشورے سے آپ کے دادا عبدالمطلب آپ کو عکاظ لے گئے، جہاں قریب میں ایک عیسائی خانقاہ تھی۔ وہاں کے راہب نے آں حضرتؐ کے لئے علاج کا نسخہ تجویز کیا تھا (جیسا کہ ابن الجوزی نے لکھا ہے) قفطی نے اخبار الحکماء میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو بھیج کر حارث ابن کلدہ نامی طبیب کو مکے میں اپنے علاج کے لئے بلایا تھا۔ معلوم نہیں کس بیماری کا ذکر ہے۔

نوعمری میں آپ اتنے ذہین تھے کہ کبھی دادا وغیرہ بزرگ کوئی چیز گھر میں کھو دیتے اور آپ کو ڈھونڈ لانے کے لئے کہتے تھے تو کبھی آپ خالی ہاتھ واپس نہ آتے۔ ایک دفعہ عبدالمطلب کے کچھ اونٹ کھو گئے۔ بہت کچھ ملازموں سے تلاش کے بعد دلوانے آپ کو بھیج دیا۔ لیکن جب آپ کو واپسی میں دیر ہوئی تو پریشان ہوئے اور اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے کہ سات آٹھ برس کے بچے کو کس کام پر بھیج دیا۔ اور نہ معلوم اُسے پہاڑوں وادیوں میں کیا افتاد پیش آئے۔ چنانچہ کعبے کا طواف کر کے خدا سے گڑگڑا کر آپ کی سلامتی کی دعا کی تھی۔ اور کچھ دیر بعد آں حضرتؐ نے آ کر اونٹوں کے ملنے کی اطلاع پہنچائی، تو بوڑھے دادا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اور عہد کیا کہ آپ کو آئندہ ایسے کاموں پر نہیں بھیجیں گے۔

ابن حبیب نے کتاب المحبر میں لکھا ہے کہ عبدالمطلب مکے کے ان چند لوگوں میں تھے جو شراب نہیں پیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے گھرانے میں پلنا نوعمروں کو تاثر پذیر عمر میں بہت سی برائیوں سے خود بخود ہی دور رکھنے کا باعث تھا۔ اور چچاؤں، پھوپھیوں وغیرہ کی مدہوش بدمستیوں سے جو بُری تربیت ہو سکتی تھی اس سے آپ محفوظ رہے تھے۔

Marfat.com

دادا کی وفات پر آپ کی عمر آٹھ سال کی بتائی جاتی ہے۔ پھر چچا ابوطالب نے آپ کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ ابوطالب کے ہمراہ پہلی مرتبہ آں حضرت ؐ کے سفر کا پتہ آپ کی نوسالہ عمر ہی میں چلتا ہے۔ آپ کے مچلنے اور اصرار کرنے ہی پر چچا آپ کو ساتھ لے گئے ہوں گے۔ لیکن سعادت مند نوعمر جتنے چھوٹے بے شمار کام اپنی پھرتی سے کر کے ہاتھ بٹاتے ہیں اس کے باعث ابوطالب کو آپ کے ساتھ لینے پر پچھتاوا نہیں ہوا ہوگا۔

اس سفر میں بحیرا راہب سے آں حضرت ؐ کی ملاقات بیان کی جاتی ہے۔ ابوطالب مکے سے چل کر بصریٰ پہنچے (جو بیت المقدس اور دمشق کے مابین اُس زمانہ میں ایک اہم تجارتی منڈی اور کاروانی اسٹیشن تھا) یہ علاقہ چونکہ بیزنطینی رومیوں کے قبضے میں تھا اس لیے ہوشیار عیسائی پادریوں نے کوئی تعجب نہیں جو اسے مسیحی تبلیغ کے لئے تاک لیا ہو۔ اور یہاں خانقاہ اور راہب رہتے ہوں جو ہر نووارد غیر عیسائی سے تپاک سے ملتے اور ان میں اپنے مذہب کا پرچار کرتے ہوں۔ اول تو ایک نو برس کے بچے کی تعلیم و تلقین ہی کیا ہو سکتی ہے۔ اور دوسرے اس زمانے میں عیسائیوں میں اتنی پھوٹ اور سر پھٹول ہو رہی تھی کہ راہبوں کا اُس آپس کی مناظرہ بازی سے اجنبیوں میں تبلیغ کے لئے وقت نکالنا مشکل ہی تھا۔ یوں بھی بحیرا راہب کا ابوطالب اور ان کے ساتھیوں کو ضیافت پر مدعو کرنا، اور کھانے کے بعد رخصت گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ کی صحبت نہیں رہی ہوگی۔ اور زیادہ تر سالار کارواں اور معمر لوگوں ہی سے بات چیت رہی ہوگی۔ گو سب سے کم سن مہمان پر بھی شفقت اور دو چار بچوں کی سمجھ کی باتیں بھی ناممکن نہیں ہیں۔ عرب مؤلفوں کا یہ بیان چاہے صحیح ہو یا نہ کہ بحیرا راہب نے قیافہ سے پتہ چلا کر آنحضرت ؐ کے متعلق بیان کیا کہ آپ نبی بننے والے ہیں۔ لیکن کاسانوا وغیرہ عیسائی مؤلف

Marfat.com

یہ ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں عیسائی دنیا میں یہ عام عقیدہ تھا کہ ایک مسیحا اور آخری نبی جلد مبعوث ہونے والا ہے۔ اور سب لوگ اس کے انتظار میں تھے۔ ممکن ہے کہ بحیرا نے بھی اس کا ذکر کیا ہو۔ عیسائی عقیدہ بہرحال یہ نہیں تھا کہ مسیحا کی آمد حجاز میں ہوگی۔ ان حالات میں بحیرا کی گفتگو سے آنحضرتؐ میں نبی بننے کا شوق پیدا ہونا قرین قیاس نہیں۔

بصریٰ الشام سے واپسی کے بعد دس گیارہ سال تک زندگی کیسے بسر ہوتی رہی ہماری مؤلف ساکت ہیں۔ بہرحال اعتدال اور شرافت کی زندگی گذارنا، اپنے سرپرست چچا کا اُن کے کاروبار تجارت میں ہاتھ بٹانا اور شہری زندگی میں عفاف اور غریب نوازی کے شہرے کے ساتھ شریک رہنا فرض کر لیا جا سکتا ہے۔ ابن سعد کے مطابق ابو طالب کے گھر میں بچوں کا ناشتہ جب آتا سب مل کر لوٹ لیتے"۔ لیکن جب چند مرتبہ دیکھا کہ یتیم بھتیجا اس لوٹ میں شریک نہیں رہتا تو پھر آپ کا ناشتہ الگ اور مستقل دیا جانے لگا۔ نوعمری میں یہ سنجیدگی مستقبل کی شخصیت کی خمیر کا پتہ دے کر اپنی وقعت ابھی سے پیدا کرانا شروع کر چکی تھی۔ سیرۂ حلبیہ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ابو طالب نے بکی والوں کی ایک بُت پرستانہ عید میں حصہ لینے کے لئے آپ کو بہت بُرا بھلا کہہ کر مجبور کیا لیکن کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ ابو طالب نے پھر کبھی آپ کو اس پر مجبور نہیں کیا۔ کلبی کی کتاب الاصنام کا واقعہ بھی غالباً اسی موقع کا جزء ہے کہ آنحضرتؐ نے جاہلیت میں ایک بھوری بھیڑ قربانی دی تھی۔

اس کے بعد عالم نوجوانی میں چند واقعات ملتے ہیں جن سے ؎

بالائے سرش زہوشمندی ۔۔۔ می تافت ستارۂ بلندی

Marfat.com

تنبیہ: ابھی اوپر سیرۃ حلبیہ کے حوالے سے زمانۂ جاہلیت کی جس جاترا کا ذکر کیا گیا، تنبیہ اُس کی کچھ مزید تفصیل رسول اکرمؐ کی کھلائی بی بی ام ایمن کی ایک روایت میں ملتی ہے (جو اگرچہ واقدی کے حوالے سے نقل ہوئی ہے۔ لیکن وہ قرین قیاس ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ واقدی کی ہر بات غلط ہی ہو) اور وہ یہ ہے کہ یہ بُوانہ نامی بُت کی سالانہ تقریب تھی۔ لوگ اس کی پوجا کے بعد سر مُنڈاتے تھے۔ جب وہاں جانے سے سال بسال آں حضرتؐ نے انکار کیا تو ایک سال ابوطالب بھی خفا ہوئے اور پھوپھیاں بھی۔ اور کہا کہ اپنی قوم کی عید میں شریک نہ ہونا اور مجمع کو بڑھانے میں حصہ نہ لینا بڑی بُری بات ہے۔ اور پھوپھیاں اتنی بضد ہوئیں کہ آنحضرتؐ بھی ساتھ جانے پر آمادہ ہوئے۔ اور پھر غیبی حوادث پیش آئے وغیرہ۔ اور یہ سب نوعمری اور زمانۂ جاہلیت کا واقعہ ہے۔ اور بفحوائے آیت "مَا کُنتَ تَدرِی مَا الکِتٰبُ وَلَا الاِیمَانُ" (سورۂ شوریٰ آیت ۵۲) کبھی نبی بننے سے پہلے پیش بھی آیا ہو تو ناممکن نہیں ہے۔

# نوجوانی

**حَربِ فجار** اہل عرب نے اپنی آمدنی کے پُرامن وسائل میں ایک محصول درآمد یا عُشر بھی قائم کر رکھا تھا۔ اور میلوں جاتراؤں میں جو لوگ تجارتی سامان فروخت کے لئے لاتے اس کا دسواں حصہ (عُشر) میلے کے مقام کے سردار کو ملتا۔ زیادہ لوگوں کو آنے اور زیادہ سامان لانے کی تشویق دلانے کے لئے قدیم زمانے سے انھوں نے حرام مہینوں کا ادارہ قائم کر رکھا تھا۔ مختلف قبائل کی یہ تقریبیں مختلف زمانوں میں ہوتی تھیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میلے سے پندرہ دن پہلے اور پندرہ دن بعد

Marfat.com

جملہ ایک مہینہ "حرام" سمجھا جاتا تھا۔ جس میں انتقام جوئی اور معمولی قتل و لوٹ ناجائز سمجھے جاتے تھے۔ اور دشمن بھی امن و امان سے بازو سے گذر سکتا۔ قبائل مُضر رجب کے مہینہ کو حرام سمجھتے۔ قبائل ربیعہ کا کوئی اور زمانہ تھا۔[1] اور کعبے کے حج اور منا کے میلے کے سلسلے میں تین مہینوں کا زمانہ حرام سمجھا جاتا تھا۔ یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ، اور محرم۔

ان حرام مہینوں کی کبھی حرمت شکنی ہو جاتی تو اسے فجار یعنی بُرا کام سمجھا جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ ماقبل نبوت میں ایسے چار واقعے بیان کئے جاتے ہیں جن میں سے بظاہر دو کے وقت آپ کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ اُن ہنگاموں کے وجوہ و اسباب سے یہاں بحث نہیں۔ وہ عام جاہلی ہنگامے ہیں۔ کبھی قرضے کی ادائیگی میں ٹال مٹول، کبھی کسی عورت سے چھیڑ چھاڑ، کبھی ذاتی لن ترانیاں اور کسی غیر قبیلے والے کے جواب پر خفگی اور کبھی حرام مہینوں کی تازہ حرمت شکنی کا انتقام وغیرہ۔

عرب میں ابو براء ملاعب الاسنہ نامی ایک مشہور نیزہ باز تھا۔ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ایک حرب فجار میں بڑی بہادری سے اس کو نیزہ مارا تھا۔ ابن ہشام نے چوتھے فجار کے متعلق لکھا ہے کہ آں حضرتؐ اُن تیروں کو روکنے میں حصہ لیتے جو آپ کے چچاؤں پر اُن کے دشمن نشانہ لگا کر چلاتے تھے۔ ابن سعد نے اس وقت آں حضرتؐ کی عمر بیس سال بتائی اور آپ کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ "میں تب وہاں اپنے چچاؤں کے ساتھ شریک تھا اور کچھ تیر بھی چلائے اور مجھے پسند نہیں ہے کہ میں نے ایسا نہ کیا ہوتا۔"

## حلفُ الفضول

چوتھے فجار میں بنی ہاشم کے سردار زبیر بن عبد المطلب تھے جیسا کہ ابن حبیب نے لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ خوں ریزی زیادہ ہوئی تھی۔ اور بات بھی زیادہ معمولی تھی۔ چنانچہ قریش اس پر پشیمان ہوئے اور جلدی ہی

[1] مولانا مناظر احسن گیلانی نے کسی حوالے سے یہ بیان لکھا ہے۔

Marfat.com

ایک نیا واقعہ پیش آیا۔ (جس کا ذکر نیچے آئے گا) تو فجار کی لڑائی میں جو قریشی سردار شریک ہوئے تھے، خاص کر زبیر بن عبدالمطلب (آنحضرتؐ کے چچا) اور قبیلۂ تیم کے عبداللہ بن جدعان نے اہل شہر کو اُس "حلف الفضول" کے تازہ کرنے کی دعوت دی، جو جرہمی دور میں (قصیٰ کے مکے پر قبضہ سے پہلے) پایا جاتا تھا۔ اور یہ حرب فجار کے چند ہفتے بعد کا واقعہ ہے۔

ابن قتیبہ نے جرہمی دور کے اس ادارے کی جو مختصر توضیح کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چند افراد نے ایک انجمن امداد مظلومین قائم کی تھی اور اس میں شریک ہونے والے رضاکار متحدہ طور سے اپنے شہر میں ظالموں کا ہاتھ روکتے اور مظلوموں کو اُن کا حق دلاتے۔

حرب فجار کے بعد عبداللہ بن جدعان کے مکان میں لوگ ضیافت کی دعوت پر جمع ہوئے۔ وہ بہت بوڑھا اور با اثر بھی تھا۔ اور بعض دفینوں کے ملنے سے بڑا مال دار بھی تھا۔ اور غالباً اسی کا مکان سب سے کشادہ بھی تھا۔ بہرحال اصل محرک کون تھا، اس بارے میں سہیلی وغیرہ ہمارے مورخ ایک قصہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اسی زمانے میں ایک زبیدی (یمنی) تاجر نے مکے میں اپنے ادھار بیچے ہوئے سامان کی قیمت وصول نہ ہو سکنے اور ہر کوشش کو ہارنے پر کچھ دل جلے طنز و ہجو کے شعر کہے۔ زبیر بن عبدالمطلب کو اس سے دل پر چوٹ لگی۔ اور انھوں نے ایسی رضاکار جماعت کی تحریک کی۔ زبیر نے اس انجمن کی تعریف میں بہت سے اشعار بھی کہے ہیں جو سہیلی نے نقل کیے ہیں۔ اس لئے یہ ممکن ہے کہ محرک یہی ہوں۔ اور محض ان کی کم سنی اور کم مالی کی وجہ سے ابن جدعان کی سرپرستی حاصل کی گئی ہو اور اس کے گھر میں جلسہ طلب کیا گیا

اور حسب عادت ضیافت ہوئی ہو (عبداللہ بن جدعان کے قبیلہ) تیم کے اور بنی ہاشم کے معززین بھی جمع ہوئے۔ اور بنی عبدالمطلب، بنی زہرہ، اور ایک روایت میں بنی حارث بن فہر کے بھی۔ اور ان سرداروں نے حلف اٹھا کر اقرار کیا کہ وہ حدود شہر مکہ میں کسی کو کسی پر ظلم کرنے نہ دیں گے۔ اور مظلوم کو متحدہ امداد دے کر ظالم سے اُس کا حق دلائیں گے۔

ابن ہشام اور حُمیدی وغیرہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان کی روایت کی ہے کہ "میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حلف لینے شریک تھا۔ اور سُرخ اونٹوں کے گلّے کے عوض بھی اس شرکت کے اعزاز سے دست بردار ہونا نہیں چاہتا۔ اور اگر اب زمانۂ اسلام میں بھی مجھے کوئی اس کی دُہائی دے کر پکارے تو اس کی مدد کو دوڑوں"۔ انھوں نے حلف اس پر لیا تھا کہ حقوق اُن کے مالکوں کو دلائے جائیں۔ اور کوئی ظالم کسی مظلوم پر دست درازی نہ کرے۔

مکے والوں کو اس پر بجا طور سے فخر ہو سکتا ہے کہ جس زمانے میں باقی عرب بلکہ باقی دنیا میں لاٹھی راج کا دور دورہ تھا، اس وقت انھوں نے رضاکارانہ امدادِ مظلومین کے لئے اپنی جتھا بندی کی۔ اور تاریخ بتاتی ہے کہ انھوں نے رات کی بات دن ہوتے ہوتے بھلا نہ دی۔ بلکہ ہمیشہ اس کی لاج رکھی۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی اس کی دہائی سے ابوجہل وغیرہ بڑے بڑے سرغنے تھراتے تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زمانۂ اسلام میں ہجرت سے قبل بعض وقت اس میں مؤثر عملی حصہ لیتے نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ ابن ہشام میں بیان ہوا ہے البتہ یہ صحیح ہے کہ اسے مستقل ادارہ بنانے اور وقت بوقت نئے ارکان کو بھرتی کرنے کی جانب توجہ

نہیں کی گئی جس کے باعث ایک ہی نسل کے بعد یہ انجمن ختم ہو گئی۔ یوں بھی اسلام آجانے کے باعث اس کی زیادہ ضرورت بھی نہ رہی۔ حلف الفضول میں شریک ہونے والوں نے جو حلف لیا وہ یہ تھا۔

| | |
|---|---|
| خدا کی قسم ہم سب مل کر ایک ہاتھ | باللّٰہِ لَیَکُوْنُنَّ یداً |
| بن جائیں گے اور وہ مظلوم کیساتھ | واحدۃً مع المظلوم علیٰ |
| رہ کر اس وقت تک ظالم کے خلاف | الظالم حتّٰی یودی |
| اٹھا ہوا رہیگا تا آنکہ وہ (ظالم) | الیہ حقہ ما بَلَّ |
| اس (مظلوم) کو حق ادا نہ کر دے | بحر صوفۃ ومارسی |
| اور یہ اس وقت تک جب تک کہ | حراء وثبیر مکانھما |
| سمندر گھونگوں کو بھگوتا رہے اور | وعلی التأسی فی |
| حراء و ثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ قائم رہیں | المعاش۔ |
| اور ہماری معیشت میں مساوات | (روض الانف) |
| رہے گی۔ | |

اس کا آخری فقرہ بھی غور طلب ہے۔ مورخ ساکت سے ہیں کہ اس کا منشاء کیا تھا۔ بہر حال یہ تو یقین ہے کہ مدد کو جانے والے جب اپنی جان سے حاضر تھے تو اپنے مال کی کیا پرواکرتے ہوں گے۔

**تجارت** شہر مکہ ایک "وادیٔ غیر ذی زرع" میں آباد ہے۔ اس لئے یہاں والوں کے لئے کسی کھیتی باڑی کا کوئی سوال نہیں۔ صنعت کچھ ضرور ہوگی۔ لیکن اس کے لئے خام سامان باہر ہی سے لانا ہوتا ہوگا۔ اس لئے تجارتی کاروبار

Marfat.com

ہی اصل ذریعۂ معاش سمجھنا چاہیئے۔

خاندان بنی ہاشم میں کسی صنعتی پیشے، دستکاری کا ذکر مورخ نہیں کرتے ہیں۔ تجارت میں کپڑے، غلّے، چمڑے، خشک میوے، اسلحہ، عطر اور سنگار کا سامان ہی اہم شعبے تھے۔ بظاہر اول الذکر دو شعبوں ہی سے آنحضرتؐ کے خاندان کو تعلق تھا۔

کاروانی کاروبار میں عام طور پر سو فی صدی نفع کا مؤلف ذکر کرتے ہیں۔ لیکن ایک تو اُس کے لئے بڑے سرمایہ کی ضرورت ہوتی۔ اور دوسرے جو کم بھی کافی رہتا۔ کئی ہفتوں کے مسلسل کوچ میں کچھ نہ کچھ اونٹ تھکن سے مرجاتے۔ دورانِ سفر میں اپنے اور جانوروں کے کھانے چارے کے اخراجات بھی گھر سے لازماً بڑھ جاتے محافظ دستہ الگ ساتھ لینا پڑتا۔ کیونکہ بیسیوں قبائل کی سرزمین سے گذرنے میں دشمنوں کے علاوہ اتفاقی رہزنوں کا بھی خطرہ رہتا۔ اس لئے کاروانی کاروبار اکثر سرمایۂ مشترکہ کے اصول پر ہوتا۔ یعنی ایک تو کئی کئی لوگ مل کر نکلتے اور پھر ہر شخص اپنے علاوہ دوست احباب وغیرہ کا سامان نصف نفع میں شرکت یا کسی ایسی ہی شرط پر ساتھ لیتا۔ اور جتنا زیادہ سامان ساتھ ہوتا اتنا ہی سفر کے نقصان اور مصارف کی پابجائی ہو کر کچھ نفع بچ رہنے کا امکان ہوتا۔

نو دس سال کی نوعمری میں چچا کے ساتھ دادا کی وفات کے ایک ہی سال بعد کاروانی سفر میں آنحضرتؐ کا فلسطین جانا بیان ہو چکا۔ اس کے بعد پچیس سالہ عمر سے قبل مکرر کسی سفر کا مورخ ذکر نہیں کرتے۔ اس کے معنے یہ تو نہ ہوں گے کہ آنحضرتؐ یہ پورا عرصہ بیکار اور اپنے چچا پر بار رہے۔ بلکہ حضرتؐ تجارت میں مشغول رہے ہونگے۔ یقیناً چچا کی کوئی دُکان شہر میں ہوگی۔ اور اس میں آپ بھی وقت دیتے ہوں گے۔ اس کا

بھی پتہ چلتا ہے کہ مختلف سالوں میں جب دیگر لوگ کارواں لے کر جاتے تو آں حضرتؐ اپنا سامان اُن کے سپرد کرتے۔ چنانچہ ایسے ہی ایک شخص (قیس بن السائب) سے روایت ہے کہ "زمانۂ جاہلیت میں میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہتر ساجھی کوئی نہ پایا۔ اگر ہم اُن کا سامان لے کر جاتے تو واپسی پر وہ ہمارا استقبال کر کے صرف ہماری خیر و عافیت پوچھتے اور چلے جاتے۔ اور بعد میں حساب دینے پر قطعاً تکرار اور حجت نہ کرتے۔ حالانکہ دیگر لوگ سب سے پہلی بات صرف اپنے مال کی کیفیت کے متعلق پوچھتے۔ اس کے برخلاف اگر خود وہ ہمارا سامان لے کر جاتے تو واپسی پر جب تک پائی پائی بیباق نہ کر لیتے گھر تک نہ جاتے۔ اور اسی لئے ہم میں وہ الامین (امانت دار و دیانت مند) کے لقب سے معروف تھے"

طبری نے امام زہری کے حوالے سے ایک روایت کی ہے کہ "بی بی خدیجہ نے آنحضرتؐ اور قریش کے ایک اور شخص کو اجرت پر سوئے حبشہ بھیجا۔ جو شام میں ہے مکے کے جنوب میں چھ دن کے راستے پر یمن کے رُخ حبشہ کا روانی راستے پر ایک مشہور مقام تھا۔ اور وہاں کا میلہ جو رجب میں تین دن لگتا تھا فلسطین کے مقابلے میں یہ قریب اور سہل الوصول بھی تھا۔ ابن سید الناس کی روایت میں بی بی خدیجہ نے آپ کو دو مرتبہ جرش بھی سامان دے کر بھیجا اور ہر دفعہ معاوضے میں ایک اونٹ دیا۔ اگر یہ جُرش ہے تو وہ مکے کے جنوب میں طائف سے کچھ آگے یمن کے رخ ایک اہم قلعہ بند شہری مملکت تھی۔ اور وہاں بڑا بازار لگتا تھا۔ اور اگر جَرَش ہے تو وہ شرق اردن میں ایک بڑا یونانی شہر تھا۔ ممکن ہے کہ ان سفروں کی کامیابی اور آں حضرتؐ کی خوش معاملگی ہی نے بی بی خدیجہ کو اس پر آمادہ کیا ہو کہ آنحضرتؐ کو اپنا سامانِ تجارت دے کر

Marfat.com

دور دراز علاقہ فلسطین روانہ کریں۔ بی بی خدیجہ بیوہ تھیں۔ تقریباً چالیس سال کی عمر تھی دولتمندی میں شہر میں اُن کی ٹکر کی عورتیں تو کیا مرد بھی کم تھے۔ وہ تاجرہ کہلاتی تھیں اور طاہرہ کے لقب سے معروف ہونا بیان کی جاتی ہیں۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو طالب ہی نے آنحضرتؐ سے کہا تھا کہ "بیٹا کئی سال کی قحط سالیوں سے ہمارا حال خراب ہے۔ ہمارے پاس سرمایہ ہے اور نہ مالِ تجارت کہ اپنا کاروبار کریں۔ تم خدیجہ سے جا کر کہو تو ممکن ہے کہ وہ اپنا کچھ سامان تمہاری تحویل میں بھی کرے۔" غالباً یہ اولین سفر جب شہ ہی کے موقع کا واقعہ ہے۔ اگرچہ راوی اسی کو سفر فلسطین سے متعلق کرتے ہیں۔

بہرحال ایک قریشی کارواں جب شام جانے تیار ہوا تو بی بی خدیجہ نے اپنا بہت سا سامان آں حضرتؐ کی تحویل میں دیا۔ اور ساتھ اپنے غلام میسرہ کو (خدمت کے لئے) اور اپنے ایک رشتہ دار خزیمہ کو بھی کر دیا۔ خزیمہ کی موجودگی ممکن ہے کہ کاروبار سیکھنے یا آنحضرتؐ کو سکھانے کے لئے ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مال کی نگرانی کے لئے ہو۔

اس سفر میں بھی آں حضرتؐ کے بُصریٰ الشام تک جانے کا پتہ چلتا ہے۔ راستے میں بحیرہ مرد ار پڑتا ہے۔ جو ممکن ہے آں حضرت نے دیکھا ہو۔ اور نسطور ا راہب سے (جو غالباً نسطوری فرقے کا تھا) ملاقات بیان کی جاتی ہے۔ راہبوں کے کاروانوں سے ملنے کی وجہ اوپر بیان ہو چکی ہے۔ لکھا ہے کہ ایک دن بی بی خدیجہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ اپنے مکان کے اوپر کی منزل میں بیٹھی تھیں کہ ایک کاروان دور سے شہر کی طرف آتا نظر آیا۔ اور یہ آنحضرتؐ ہی تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی مکے میں کئی کئی منزلہ مکان ہوتے تھے، جو شہر کی گرم آب و ہوا کے باعث ضروری بھی تھے۔

Marfat.com

مورّخ بیان کرتے ہیں کہ آں حضرتؐ کے حُسن انتظام اور دیانت سے بی بی خدیجہ کو توقع سے دُگنا نفع ملا تو بی بی نے آں حضرتؐ کو بھی وعدے سے دُگنا معاوضہ خوش ہو کر دیا۔ اصل وعدہ کہتے ہیں کہ "دو اونٹنیوں" کا تھا۔ (دو اونٹ بھر سامان یا دو ساؤ اونٹ، معلوم نہیں)

ابن سعد سے معلوم ہوتا ہے کہ مکّے میں وقتاً فوقتاً آں حضرتؐ بی بی خدیجہ سے ملنے جاتے تھے، جو آپ کو بہت چاہنے لگی تھیں۔ اور کسی وقت اپنی سہیلیوں میں بیٹھی ہوتیں اور آنحضرتؐ آتے تو بھی آپ سے ضرور ملتیں۔ ان سماجی ملاقاتوں میں اور امور کے ساتھ معاشی و کاروباری امور پر بھی گفتگو ہوتی ہوگی۔

ابوداؤد وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ بعثت سے قبل ایک مرتبہ کسی کاروبار کے سلسلے میں عبداللہ بن الحمساء نے آپ سے کہا تھا کہ ذرا ٹھیریئے میں ابھی آتا ہوں، پھر بھول گیا۔ تین دن کے بعد اتفاقاً ادھر سے گذرا تو آں حضرتؐ سڑک ہی پر منتظر تھے۔ بات کا آپ کو اتنا پاس تھا۔ اخلاق کا کیا ٹھکانا کہ پھر بھی اُسے کچھ بُرا بھلا نہ کہا۔

مسند امام احمد بن حنبل (ج ۴ ص ۲۰۶) میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ مشرقی عرب یعنی بحرین کے (جسے آج کل الحساء کہتے ہیں) قبیلہ عبدالقیس کا ایک وفد آنحضرتؐ کی زندگی کے اواخر میں مدینہ آکر باریاب ہوا۔ اور آں حضرتؐ نے اُن سے اُن کے مُلک کی بعض تفصیلیں بیان کر کے کیفیت پوچھی تو وہ لوگ حیران ہوئے کہ آپ کو اس علاقے کا اتنا گہرا علم کیسے ہوا۔ اس پر کہتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے یہ فرمایا کہ میں نے تمہارے مُلک کی خوب سیر کی ہے۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ مشقرؔ اور دبا کے شہرہ آفاق میلوں وغیرہ میں بھی آں حضرتؐ شاید تجارتی کاروبار کے سلسلے میں گئے ہیں

Marfat.com

اور ممکن ہے کہ یہ بھی بی بی خدیجہ کے کارندے ہی کی حیثیت سے ہو۔ مگر اس کا ٹھیک زمانہ معلوم نہیں۔ ممکن ہے شادی کے بعد بھی اپنی بیوی کا سامان لے کر آنحضرت م کاروبار کے لئے جاتے رہے ہوں۔

آں حضرت م نے نبوت کے ابتدائی سالوں میں (ہجرت مدینہ سے قبل) جب اپنے ساتھیوں کو حبشہ ہجرت کر جانے کی اجازت دی تو اپنے چچازاد بھائی جعفر طیار کو نجاشی کے نام ایک تعارفی خط بھی دیا تھا، جسے تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔ اس خط کا انداز ایسا ہے جو کسی متعارف شخص کے نام ہی ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ پھر اس وقت آں حضرت م کا یہ فرمانا کہ "وہ ایک ایسے بادشاہ کا ملک ہے جس میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا"۔ نیز حدیث میں آں حضرت م سے ایک سے زیادہ حبشی الفاظ کا مروی ہونا ــــ یہ سب اس بات کے قیاس کا موقع دیتے ہیں کہ غالباً آپ نے کبھی حبشہ کا بھی سفر کیا تھا۔ اور نجاشی سے ملاقات بھی کی تھی۔ (جس کا موقع حضرت عمرو بن العاص رض وغیرہ کو بھی اسلام سے قبل ملا تھا) حبشہ جانے کا سہل راستہ تو وہی تھا جو مہاجرین اسلام نے اختیار کیا تھا کہ شعیبہ (جدہ) میں جہاز پر سوار ہو کر بحر احمر کے دوسرے ساحل پر جا اُتریں۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ ایلہ (عقبہ) اور جزیرہ نمائے سینا یا شاید غزہ سے ہو کر (جہاں آں حضرت م کے پردادا مدفون بھی ہیں) مصر اور پھر وہاں سے دریائے نیل کے کنارے کنارے حبشہ جائیں۔ دریا کے بہاؤ کی سہولت کے باعث حبشہ سے مصر کشتی میں آنا بھی ممکن ہے۔ اگر یہ قیاس و استنباط بے جا نہ سمجھا جائے تو آنحضرت م کے بحری سفر کا بھی اس طرح امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ چونکہ قرآن مجید کے اوّلین مخاطب آں حضرت م تھے۔ اس لئے شام کے "جنّٰت تجری من تحتہا الانہار" اور سمندری

Marfat.com

سفر کے فوائد و ثمرات کا قرآن میں بار بار اور تفصیلی ذکر آنا بے وجہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ قطع کلام کے طور پر عرض کر دینا ہے کہ باغوں میں نہروں کا بہنا ہم ہندیوں کو سمجھ میں آتا ہے بادلوں کے نیچے بہتے نہروں کا بہنا کم از کم مجھے شام جا کر مشاہدہ کرنے سے پہلے سمجھ میں نہ آسکا تھا۔

بحری سفر وغیرہ کی خیال آرائیاں سیرت نگاروں کی شان میں بے ادبی بالکل نہیں۔ اسلام سے پہلے کے ان واقعات کے واقف اگرچہ حدیث شائع ہونے کے دور سے قبل نوت ہو چکے ہوں تو تاریخ انسانی کے لئے کونسی نادر بات ہے۔ سیروا فی الارض کا قرآنی حکم دس پندرہ جگہ آیا ہے۔ جو ذات ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے وہ خود اس تعلیم کی تعمیل کر چکی ہو تو اس میں قباحت تو کوئی نہیں معلوم ہوتی۔

# شادی خانہ آبادی

یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح آدم حضرت حوا اور بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تمام شادیاں طرح الاین کی اضافت تاجرۃ مکہ کے کمال ربح و فلاح کے بڑھانے اور رد الجلین نقرب اور ملاقاتوں میں کثرت و موانست کے پیدا کرنے کا باعث ہوئی۔

ایک عارف اگرچہ بالغ عمر ہے، لیکن مال و نعمت کی فراوانی نے صورت حسن کو غیر معمولی طور پر نکھار دیا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے وہ عرصہ شادی و بیوگی کا گرم و سرد بھی چکھا جا چکا ہے۔ اور پہلے شوہر ابو ہالہ تمیمی سے ہند نامی لڑکا اور دوسرے شوہر عتیق بن عائذ مخزومی سے ہند نامی ہی لڑکی ہو چکی ہے۔ لڑکے کی عمر ممکن ہے اس وقت بارہ پندرہ سال کی اور لڑکی کی آٹھ دس سال کی ہو۔ لیکن تحمل و تنعم کے باوجود اعتدال و عفاف کی زندگی نے وہ رعنائی باقی رکھی تھی جس کے باعث چراغ حسن کے پرستاروں

کی کمی نہ تھی۔ ابن حبیب نے تو ایک روایت میں بی بی کی عمر (۲۸) سالہ ہی بیان کی ہے جو اگر صحیح ہے تو دل کے جذبات لطیف کی حساس کیفیت اور تاثر پذیری میں کمی نہیں ہوتی۔ اضافہ ہی ہو سکتا ہے۔ (دیکھو کتاب المجتبیٰ موقع)

دوسری طرف ایک پچیس سالہ جوان ہے۔ مست شباب گندمگوں میانہ، صفائی اور نکوکاری میں لاجواب، سیاہ پتلیاں، سُرخ ڈوریوں سے بھرا ہوا حدقہ، بڑی بڑی آنکھیں، چاند سا مکھڑا، گورا رنگ، گٹھا ہوا بدن، معتدل قد، لب و دنداں سے کہ (ہند بن ابی ہالہ کے الفاظ میں) یاقوت کی ڈبیہ میں بُراق و آبدار موتی "کشادہ پیشانی بڑا سر، کمان دار بھوں جو ناک کے قریب ملے ہوئے۔ اس نگاہ کی تیزی سے خرمن ہائے دل کا کیا حال ہو جو ثریا کے جھرمٹ میں گیارہ ستارے گن سکتی۔ صراحی دار گردن، سینہ اور شکم ہموار، اور بالوں سے خالی، سر کے بال نہ سیدھے نہ گھنگر والے، مگر کندھوں تک لٹیں چھوٹی ہوئیں، بھری ہوئی ہتھیلیاں، اور تلوے ایسے کہ ننگے پاؤں قدم رکھیں تو نشان پورا پڑتا۔ چوڑا سینہ، مضبوط ہاڑ، پتلی پنڈلیاں، باریک ہموار لیکن درمیان سے اُبھری ہوئی کمان کی طرح کی ناک، مُسکراہٹ غضب کی، آواز چاندی کی گھنٹی کی طرح لوچ دار، اور لہجہ اتنا صاف کہ الفاظ میں ایک ایک حرف پوری طرح ادا ہونے والا، پیاری پیاری گھنی داڑھی، اور پھر صفائی ستھرائی کا خیال۔

اس سراپا کے ساتھ چُھپتی بھی ہے، استغنا بھی، عقل و ذہانت بھی ہے، انکساری بھی، غریب نوازی بھی ہے، دلچسپی کی جگہ دائمی سنجیدگی بھی۔ اور اگر اس پر خدیجہ طاہرہ کے بجھے ہوئے چراغ آرزو میں پھر سے تیل آگیا اور دل ہاتھ سے چھوٹ گیا تو کون سے تعجب کی بات ہے؟!۔

Marfat.com

ہونے والی ام المومنین نے جب تک ضبط ہو سکتا تھا ضبط کیا۔ مگر دل کی آگ دماغ کی خنکی کو کتنے دن باقی رکھ سکتی۔ شروع میں کاروبار کے متعلق گفتگو اور مشورے کے نام سے بلاوے بڑھتے گئے۔ اور ساتھ ہی تحفے بھی اضافے پانے لگے، جن میں یقیناً موسمی اور فصلی تازہ میوے اور دیگر سامان بھی ہوتا ہوگا۔ آخر بی بی سے رہا نہ گیا تو ایک دن اپنی ایک پرانی منہ چڑھی اور رازدار سہیلی نفیسہ سے شرماتے ہچکچاتے کہہ ہی دیا کہ کیا لگن اور تڑپ پیدا ہوگئی ہے، نفیسہ کے متعلق جاری نے مولاۃ اور مولدہ لکھا ہے یعنی کسی غیر قوم کی لونڈی کے بطن سے مکے میں پیدا ہوئی تھی۔ اور سہیلی نے کاہن ہونا لکھا ہے جس سے ممکن ہے یہودی خون مراد ہو۔ ظاہر ہے کہ اس سے بہتر پیام رسانی کا کون سا ذریعہ ہو سکتا تھا۔ کسی شریف زادی کے مقابلے میں ایک لونڈی زادی ہی آسانی سے ایک نوجوان سے مل سکتی اور بے تکلف گفتگو کر سکتی۔ اور ممکن ہے بی بی خدیجہ سے میل جول کے باعث پہلے ہی وہ آنحضرتؐ سے نہ صرف متعارف ہو بلکہ بی بی خدیجہ کے معمولی پیام سلام بھی پہنچاتی رہی ہو۔

بہرحال نفیسہ ایک دن موقع سے آن حضرتؐ سے ملی اور یہ ذکر چھیڑتی ہے کہ تمہاری عمر کافی ہو چلی ہے۔ تم اچھے خاندان کے ہو، تمہارے اخلاق و کردار کی دھوم ہے تم شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ اچھی سے اچھی لڑکیاں تمہیں آسانی سے مل سکتی ہیں۔ آپؐ نے معاشی عذر کیا کہ گھر چلانا مشکل ہے۔ نفیسہ نے کہا کہ اگر کوئی لڑکی تمہیں ملے جو حسین بھی ہو، خوب مال دار بھی ہو، اعلیٰ گھرانے کی بھی ہو؟ استفسار پر بی بی خدیجہ کی نشان دہی کی گئی۔ اور یہ کہنے پر کہ علاوہ جس کا شہر میں ہر کوئی خواہاں ہے، تجھ مفلس کو کیوں چاہنے لگی"، نفیسہ نے کہا کہ تم آمادہ ہو تو اسے آمادہ کر لینا میرا ذمہ۔ آنحضرتؐ سوچ میں پڑ گئے

Marfat.com

ہوں گے کہ ایسی وجہ دار اور اطمینان دہانی کوئی فسر سنا وہ ہی کر سکتا ہے۔ بہر حال آپ
بی بی خدیجہ سے پھر ملے۔ اور شرمائے ہوئے انداز میں کسی نہ کسی طرح اپنا عندیہ
ظاہر کر دیا۔ وہاں کسے انکار تھا۔ بہر حال باقاعدہ پیام اور عقد کا انتظام ہو گیا۔
اس کا فائدہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی چاہے کنواری ہو یا دو بچوں کی ماں اپنے
بزرگان خاندان کی مشاورت کی محتاج تھی۔ آں حضرت تو اپنے چچاؤں کو لے کر
لڑکی کے گھر پہنچے۔ لیکن لڑکی کو ابھی جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اپنے بزرگوں کو
کہتی۔ غالباً عادت ڈالنی بھی تھی کہ افلاس سے تعصب ہٹتا جائے گا۔ بی بی خدیجہ
کے باپ خویلد کا حرب فجار کے زمانے ہی کچھ پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ اب چچا
عمرو بن اسد سے اجازت لینی تھی۔ بی بی نے راز کو آخر تک راز رکھا۔ صرف نکاح
کے دن ایک ضیافت کر کے جس میں گائے کٹی تھی، چچا کو بلوایا۔ اور کھلانے کے
بعد خوب پلایا بھی۔ اور جب وہ نشے میں چور ہو گیا تو بی بی نے چچا پر عبا و قبا بھی
ڈال دی۔ اور خلوق یعنی زعفران ملا ہوا عطر بھی مل دیا۔ اور پھر آں حضرت کو
بلا بھیجا اور کہا کہ اب اپنے چچا ابو طالب سے کہہ کر ابھی یہاں آ کر منگنی کریں۔ ابو طالب
نے جب یہ رواج لڑکے کی تعریف کی اور کہا کہ "شرافت و نجابت اور فضل و عقل میں
قریش کا کوئی نوجوان اس کی برابری نہیں کرتا۔ دولت سے بے شک کم ہے۔ لیکن دولت
ہے بھی تو ایک پرچھائیں۔ آتی ہے تو کل نہ آئی۔ اور ایک عاریت ہے۔ کبھی آئی،
آئی تو واپس بھی چلی گئی۔ اور پھر مہمان دلوں کو لگا ہوا ہے۔ یہ اسے دے دے
چاہتے ہیں۔ اور اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے یہ تمہارے چچا زاد بھائی (ورقہ بن نوفل نے) اس کی تائید کی

Marfat.com

کہ "بے شک محمد ایک نرا اونٹ ہے اور اتنا شر انگیز کہ اسے بٹھانے کے لئے اس کی ناک پر مارنے کی ضرورت نہیں" پھر ہر طرف مبارک سلامت کا غل ہوا۔ اور پھر رفتہ رفتہ دعوتی کھا پی کر اور پی کھا کر رخصت ہو گئے۔ لیکن باقاعدہ لڑکی کی رخصتی باقی تھی۔

غالباً شام کے قریب جب عمرو بن اسد ہوش میں آیا تو کہا یہ عطر اور یہ بخور اور یہ کپڑے جوڑے اور یہ گانا بجانا کیسا ہے؟ بھتیجی نے کہا "تم ہی نے تو معزز بن قریش کے سامنے میرا نکاح محمد سے کیا۔۔۔" چچا سے کچھ مختصر سی تکرار ہوئی جس نے دھوکہ دہی کا الزام لگایا۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ نکاح کفو سے ہوا ہے اور لڑکی تلی ہوئی ہے، تو اس نے بھی زیادہ انکار مناسب نہ سمجھا۔ اور منہ ہی خوشی خوشی رخصت کی یہ تقریب تکمیل کو پہنچی۔ بہتیلی کی روایت میں بیس اونٹنیاں اور ابن جنید کے مطابق بارہ اوقیہ (اونس) یعنی (۴۸۰) درہم اور ایک روایت میں پورے پانچ سو درہم کا مہر باندھا گیا۔ گھر لانے کے بعد آں حضرت نے ولیمہ بھی کیا۔ اور دو ایک اونٹ کاٹے گئے۔

زمانۂ جاہلیت کا یہ واقعہ انسانی فطرت کا آئینہ دار اور اس زمانہ کی زندگی کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خود آں حضرت ﷺ کا طرز عمل اس میں خفیف سے خفیف آلائش سے بھی پاک ہے۔ آں حضرت ﷺ بی بی خدیجہ کے مکان میں اٹھ آئے جلدی ہی ایک بیٹا قاسم پیدا ہوا۔ لیکن وہ ابھی ذرا چلنے ہی لگا تھا کہ رضاعت کی تکمیل سے قبل ماں اور باپ کو سوگوار کر گیا۔ پھر پے در پے اور بھی بچے ہوئے نکاح ۱۵ سے قبل نبوت کا واقعہ ہے۔ قاسم کی ولادت غالباً ۱۷ سے یا ۱۸ سے

قبل نبوت میں ہوئی۔ ایک اور بیٹا عبداللہ بھی کسی زمانے میں پیدا ہوا۔ جسے آپؐ نے اپنے والد کے نام سے موسوم کیا۔ اسی کو طاہر بھی کہتے ہیں۔ جو شاید بی بی خدیجہ کے لقب طاہرہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی بچے کو طیب بھی کہتے ہیں۔ یہ سب غالباً مجبت کے نام ہیں۔ ممکن ہے وہ روایت صحیح ہو کہ ماں نے بڑے بچے کا نام جاہلیت کے پرانے خاندانی ناموں میں سے ایک رکھا تھا[1] مسند ابن حنبل (ج ۱ ص ۲۲۴) کے مطابق زمانہ جاہلیت میں قریش کے ہاں گھر گھر میں بت ہوتے اور سونے سے پہلے لوگ اُن کی پوجا کرتے۔ آں حضرتؐ نے نکاح کے بعد (نبوت سے بھی پہلے) بی بی خدیجہ میں اُنہیں کی بھی چڑ پیدا کر دی تھی۔

# سماجی اور شہری زندگی

## شادی کے بعد

بی بی خدیجہ کو ان کے دونوں متوفی شوہروں سے جو بچے تھے وہ غالباً عرب کے رواج کے مطابق بی بی کے سسرالیوں میں رہ گئے ہوں گے۔ خاص کر اس لئے کہ بی بی کے اس نکاح کے وقت ان بچوں کی عمریں کافی بڑی ہوں گی۔ بہرحال آں حضرتؐ کی گھریلو زندگی میں ان سوتیلے بچوں کا کوئی خاص ذکر نہیں آتا۔ اگرچہ یہ قیاس کر لیا جا سکتا ہے کہ آپ کا برتاؤ اُن کے ساتھ انتہائی محبت اور شفقت ہی کا رہا ہوگا۔

---

[1] بخاری کی تاریخ کبیر کے مطابق ماں نے بچے کا نام شروع میں عبدالعزیٰ رکھا۔ آنحضرتؐ کو اطلاع ہوئی تو نام بدلوا دیا۔

Marfat.com

رضاعی ماں سے بھی آپ کو ہمیشہ محبت رہی۔ چنانچہ سہیلی نے (ص ۱۱۱) میں لکھا ہے کہ آپ کی شادی کے بعد بھی ایک مرتبہ بڈھی دودھ پلائی آئی۔ اور اس مرتبہ نئی دلھن بی بی خدیجہؓ نے خاص سلوک کیا۔ اور کئی اونٹنیاں عطا کیں جن کو لے کر حلیمہ سعدیہ دعائیں دیتی رخصت ہوئیں۔ ابن سعد (۱/۱ ص ۷۱) کے مطابق بی بی حلیمہ نے قحط سالی کی شکایت کی تھی۔ اور چالیس بکریاں اور ایک اونٹ بی بی نے عطا کیا تھا۔

آپ کی گھریلو زندگی کا یہ دور کتنا خوشگوار تھا، اس کا اندازہ نہ صرف اس سے ہوتا ہے کہ دس سال کے عرصے میں چھ سات بچے ہوئے بلکہ اس سے بھی کہ بی بی خدیجہ کی وفات کے بعد آں حضرتؐ ان کا جس قدر اور جس پیرائے میں ذکر فرماتے تھے اس سے آپ کی سب سے چہیتی بیوی بی بی عائشہ رضؓ تک کو بھی بڑا رشک ہوتا تھا۔

حدیث کی کتابوں میں اس کا خاصی تفصیل سے ذکر ہے کہ آں حضرتؐ جب گھر میں رہتے تو بیوی بچوں سے کس قدر پیار اور محبت سے پیش آتے، ان کا دل بہلانا، اُن کی سمجھ کے مطابق اُن سے گفتگو کرتے ہوئے ہمیشہ ایثار و خیرات کی تربیت دیتے رہنا اور صحیح معنوں میں شریک زندگی بننا آپ کا شیوہ تھا۔

شادی کے بعد لیکن نبوت سے پہلے کی پندرہ سالہ زندگی کس طرح گذری اس کا اندازہ ایک سب سے زیادہ واقف کار اور عینی شاہد کے چند جملوں سے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ نبوت کے ابتدائی زمانے میں ذات امی لقب کو گھبراہٹ سی تھی تو اس وقت آپ کو تسلی دیتے ہوئے آپ کی بیوی بی بی خدیجہ فرمایا کرتی تھیں "اندیشہ مت کرو اللہ تعالیٰ تم کو آفات میں نہ ڈالے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ بجز نیکی کے اور کچھ نہ کرے گا۔ کیونکہ تم صلۂ رحم کرتے ہو، اور حق کے کاموں پر لوگوں کی اعانت

---

تے ہو اور کسب کرتے ہو اور مہمانوں کی ضیافت کرتے ہو۔

کرتے ہو، اور یتیم کو جگہ دیتے ہو، اور راست بات کہتے ہو، اور امانت میں خیانت نہیں کرتے ہو، اور عاجزوں کی دستگیری کرتے ہو، اور فقیروں کے ساتھ نیکی اور لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کرتے ہو۔"

اس اقتباس سے علاوہ اور خصوصیات کے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسب معیشت بھی کرتے تھے۔ اور محض مالدار بیوی کی دولت کھا کر گذارا کرنا بالکل پسند نہ فرماتے تھے۔ بعض روایتوں میں غلے کے بیوپار کا پتہ چلتا ہے۔ ممکن ہے آپ کسی مادر بیوپاری کے شریک کاروبار رہے ہوں۔

اُس زمانے میں طبری کے مطابق مکے میں ایک بار قحط پڑا۔ اور ابوطالب کا بڑا کنبہ خاص کر دشواری محسوس کرنے لگا۔ اس وقت آں حضرت ؐ اپنے سوتیلے چچا حضرت عباسؓ کے پاس گئے اور فرمایا کہ اس قحط سالی میں ابوطالب کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔ چنانچہ حضرت علی رضؓ کو آپ نے اور حضرت جعفر کو حضرت عباسؓ نے لے کر اپنے گھروں میں رکھ لیا۔ نیکی کرنے کے ساتھ نیکی پر آمادہ کرنے میں بھی آپ پیش پیش رہے۔

اس قسم کے شریفانہ طرز عمل سے شہر میں آپ کے وقار کا روز افزوں ہو جانا ناگزیر تھا۔ اور اگرچہ ازرقی وغیرہ مورخین کے مطابق بلدۂ مکہ کی رکنیت چالیس سالہ عمر سے قبل کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی تھی، لیکن آپ کی فراست اور ناطرفداری پر معمرین کو جو اعتماد تھا اس کا اندازہ ایک سے زیادہ شہری جھگڑوں کو سلجھانے میں آپ کے حصہ لینے سے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آں حضرت ؐ کی عمر تقریباً ۳۵ سال کی تھی کہ عبادت گاہ کعبہ کی عمارت ایک آتش زدگی اور پھر طغیانی کی سیل سے متاثر ہو گئی تھی۔ شہر مکہ ایک وادی میں ہے جس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں اور کعبے کا مقام اس وادی کا پس ترین

Marfat.com

حصہ ہے جس کے باعث شہر میں خفیف سی بارش بھی ہو تو سارا پانی وہیں چلا آتا ہے۔ سابقہ تجربوں کے باعث کعبے کی عمارت کو عامر الجادر نامی سردار نے ایک دیوار کے احاطے میں لے لیا تھا تاکہ سیل کی زد عمارتِ کعبہ پر نہ پڑے۔ لیکن زیر ذکر سال بارش اتنی زیادہ ہوئی تھی کہ احاطے کی دیوار بھی اس کو روک نہ سکی تھی۔ ناگزیر نئے سرے سے بنانے کی تجویز ہوئی تھی۔ اس وقت تک کعبے کا طول و عرض نو نو ہاتھ تھا اور اونچائی قدِ آدم سے کچھ زیادہ تھی۔ اور کوئی چھت نہ تھی۔ شہر میں طغیانی ہوئی تو سمندر میں بھی طوفان ناگزیر تھا۔ اتفاق سے رومی تاجروں کا جہاز شعیبہ (جدہ) کے پاس سے گذر رہا تھا۔ وہ طوفان سے خشکی پر چڑھ آیا۔ اور ٹوٹ گیا۔ ازرقی کے مطابق مکے والوں کو خبر ہوئی تو باوجود اپنی جہالت کے انسانیت سے پیش آئے چنانچہ جتنے آدمی بھی زندہ بچے تھے اُن کی خبر گیری کی۔ اور جو سامان بھی وہ بچا سکتے تھے اس کو نہ صرف اچھے داموں خرید لیا بلکہ محصول درآمد بھی معاف کر دیا۔ یہاں تک کہ جہاز کی لکڑی بھی لے کر معاوضہ دیا۔ مکے میں باقوم نامی قبطی (مصری) بڑھئی کا ذکر ملتا ہے ایک روایت میں وہ انھیں طوفان زدہ پناہ گزینوں میں سے تھا۔ اور اہل مکہ کے اچھے سلوک کو دیکھ کر وہیں بس گیا تھا۔ اس طرح بعض روایتوں کے مطابق جہاز کا سامان نفیس تعمیری ضرورتوں یعنی سنگِ مرمر، لوہے، لکڑی وغیرہ ہی پر مشتمل تھا اور ایک گرجے کی تیاری کے لئے مصر سے حبشہ جا رہا تھا۔ وہ سامان بلا طلب ہاتھ آیا۔ ایک مزید نیک فال یہ پیش آئی تھی کہ کعبے کے تمام چڑھاوے اور نذریں کعبے کے دروازے کے پاس ہی جس اندھے کنویں میں حفاظت کے لئے لوگ ڈالا کرتے تھے اس میں ایک بڑا سا سانپ پیدا ہو گیا تھا۔ اور اکثر نظر آ کر دہشت کا

Marfat.com

باعث بنا ہوا تھا۔ اتفاق سے کعبے کی ترمیم کی تجویز کے زمانے میں سانپ ایک دن سر نکالے کنویں پر سے جھانک رہا تھا کہ ایک عقاب آیا اور جھپٹا مار کر اُسے پکڑ لے گیا۔ ان تمام قدرتی اتفاقات نے اہل مکہ کو اس پر آمادہ کیا کہ اپنی اس پرانی اور مقدس عبادت گاہ کی تعمیر میں پیسہ بھی پاک لگائیں۔ کسبیوں کی کمائی، سود کی رقم اور ظلم سے لیا ہوا روپیہ اس میں شریک نہ کریں۔ کعبہ ایک چار دیواری ہے۔ اس کی تعمیر اب بانٹ دی گئی۔

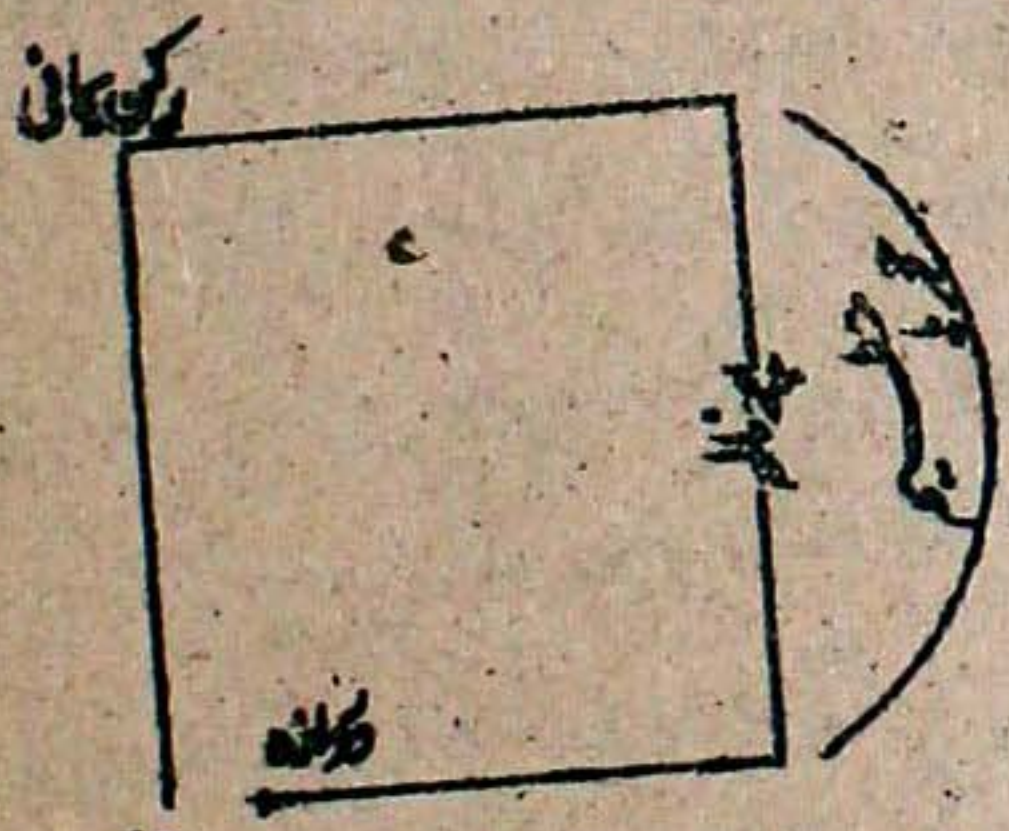


عمارت کعبہ

دروازے کے رُخ کی دیوار بنی عبد مناف اور بنی زہرہ کے حصے میں آئی۔ حجر اسود اور رکن یمانی کی درمیانی دیوار کا بنی مخزوم و تیم وغیرہ نے ذمہ لے لیا۔ پشت کی دیوار بنی سہم اور بنی جمح نے لی، حجر یا حطیم کا رُخ بنی عبدالدار و بنی اسد اور بنی عدی نے لیا۔ پوری پرانی عمارت نہایت ادب سے اور ڈرتے ڈراتے ڈھائی گئی۔ طول و عرض بھی سابق سے دُگنا کر دیا گیا۔ اونچائی بھی بڑھائی گئی۔ اور دروازہ بھی عمارت میں اتنی بلندی پر نصب کیا گیا کہ سیڑھی کی ضرورت رہے۔ (اور دربان کے لئے آمدنی کا ذریعہ ہو) اور اوپر چھت بھی ڈالی گئی کعبے کا کچھ حصہ حطیم کے نام سے بغیر چھت کے نیم دائرہ شکل

Marfat.com

کا باہر رکھا گیا۔ اور دیوار دونوں طرف سے کعبے کے ساتھ غیر متصل رکھی گئی تاکہ ہر کوئی ہر وقت وہاں جا سکے۔ اس کے اندر جانا گویا کعبے کے اندر ہی جانا تھا۔ اور معمولی معاہدہ کرنا، قسم وغیرہ کھانا ہو تو اب لوگ حطیم کو استعمال کرنے لگے اور اصل کعبے کے اندر سفر میں صرف زوبار پیر اور جمعرات کو نیز خاص خاص تقریبوں کے موقع پر داخلہ دیا جانے لگا۔ غرض دیواریں اُٹھنے لگیں۔ اور تمام اہل شہر پتھر لانے اور چنانے میں حصہ لینے لگے۔ جب یہ کوئی ڈیڑھ گز اونچی ہو گئیں تو حجر اسود کو دیوار میں ایسی جگہ نصب کرنے کا سوال پیدا ہوا کہ طواف کرنے والے کو وہ نظر آئے، جسے وہ بوسہ بھی دے سکے۔ حجر اسود ایک مقدس پتھر تھا۔ اس کی تنصیب ایک بڑا اعزاز تھا۔ اس لئے قبائل اس میں جھگڑنے لگے۔ اور مرنے مارنے کے لئے بھی تیار ہو گئے، جو سب سے زور کا حصہ عمارت میں رکھتے تھے یعنی حطیم والے انھوں نے تو ایک خون بھرا پیالہ لا کر حلف لیا کہ وہ اس اعزاز سے دست بردار نہ ہوں گے۔ اور نشان کے طور پر وہ چاٹنے لگے۔ چار پانچ دن تک تعمیر کا کام رُک گیا۔ پھر لوگ کعبے کے پاس ہی جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے۔ ایک بوڑھے (امیہ بن المغیرہ) نے مشورہ دیا کہ اس کو خدا ہی پر چھوڑ دو۔ اور اب جو شخص اس راستے سے سب سے پہلے آئے اُس کو ثالث بنا لو۔" اتفاق سے آں حضرتؐ آتے نظر آئے تو لوگ دور ہی سے چلانے لگے کہ "یہ تو امین آ رہا ہے ہم اس کے فیصلے پر راضی ہیں تو محمدؐ ہے۔" آں حضرتؐ قریب پہنچے تو ماجرا آپ کو سنایا گیا۔ آں حضرتؐ چاہتے تو وہ اعزاز صرف اپنے لئے یا اپنے خاندان کے لئے مخصوص کر سکتے۔ مگر آپ نے فوراً ایک چادر منگائی اور اُسے بچھا کر حجر اسود کو (جو شکل سے دس پندرہ انچ لمبا اور اتنا ہی چوڑا ہے) اس پر رکھا۔ پھر جملہ قبائل کے نمائندوں سے خواہش کی کہ چادر کے کونے

Marfat.com

پکڑ کر اٹھائیں۔ اور جب وہ مقام تنصیب کے قریب پہنچا تو اپنے دست مبارک سے اُٹھا کر اس کو دیوار پر بٹھا دیا۔ اور اس طرح ایک طویل اور خوں ریز خانہ جنگی کے احتمال کا ہنسی خوشی سدِ باب فرما دیا۔ اصل جھگڑالو لوگوں کے نام بھی اب کسی کو معلوم نہیں، اور نہ اُن لوگوں کے جنھوں نے چادر تانی تھی۔ محمد الامین کا نام وابستہ صلح جو اور صلح کُل کی حیثیت سے قیامت تک ایک سو حسنہ بنا رہے گا کہ جھگڑے کس طرح چکائے جاتے ہیں۔

اس سلسلے کا آخری واقعہ بھی ذکر کرتے چلیں۔ مکے والوں کا لباس ایک تہمد اور ایک چادر ہوتا تھا۔ غرباء کے پاس تو چادر بھی نہ ہوتی تھی۔ اس تعمیر کعبہ میں روزانہ پتھر کندھے پر رکھ کر لانا پڑتا تھا تو خراش سے بچنے کے لئے بہت سے غرباء اپنے تہمد ہی کو لپیٹ کر کندھے پر گدہ بنا لیتے تھے۔ آنحضرتؐ کا کندھا بھی خراش سے متاثر نظر آنے لگا تو آپ کے چچا عباسؓ نے مشورہ دیا کہ تم بھی ایسا ہی کر لو۔ آپ نے ایسا ہی فرمایا۔ لیکن گر پڑے اور برہنگی پر اتنی شرم اور ندامت ہوئی کہ پھر اس کا کبھی ارادہ نہ فرمایا۔

جب مکعب شکل کا کعبہ تیار ہو کر خدا کے نام سے منسوب بھی ہو گیا تو اسی زمانے میں یا جلد ہی بُت پرست اہل مکہ نے اس کی آرائش و زیبائش بھی شروع کی۔ کعبے کی دیواروں پر عمارت کے اندر قسم قسم کی تصویریں بنائیں۔ چنانچہ فرشتے بھی تھے۔ اور مختلف انبیاء کے ساتھ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل بھی تیروں سے فال دیکھتے دکھائے گئے تھے۔ نیز بی بی مریم اور حضرت عیسیٰ بھی پائے گئے۔ نیز کعبے کے اطراف تین سو ساٹھ بُت بھی رکھے گئے۔ جو تمام ہی قبائل کے تھے۔ کعبے کو اس طرح

ایک ہر مذہبی دیوستان بنا دینے سے قریش کی ذہنیت کا پتہ چلتا ہے۔ اور سب ہی مذاہب و قبائل کے عرب کعبے کی زیارت کے لیے خوشی سے آنے لگے ہوں گے، جو تجارتی اور سیاسی نقطۂ نظر سے قریش کے لئے بہت مفید ہوگا۔

لیکن خدا نے واحد کے گھر کا دیوستان بن جانا آں حضرت ؐ کے حساس اور نکتہ رس دماغ پر اثر ڈالنے لگا۔ اور آپ روز بروز شدت سے سوچنے لگے کہ قصہ کیا تھا اور کیا ہو گیا!

# آفتابِ رسالت کا طلوع

بیت اللہ (کعبہ) کی تعمیر جس اعتقاد اور اہتمام سے ہوئی، اور اس کے چند دن میں ہر قسم کی حرام و شبہ کی کمائیوں سے پرہیز کر کے صرف پاک اور جائز آمدنی خرچ کی گئی وہ شہر کے تو عمر اور حساس دماغوں کو متاثر کئے بغیر نہیں رہی ہوگی۔ اس کے احترام کا حال یہ تھا کہ لوگ وہاں جھوٹی قسم کھانے سے گھبراتے تھے۔ انتہائی اہم اور بنیادی آخری قسم کھانی ہو تو کعبے کے حطیم میں لوگ حلف لیتے تھے۔ اور مشہور ہو گیا تھا کہ وہاں جھوٹی قسم کھانے سے زندگی ختم، نام و نشان نابود اور گھر اجڑ جاتا ہے۔

لیکن دیکھتے ہی دیکھتے جب خدائے واحد کے اس گھر میں ایک دیوستان بن گیا اور تین سو ساٹھ بت اس کے اندر اور اس کے احاطے میں آ گئے تو ذاتی مخود فائدے والے دلوں کا لچکیں ہوتے بجز چار نہ تھا۔ یہ بت جن میں سے بہتوں کی صورت شکل تک کاریگروں کی غلام بارت سے بھدی اور بے ڈول تھی یہ بت جو ہاتھ پاؤں رکھتے ہوئے بھی ہاتھ پاؤں کے تصورات ہیں اور جو نہ بول سکتے ہیں اور نہ حرکت کر سکتے ہیں جو اس عناصر کی

Marfat.com

نہیں کہ کوئی ان کو ضرر پہنچائے تو روک بھی سکیں، وہ کس حد تک کسی کو نفع یا ضرر پہنچا سکتے ہیں! ان کا صحیح مقام قومی اور انفرادی زندگی میں کیا ہے؟ پھر یہ قصے بھی سننے میں آئے تھے کہ ایک قلہ پیدا کرنے والے رقبے کے باشندوں نے بجائے مٹی پتھر کے آٹے کا بڑے قد و قامت کا پُتلا بنایا اور اُسے اپنا معبود ٹھہرایا اور پھر ایک سال قحط ہوا تو اسی معبود کو کاٹ کوٹ کر اور توڑ پھوڑ کر کھا گئے۔ یا جہاں لکڑی کے بُت تھے تو مسافر سردی وغیرہ کے زمانے میں راتوں کو چپکے سے اپنے چولھوں کا ایندھن ان سے فراہم کر لیتے تھے! ایسے معبود کیا اہمیت رکھتے ہیں؟ اس سے بڑھ کر نفرت پیدا کرنے والا مکّے کے اندر یہ واقعہ تھا کہ اساف نامی شخص نے نائلہ کے ساتھ زنا کرنے کے لئے ایک دفعہ خانہ کعبہ کے اندر چار دیواری کا آسرا پایا اور لوگوں نے تشہیر کے لئے اُن کے بُت شہر کے دو ممتاز مقاموں پر رکھ دیئے تو چند ہی سال بعد مختلف ناواقف لوگ ان مسلوں بتوں کی پوجا کرنے لگے تھے۔

ایسے واقعات پر چند اعلیٰ دماغوں کا سوچ میں پڑ جانا ناگزیر تھا۔ عام اہل شہر تو بُت پرست تھے۔ البتہ بعض لوگ بیرونی ممالک کے سفر سے متأثر آئے تھے۔ اور اپنے مُلک کی بے سروپا بُت پرستی سے نفرت کرنے لگے تھے۔ اسی سلسلے میں مکّے کے اندر ہی کچھ لوگ عیسائی ہو گئے تھے، کچھ مجوسی بن گئے تھے، اور کچھ دہریے اور مادہ پرست و لامذہب ہو کر "خوش باش دمے کہ زندگانی این ست" یا "بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کے قائل ہو گئے تھے۔ کچھ توحید تک پہنچ گئے۔ لیکن حیران تھے کہ عبد و معبود میں رشتہ کس طرح قائم کریں۔ وہ اپنے دل کی تڑپ اشعار وغیرہ میں ظاہر کرنے لگے اور ایک مشہور شخص نے کہا کہ "اے خدا تو ہی بتا کہ میں تیری کس طرح

Marfat.com

عبادت بجا لاؤں، کھڑا رہوں یا جھکوں یا سجدے میں گر پڑوں۔ یا سر کے بل اُلٹا کھڑا ہو جاؤں۔ یا کسی پہلو پر پڑوں۔ مجھے کچھ سُجھائی نہیں دیتا۔ تو جیسا چاہے گا میں ویسا کرنے پر ہر طرح آمادہ ہوں۔"

غرض فکر ہر کس بقدر ہمتِ اوست۔ آنحضرت کا خاندان تو اہل شہر کا ہم خیال تھا۔ البتہ آپ کی بیوی خدیجہ کے ایک قریبی رشتہ دار ورقہ بن نوفل نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ وہ تھا تو اہل شہر میں مذہبی مسائل پر بھی گفتگو ہوتی ہوگی۔ بہرحال مختلف اسباب نے جلدی ہی اب آں حضرت کو انسان کے مقصد حیات اور خالق کائنات کے مسئلے پر متوجہ کر دیا۔ غالباً چند دن آپ یوں ہی سوچتے رہے ہونگے۔ کبھی بیوی سے گفتگو کی ہوگی، کبھی احباب سے، کبھی بزرگان خاندان و شہر سے۔ اور کبھی سب طرف سے لاجوابی اور مایوسی دیکھ کر تنہا کسی درخت کے نیچے، کسی چٹان کے سائے میں بیٹھ جاتے اور گھنٹوں اسی طرح گذر جاتے ہوں گے۔ تحنث کرنے یعنی بیوی بچوں کو چھوڑ کر کچھ عرصے کے لئے تنہا کسی غار میں جا کر چلّہ بیٹھ جانے کی ترغیب یا ترکیب طبری کے مطابق مکے میں معروف و معمول چیز تھی۔ معلوم نہیں مکے میں یہ چیزیں کہاں سے آئیں۔ ممکن ہے سنت ابراہیمی کا بقایا ہو۔

بہرحال ہمارے مورخ یہ بیان کرتے ہیں کہ رمضان کا پورا مہینہ آپ شہر مکے کے باہر اپنے مکان سے تقریباً ڈھائی تین فرلانگ کے فاصلہ پر حرا نامی پہاڑ کے ایک غار میں رہ جاتے تھے۔ کھانا پینا کچھ تو آپ ساتھ لے جاتے۔ اور پھر کبھی ضرورت پر عارضی طور سے گھر واپس آجاتے۔ یا آپ کی بیوی خادم یا غلام کے ہاتھ آپ کو ضرورت کا سامان تازہ بھیج دیتیں۔ یقیناً یہاں روزے اور ریاضت کا سلسلہ جاری

Marfat.com

رہتا ہوگا۔ لیکن تفصیل معلوم نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ کوئی بھولا بھٹکا مسافر یا مسکین ادھر سے گذرتا تو آپ اپنے مختصر توشے میں اس کو بھی شریک فرما لیا کرتے اور یہ کہ مہینہ ختم ہوتا تو مکہ آکر آپ گھر جانے سے پہلے کعبے کا طواف کرتے۔

جبل حراء (جو اب جبل نور کے نام سے مشہور ہے اور جس کا ترجمہ بائبل میں فاران آیا ہے) مکے کے شمال مشرق میں منا و عرفات کو جاتے وقت بائیں ہاتھ پر سڑک سے چند فرلانگ کے فاصلے پر واقع ہے۔ بارش سے جو سیلاب آتا ہے اس سے شہر کی حفاظت کے لئے ترکی دور میں یہاں ایک طویل کٹہ بھی بنا کر سیلاب کے رخ کو بدلا گیا ہے۔ اس سے ذرا آگے بڑھیں تو سفید سا ایک نورانی پہاڑ ہے۔ کچھ چکردار پہاڑی چڑھائی کریں تو ترکوں کے لئے دعا نکلتی ہے کہ انھوں نے یہاں پانی پینے کے لئے حوض تعمیر کئے ہیں جن میں بارش کا پانی جمع ہو کر خاصے طویل عرصے تک کام دیتا ہے۔ اور اوپر پہنچیں تو چوٹی کے قریب چند چٹانیں اور گنڈ اوپر تلے آزو بازو اس طرح جمع ہو گئے ہیں کہ ان سے ایک مسطح فرش کے ساتھ ایک غار بن گیا ہے اور چند قدرتی سیڑھیاں سی بن گئی ہیں۔ اندر جاؤ تو خدا کی قدرت نظر آتی ہے۔ تقریباً چار گز لمبا پونے دو گز چوڑا اور اتنا اونچا کہ ایک پورے قد کا آدمی وہاں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا اور اندر آرام سے پاؤں پھیلا کر سو سکتا ہے۔ دھوپ اور بارش سے بھی کافی حفاظت ہے۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ غار جو لمبا سا مستطیل شکل کا ہے قدرۃً کعبہ رخ ہے۔ غار حراء میں آں حضرتؐ کا تخنث یا چلہ کشی کا سلسلہ ٹھیک کتنے سال جاری رہا باوجود تلاش مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن یہ مدت بہر حال پانچ سال سے کم جاری رہی ہوگی۔

Marfat.com

مادّی تجارب اور اُن کے نتائج کا تو آدمی بہت کچھ تذکرہ کر سکتا اور اُن کو الفاظ کا جامہ پہنا سکتا ہے۔ لیکن رُوحانی تجارب کا حواس ظاہری سے معلوم کرنا ممکن نہیں۔

آں حضرتؐ کو کیا گذری پورے طور سے کیسے بیان ہو سکتا ہے۔ بہرحال مستند روایات اور سوانح نگاروں کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یقیناً دل کی خلش کو اُس سے سکون ملنے لگا ہوگا کیونکہ ہر سال اس کا اعادہ ہونے لگا تھا۔ بلکہ یقیناً اس میں زیادہ مزہ آنے لگا ہوگا۔ کہتے ہیں کہ ان رُوحانی ترقیات و مدارج کے سلسلے میں اوّلاً رویائے صادقہ پیش آنے لگے۔ یعنی بارہا ایسے خواب نظر آتے جن کی بعد میں جلد تعبیر نکل آتی پھر رفتہ رفتہ بعض وقت آپ کو یہ محسوس ہونے لگا کہ کوئی درخت یا کوئی پتھر آپ سے مخاطب ہے۔ اور آواز دے رہا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ آوازیں بامعنی الفاظ کی صورت بھی اختیار کرتی گئیں۔

شروع میں اُن چیزوں سے آپ کو ڈر لگا۔ بارہا آواز پر کسی انسان کی تلاش کی مگر کوئی ہو تو نظر آئے۔ رفتہ رفتہ ان غیبی دوستوں سے انسیت بڑھتی گئی۔ ان کا انتظار رہنے اور اُن کے دوبارہ آنے پر لطف آنے لگا۔

رفتہ رفتہ دنیا سے جی اُٹھنے لیکن باہمہ و بے ہمہ ہونے کی طرف میلان ہونے لگا۔ تزکیۂ نفس پر ارتکاز و انہماک پہلے ہی سے جلّی اور پاک صاف دل پر وہ اثرات دکھانے لگا جو انسان کو انسانیت کاملہ تک پہنچاتے اور عبد و معبود، خالق و مخلوق میں رشتہ جوڑتے ہیں۔ ضمیر یوں تو ہر کسی کو بُرائی سے روکنے اور بھلائی کی ہدایت کرنے کی کوشش کرتا ہے، مگر ایسے پاک ضمیر کا خمیر کتنا صحیح ہادی و مصلح نہ ہو جاتا ہوگا۔

چند سال تک اس تزکیۂ نفس اور صفائی باطن کا سلسلہ جاری رہا۔ اس عرصے میں

بیوی بچوں اور گھر بار سے تعلق بے تعلقی کا سا ہو گیا۔ چنانچہ آپ کی آخری اولاد تعمیر کعبہ کے پہلے ہی پیدا ہوئی۔ بی بی خدیجہ سے پھر کوئی بچہ نہ ہوا۔

اب عمر اپنی پختگی کو پہنچی۔ چالیس سال ہونے کو آئے تو قدرت کی طرف سے وحی و الہام کے لئے تیار کیا جانے لگا۔ اور سول امی کو رب العالمین نے چاہا کہ رحمۃ للعالمین بنا دے۔

آخر پھر رمضان کا مہینہ آیا۔ چلہ شروع کر کے چند ہفتے ہو گئے تھے کہ جبریل امین خدا کا پیام پہنچانے یا وحی کا ذریعہ بننے کے لئے حاضر ہوئے اور خاتم النبیین کو عہدۂ رسالت کا پروانہ دیا گیا۔ اللہم صل علی محمد۔

پہلی وحی کے وقت تو کوئی پاس نہ تھا۔ لیکن آخر (۲۳) سال تک مسلسل وحی آتی رہی۔ اور اس کا مشاہدہ کرنے والے بہت سے موجود تھے۔ ہر ایک نے اپنے مشاہدے کا تذکرہ چھوڑا ہے اور ہم تشبیہ کہہ کر اپنے ماحول کی چیزوں کی مدد سے کہتے ہیں۔ وحی کو ایک ٹیلیفون کہا ہے جو خدا سے حضور کو کرتا ہے اور حضور سے آپ کے بہت قریب رہنے والے صحابہ۔ کبھی عمر (رض) کہتے ہیں کہ میں نے حضور کے چہرے پر مکھیوں کی بھنبھناہٹ سی سنائی دی۔ آنکھ اٹھا کر دیکھا تو حضور پر سخت وجد و حالت طاری تھی۔ اس کا شاہد جن صحابہ کی زبانی روایت ہوا ہے کہ اگر سخت جاڑوں میں بھی وحی نازل ہوتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ نکلتا۔ اونٹنی پر سوار ہوتے تو بوجھ کے مارے اکڑ بیٹھ جاتی۔ اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار گھٹنے کے بل بیٹھے ہوئے کہا کہ یا رسول اللہ میرا بوجھ ہلکا کر دیجئے

Marfat.com

جائے گی۔ ایک مرتبہ ایسی حالت میں ایک صحابی کی مانڈی پر آپ زانو رکھے ہوئے بیٹھے تھے۔ وہ بوجھ کی شدت سے حواس باختہ ہو گئے۔ اور خیال کیا کہ ران کی ہڈی بیچ سے ٹوٹ جانے والی ہے۔

فرشتہ یا ملائکہ کے معنی "بھیجے ہوئے" یا "پیام رساں" کے ہیں۔ اور اس سے وہ مخلوق مراد لی جاتی ہے جو انسان اور خدا کے مابین رابطہ بنتی اور پیام رسانی کرتی ہے۔ رسول کریمؐ کا بیان ہے کہ پیام رساں فرشتہ (جبریل) کبھی انسان کی شکل میں نظر آتا، کبھی پنکھوں سے اڑنے والی ایک نئی نوعِ خلقت کی شکل میں، اور کبھی کسی اور شکل میں

چونکہ بھی ہر شخص نہیں بنتا۔ اس لئے نبوت کے یہ تعلقات بھی ہر کسی کے آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتے۔ اور اُن چیزوں کو متبعین کے نقطۂ نظر سے کوئی خاص اہمیت بھی نہیں ہے۔ کہ وحی کس طرح آتی تھی۔ بلکہ وحی کیا آئی اور کس طرح محفوظ رہی یہی ہمارے لئے اہمیت رکھتا ہے۔

غرض ۱۳ محمدی مطابق ۱۳ قبل ہجرت م ۶۱۰ء کے رمضان میں وہ دور ختم ہو گیا جو نبوت محمدیؐ کا پس منظر تھا۔ وحی کی آمد ایک عہد آفریں واقعہ تھا جس سے آپ کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اب اسی کا مطالعہ کرنا ہے۔

# نبوت کا مکی دور

نبوت کا آغاز ربانی وحی سے ہوتا ہے خدا اپنی ہدایت اور حکم اپنے پیغام رساں کے پاس بھیجتا ہے۔ کہ بندوں اور انسانوں تک پہنچا دے۔ نبوت کوئی موروثی پیشہ

نہیں کہ بچہ اپنے والدین اور رشتہ داروں کو بچپن ہی سے اس پیشے میں مشغول دیکھ کر اس سے مانوس اور خود بخود واقف ہوتا چلا جائے۔ ایک نکوکار راست باز لیکن امی شخص کو جب یک بیک یہ اطلاع ملی کہ "تو خدا کا رسول ہے۔ اور تیرا فریضہ ہے کہ اپنی قوم کو حق و ہدایت کی طرف بلائے" تو جو نفسیاتی کیفیت اور ذہنی ردِ عمل پیدا ہوا ہوگا اُس کا تھوڑا بہت اندازہ اس روایت سے ہو سکتا ہے کہ جو مشہور سیرت نگار ابن اسحاق نے بیان کی ہے کہ "آں حضرت ؐ نے اپنی بیوی خدیجہ سے کہا کہ جوں ہی میں تنہا ہوتا ہوں تو آواز سُنا کرتا ہوں جو مجھے اے محمد اے محمد کہہ کر پکارتی ہے۔ مجھے نیند نہیں، بلکہ بیداری میں ایک نور سا محسوس ہوتا ہے۔ خدا کی قسم مجھے اُن بُتوں اور کاہنوں کی غیب گوئیوں سے بڑھ کر کسی چیز سے نفرت نہ تھی۔ کیا میں بھی کوئی کاہن بن گیا ہوں؟ کیا مجھے آواز دینے والا کوئی جن اور شیطان تو نہیں؟"

غرض یہ خوف ناگزیر تھا کہ لوگ جھوٹا، مجنوں یا آسیب زدہ اور کاہن سمجھنے لگیں گے۔ کیونکہ مُلک میں نبوت اور خدا کی رسالت سے کوئی واقف نہ تھا۔ اور اسی بنا پر اس نازک فرق کو بھی محسوس نہ کر سکتا تھا جو شیطانی القاء، اور ملکوتی الہام میں ہوتا ہے۔ کیونکہ بظاہر دونوں غیب دانی کی حد تک مماثلت رکھتے دکھائی دیتے ہیں۔

غمگسار بیوی نے طرح طرح سے تسلی کا سامان کیا۔ ایک طرف تو اپنی غیر متزلزل ایقان کا اظہار کیا کہ تم جیسے نکوکار اور سراپا فیض منش کو خدا کبھی آسیب وغیرہ شیطانی مصائب میں مبتلا نہ کرے گا۔ پھر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے

Marfat.com

پاس جو عیسائی تھے لے گئیں۔ اور انھوں نے یہ ماجرا سُن کر اطمینان دلایا کہ یہ باتیں شیطانی نہیں ہو سکتیں بلکہ یہ تو حضرت موسیٰ ؑ کے ناموس[1] یعنی توریت سے مشابہ ہیں۔ اور یہاں تک کہا کہ تمھارے اصلاحی کام میں اگر رُکاوٹیں اور مشکلیں پیش آئیں اور اس وقت تک میں زندہ رہوں تو ہر طرح تمھارا سینہ سپر رہوں گا۔ (یہ یاد رہے کہ خود عیسائی مورخوں کے مطابق آغاز اسلام کے وقت عیسائی عام طور پر آخری تسلی دہندہ اور مسیحا کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ اس پر تعجب نہ ہو) اس کے ساتھ بی بی خدیجہ نے ایک اور اطمینان دہانی اور تشفی کا ذریعہ بتایا جو بی بی کو غالباً اپنے عیسائی رشتہ داروں سے معلوم ہوا ہوگا۔ چنانچہ ابن ہشام کے مطابق بی بی نے آں حضرت سے کہا کہ جس وقت تمھیں جبریل فرشتہ نظر آنے لگے تو مجھ سے کہو۔ آں حضرت نے کچھ عرصہ بعد کہا۔ وہ مجھے اب نظر آ رہا ہے۔ بی بی نے کہا آؤ میرے دائیں پہلو میں بیٹھو۔ اور کہو، کیا اب بھی نظر آ رہا ہے۔ آپ نے کہا ہاں۔ تو کہا اٹھو میرے بائیں پہلو میں بیٹھو اور کہو کیا اب بھی نظر آ رہا ہے۔ آپ نے کہا ہاں۔ پھر آپ کو اپنے سامنے بٹھا کر وہی سوال کیا۔ آخر میں آپ کو اپنی قمیض کے اندر کھینچ کر بے تکلفی اختیار کر لی اور پوچھا کیا اب بھی نظر آ رہا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ نہیں اب نظر نہیں آ رہا ہے۔ اس پر بی بی نے کہا کہ اگر وہ شیطان ہوتا تو ہماری اس شرم کے وقت ہرگز نہ ٹلتا۔ وہ فرشتہ ہی ہو سکتا ہے۔

ابتدائی وحی کے بعد پھر کچھ عرصے تک تازہ وحی نہیں آئی۔ اور ابن اسحاق کی

---

[1] ناموس یونانی لفظ ہے یہ توریت عبرانی دینوں کے لفظی معنے "قانون" کے ہیں

Marfat.com

روایت میں یہ واقعہ (جسے اصطلاحاً فترت وحی کہتے ہیں) تین سال تک جاری رہا۔

یہ تین سال کا عرصہ ناگزیر کسی طرح سے گذرا ہوگا۔ ابتدائی زندگی میں اولین وحی کی دہشت بعد کے زمانے میں سکون و اطمینان، پھر اس کی طرف رغبت، اور آخر میں انتظار اور بے چینی۔ اِس آخری دور کے متعلق مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ انتظار کی شدت اور ناکامی پر بعض اوقات آں حضرتؐ پر ایسا اثر طاری ہو جاتا تھا کہ پہاڑ کی چوٹی پر سے لپک کر گر کر جان دیدینے کو جی چاہتا تھا۔ ایسے دفور بیخودی کے وقت پھر آپ کی دنیوی آنکھوں پر پردہ چھا جاتا۔ اور چشمہائے بصیرت وا ہو جاتیں۔ اور آپ کو جبرئیل بھی نظر آجاتے۔ اور کہتے کہ تم خدا کے سچے رسول ہو۔ اس پر آپ کا پھر اطمینان ہو جاتا اور مجاہدہ و ریاضت کا سلسلہ جاری ہو جاتا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصے میں بیوی اور گھر سے تعلق برائے نام رہ گیا تھا۔ راتوں کو آپ طویل عبادت کے بعد کعبے کے احاطے میں سو جایا کرتے تھے۔ دن کو عبادت اور نماز میں مشغول رہتے۔ اور تزکیۂ نفس اور خدمت خلق کے سوا کسی چیز سے سروکار نہ تھا۔

آخر ریاضت نے نفس کے آخری زنگار کو بھی صاف کر دیا۔ اور دنیا کی آخری خواہش کو بھی ختم کر دیا۔ اور ایسا انسان تیار ہو گیا جو شکل تو انسان ہی کی رکھے، لیکن اس کی ہر حرکت، ہر لفظ، اور ہر ارادہ فنا فی اللہ ہو جائے۔ یہ ہونے کے بعد آپ کو تو نہیں آپ کی بیوی کو یہ خطرہ گذرا کہ کیا خدا نے اسے چھوڑ دیا ہے؟ کیا خدا اُس سے ناراض ہو گیا ہے؟ تو تربیت اور تیاری کی مدت کا آخری لمحہ بھی ختم ہو گیا اور یہ وحی آئی۔

Marfat.com

قسم ہے روز روشن کی اور قسم ہے شب تاریک کی تیرے رب نے
نہ تو تجھے چھوڑ دیا اور نہ تجھ سے ناراض ہوا ہے۔ تیرے لئے ہر آئندہ
چیز، ہر گذشتہ چیز سے بہتر ہوگی۔ اور جلد تیرا رب تجھے وہ چیز دے گا
جس سے تو خوش ہو جائے گا۔ کیا اس نے تجھے یتیم پانے کے باوجود
سہارا نہیں مہیا کیا؟ اور بھٹکا ہوا ہونے کے باوجود سیدھے راستے
پر نہیں لگایا؟ کیا محتاج پانے کے بعد مالدار اور غنی نہیں کر دیا؟
تو بھی اب کسی یتیم کو نہ دبا۔ اور کسی سائل کو نہ جھڑک۔ اور اپنے
رب کی نعمت سب سے بیان کر۔" (سورۂ والضحیٰ)

"اپنے رب کی نعمت سب سے بیان کر" ——— یہ ہدایت تھی جو تبلیغ
رسالت کے متعلق آپ کو وصول ہوئی۔

اس ابتدائی زمانے میں جو سورے اور آیتیں نازل ہوئی تھیں ان میں سے
سورۂ اقرء میں خدائے واحد کی خلاقی کا ذکر ہو کر تمام مادہ پرستی اور دہریت کا خاتمہ
کر دیا گیا تھا۔ سورۂ مدثر میں لوگوں کو ہر قسم کی برائی کے برے انجام سے ڈرانے،
رب اکبر ہی کی عبادت کرنے، نماز کے وقت جسم اور لباس کو پاک رکھنے، خدا کو
ناراض کرنے والی ہر بات (رجز) کو چھوڑنے، اور کسی بھی عنایت و خدمت کے
بدلے احسان نہ جتانے کا حکم آیا۔ سورۂ حجر میں یہ حکم آیا کہ "تجھے جو بھی حکم دیا جاتا ہے وہ
خوب کھول کر بیان کر دیا کر اور مشرکوں کی پرواہ نہ کر۔" سورۂ شعراء میں ایک طرف
تو یہ حکم آیا کہ "اپنے قریبی رشتہ داروں کو خدا سے ڈرا۔" اور دوسری طرف وحی کو کہانتوں
ہاتفوں، بتوں سے نکلنے والی آوازوں اور دیگر تمام شیطانی باتوں اور خود ساخت

Marfat.com

شعبوں اور خیال آرائیوں سے الگ قرار دے کر معترضوں کا جواب دیا گیا۔ پارۂ عم کی مختلف سورتوں میں انسان کو خدا کی وحدانیت ماننے اور نیکوکار رہنے کی بار بار نئے انداز میں تاکید آئی اور دلیل و ترغیب بھی مہیا کی گئی کہ انسانی دسترس سے بالا زمین و آسمان، چاند سورج، ہوا اور سمندر، بارش اور موسم اور خود ہم انسانوں کو سوائے خدا کے کون بنا سکتا ہے۔ وہی نیست سے ہست کرتا ہے اور وہی زندوں کو موت دے کر فنا کرتا ہے۔ کیا وہی دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا، اور زندہ کر کے اس زندگی کے اعمال پر سزا و جزا نہیں دے سکتا؟ پھر نیکوکاری اور بدکاری، پر جنت، دوزخ اور قیامت و حساب کتاب کے تذکرے کیے گئے ہیں۔ اور اس طرح وہ اساس اور وہ اصل بنیاد مہیا کی گئی جو انسان کو اختیار رکھنے کے باوجود ضبط پر آمادہ کر سکتی ہے اور حریت کے باوجود برائی کو انسان اچھا نہیں سمجھتا۔

اسلام اور جہالت کا فرق یہی بتایا گیا کہ جاہل اچھے اور برے کا معیار اپنی لذت اور آرام کو قرار دیتا ہے۔ اور اس طرح برائی بھی اچھی بات نظر آنے لگتی ہے، جو محض شیطنت ہے۔ (زین لہم الشیطان اعمالہم۔ "زین لہم سوء اعمالہم") اب ہم یہ دیکھینگے کہ تبلیغ و دعوت رسالت کا کام کس طرح انجام پایا۔

Marfat.com

# تبلیغ رسالت

جب تک فراغت اور فراوانی نہ ہو، پیٹ کا دھندا، انسان کا ہو کہ کسی اور جانور کا، کبھی کام خاص کر "ذہنی تعیش" کی طرف توجہ کا موقع نہیں دیتا۔ اور اگر عبادات اوہام و خرافات کی طرف انسان کی کچھ توجہ بھی ہوتی ہے تو روزگار میں فراوانی کی تمنا میں۔

عہد رسالت سے کئی نسل پہلے ہی سے مکے والوں نے بین الممالک تجارت اور کاروانی کاروبار شروع کر دیا تھا۔ اور زمانہ نبوی میں ایسے کافی لوگ تھے جو انسان کی تخلیق کی غرض و غایت اور خالق و مخلوق کے تعلقات سے دلچسپی نئے سرے سے لے رہے تھے۔ انھیں حالات میں بعثت محمدی عمل میں آتی ہے۔

ایک طرف مورخ یہ بیان کرتے ہیں کہ ابتدائی وحی کے بعد تین سال تک فترت کا زمانہ رہا۔ یعنی پھر کوئی اور وحی نہ آئی۔ دوسری طرف اُن کا یہ بھی بیان ہے کہ ابتدائی تین سال تک مخفی تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے۔ ان دونوں میں کچھ نہ کچھ تعلق ہونا چاہیئے۔ وحی کے آغاز پر رسول اکرم نے یقیناً اپنی رازداں رفیق زندگی سے اس کا ذکر کیا ہوگا۔ اس صاف باطن، صاف دل کو آمنا کہنے میں کیا دیر لگتی ہے۔ حضرت علیؓ آپ کے چچازاد بھائی تو تھے لیکن ساتھ ہی زیر پرورش طفل نابالغ بھی۔ انھوں نے بھی اور گھر کے لونڈی غلام اور حسن سلوک کے پروردہ احسان زید بن حارثہ اور انکی بیوی وغیرہ بھی اسی کے بعد مسلمان ہو گئے ہوں گے۔ آپ کے رفیق خاص حضرت ابوبکر سے بھی آپ نے ذکر کیا ہوگا۔ اُن کو بھی تصدیق کرتے کیا دیر لگتی ہے۔

Marfat.com

تاریخ بتاتی ہے کہ اُس ابتدائی دور کے "نومسلم" یکایک اپنے اندر ایک نئی کی رُو سے اتصال محسوس کرکے اس بے پناہ جوش سے تبلیغ خدا پرستی کرنے لگے کہ اسکی نظیر دیگر مذاہب میں کم ملتی ہے۔ عورتوں کی جدوجہد کا ہم الگ ذکر کریں گے۔ مردوں میں حضرت ابوبکرؓ کی کوششیں خاص طور پر کامیاب رہیں۔ ایک طرف اُن کے حلقۂ احباب میں سے زبیر بن العوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ اور ایک روایت میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم خاص انھیں کی تبلیغ اور بحث و ترغیب پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور دوسری طرف انھیں نے بلال، عامر بن فہیرہ، ام عبیس، زنیرہ، نہدیہ، اور لبینہ رضی اللہ عنہم جیسے مظلوم مردوں اور عورتوں کو خرید خرید کر آزاد کیا۔ یہ ظاہر ہے اس لئے خریدے گئے تھے کہ اسلام لانے کی پاداش میں اُن کے آقا اُنہیں ایذا رسانی کر رہے تھے۔ یہ ٹھیک طور پر نہیں معلوم ہوتا کہ ان لونڈی غلاموں میں اسلام کس طرح اور کس کی کوشش سے پھیلا۔ بہرحال صدیق اکبرؓ کا "تن من دھن" اسلام کے لئے وقف ہو گیا تھا۔ اور مسلمان لونڈی اور غلاموں کو کفر کی اذیتوں سے نجات دلانے میں وہ بہت خاص مسرت محسوس کرتے تھے۔

تبلیغ کیا تھی؟ اُس زمانے کی نازل شدہ آیات و سور تہائے قرآنی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کو ایک ماننے، ایک ہر طرح کے شرک سے پاک ہونے اور مرنے کے بعد انسان کے دوبارہ زندہ ہو کر حساب و کتاب دینے اور اسی کے مطابق جنت یا دوزخ کی جزا و سزا پانے پر مشتمل تھی۔ ضمناً بت پرستی کی لغویت، فرشتوں کا وجود، انھیں کے ذریعے سے خدا کا اپنے رسولوں پر وحی کرنا اور بندوں کی ہدایت کے لئے

امور کرنا بیان ہوتا تھا۔ اخلاق حسنہ اور خیر خیرات کی ترغیب بھی دی جاتی تھی۔

تبلیغ کا طریقہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی دوست یا تجسس پسند ملتا تو رسول اکرم خوش الحانی سے قرآن مجید کی کچھ آیتیں اُسے سُناتے، پھر اُن کی تشریح و توضیح کر کے ہر مخاطب کے حسب حال اسلامی اصول کی تفصیل بیان کرتے۔ ایک طرف خدائے خلاق و رحیم کی بے پایاں نعمتوں کا ذکر ہوتا ہے۔ دوسری طرف اس کی قدرت و قوت یاد دلا کر آخرت کے حساب و کتاب سے ڈرایا جاتا ہے۔ اسی طرح ملک کے مروجہ اخلاق کی بُرائی بیان کی جاتی ہے کہ خود ہماری ہی دستکاری کے نمونے، جو خود اپنے آپ کی بھی کوئی حفاظت نہیں کر سکتے، اور نہ بول، سُن حرکت کر سکتے ہیں وہ خدا یا خدا کے ہاں شفیع کیسے ہو سکتے ہیں۔

غرض آمنتُ باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ والیوم الآخر والقدر خیرہ و شرہ من اللہ۔ اس تعلیم کا نچوڑ اور خلاصہ ہے جو اس زمانے میں دی جاتی تھی۔

قرآن مجید کی تلاوت میں کچھ ایسا سحر تھا اس کے سامنے جادو بیان عرب بھی سر دُھننے لگتا تھا۔ ایسی روایتیں ملتی ہیں کہ اسلام کے سخت ترین مخالف بھی راتوں کو چھپ کر مسکن نبوی کے پاس جاتے اور تلاوت نبوی سے اور کچھ نہیں تو موسیقی کا لطف اُٹھاتے اور کوشش کرتے کہ کوئی اُنھیں دیکھنے نہ پائے۔ اور بار بار راستے میں دیکھ لئے جاتے تو فضیحت بھی ہوتی۔

تاریخ طبری میں خاص کر تفصیل سے اس کا ذکر ہے کہ کب کب اور کس کس طرح رسول اللہ لوگوں کے مجامع سے استفادہ کرتے اور تبلیغ رسالت کا فریضہ انجام دیتے۔ ابھی نماز پنجگانہ لازم نہیں ہوئی تھی لیکن ابتدا ہی سے دن میں غالباً دو بار چاشت

اور عشاء کے وقت) خدائے واحد کی عبادت ہو جایا کرتی تھی۔ مورخ کہتے ہیں کہ ابتداءً سویرے چاشت (ضحیٰ) کے وقت آں حضرتؐ کعبے کے سامنے نماز باجماعت ادا کیا کرتے تھے۔ بُت پرستی کی مذمت میں جب شدت ہوئی تو قریش نے اس سے روکنا اور اذیت دینا شروع کیا۔ اس وقت ہی کا ذکر ہوگا جو سیرت نگار بیان کرتی ہیں کہ آپؐ شہر کے باہر وادیوں اور درّوں میں چلے جاتے اور وہاں نماز ادا فرماتے۔

یہ ٹھیک طور سے معلوم نہیں کہ الارقم نامی صحابی کے مکان میں آپؐ کب اور کن حالات میں جا فروکش ہوئے۔ آپؐ کا مکان غالباً مرکز شہر سے ذرا دُور تھا۔ بیت الارقم کعبے سے بالکل قریب کوہ صفا پر تھا۔ اس میں کافی گنجائش تھی (وہ آج بھی موجود ہے اور ترکی دَور کے تحفظ کے بعد سعودی دَور میں اُس کی تزئین بھی ہوئی ہے۔ اور اس تنگ جانے کی تنگ گلی کر بعض دوسرے مکان توڑ کر چوڑا بھی کیا گیا ہے) اس مقدس و مبارک مکان میں تبلیغی اجتماع بھی ہوتے اور غالباً نماز باجماعت بھی ہوتی وہاں سے بیت اللہ کعبہ بھی نظر آتا۔

خود حضرت ابوبکر کا بھی اپنے مکان کے صحن میں ایک مسجد بنانا اور وہاں تلاوت قرآن کی محفلوں کا منعقد کیا کرنا تاریخ میں ثبت ہے۔ اُس کو سُننے کے لئے پہلی اس پاس کے آزاد لوگ اور لونڈی غلام بھی آجایا کرتے تھے اور اُن کے سوز و گداز اور بھی خواہانہ فہمائش و تبلیغ سے متاثر ہوا کرتے تھے۔

تین برس کی سینہ بسینہ رازمیں تبلیغ کے بعد علانیہ کام کا آغاز ہوا تھا۔ اور اس سلسلے میں اصابہ ابن حجر وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب پہلی مرتبہ علانیہ نماز باجماعت حرم کعبہ میں ہوئی اور قریشی انداز سے مختلف طریقے کی عبادت بجالائی گئی تو ہنگامہ مچا اور قریش

Marfat.com

کی دست درازیوں سے ایک مسلمان حارث بن ابی ہالہ (غالباً ابی خدیجہ کے پہلے شوہر کے کسی اور بیوی کے بطن سے پیدا شدہ فرزند) اس موقع پر شہید ہوگئے اس کے بعد عرصہ دراز تک پھر حرم کعبہ میں مسلمانوں کی نماز بند ہوگئی ہوگی۔

جب مورخ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابوذر جیسے بالغ العمر لوگوں کو اسلام لانے پر اُن کے معمر رشتہ داروں نے مارا پیٹا اور طرح طرح کی تکلیف دی تو رسول اللہ کے خلاف آپ کے بزرگ قبیلہ ابوطالب کے پاس شکایتی وفود کا آنا بے جا نہ تھا۔ ایک مرتبہ ایک وفد نے آکر ابوطالب کو نہایت یہ دیا کہ اپنے بھتیجے کو یا تو بتوں کی مذمت وغیرہ سے روکئے یا پھر اپنی حمایت سے نکال دیجئے۔ ابوطالب کے سمجھانے پر آپؐ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے میں سورج بھی لاکر رکھ دیں تو میں اپنے فریضے سے باز نہیں آسکتا۔ اگر آپ میری حمایت نہیں کرسکتے تو بھی پرواہ نہیں۔ میں خدا کے حکم سے یہ کام انجام دے رہا ہوں۔ اور اسی کی حفاظت میرے لئے کافی ہے۔ ایک اور موقع پر عتبہ نامی ایک سنجیدہ مزاج قریشی نے تنہا آکر آپ سے بحث کی اور پوچھا کہ آپ کا اس تبلیغ سے کیا منشاء ہے؟ دولت چاہتے ہو؟ خوبصورت بیویاں چاہتے ہو؟ پورے شہر کی سرداری چاہتے ہو؟ ہم ہر چیز کے لئے آمادہ ہیں۔ صرف ہمارے دیوتاؤں کی مذمت سے باز آجاؤ۔ اور ان کی پوجا کرنے والوں کے (جن میں ہمارے محترم آباواجداد بھی تھے) جہنمی ہونے کے اعلان سے دست بردار ہوجاؤ۔ آں حضرتؐ نے جواب میں قرآن مجید کی تلاوت شروع فرمائی اس میں خدا کے عذاب سے ڈرایا گیا تھا۔ عتبہ اتنا متاثر ہوا کہ اسے خوف ہوا کہ کہیں وہ دھمکی

اسی لمحے پوری ہو کر خدا کا عذاب نہ نازل ہو جائے۔ اس نے قسمیں دیں کہ مزید تلاوت نہ فرمائیں اور وہاں سے خاموش چلا گیا۔

اعلان نبوت پر چھ سال گذر گئے۔ اور آہستہ آہستہ اسلام پھیلتا ہی گیا۔ اور جو ایک مرتبہ مسلمان ہوا پھر کوئی ترہیب یا ترغیب حتیٰ کہ سخت سے سخت ایذا رسانی بھی اس کو اس سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہ کر سکی۔ اس سے قریش کے مشرک سرغنوں کا غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ایذا رسانی پر صبر بلکہ موذی کی خدمت بھی اس زمانے میں رسول اللہؐ کا ایک اصول نظر آتا ہے۔ اس سے بھی بعض غیر متوقع اور اچھے نتائج نکلے۔ مثلاً آں حضرتؐ کے چچا حمزہ کو ایک دن شکار سے واپسی پر اطلاع ملی کہ آں حضرتؐ کی استہزاء اور جسمانی ایذاء رسانی اس روز خاص طور پر ابوجہل نے بہت کی۔ اب تک حمزہ کو اسلام سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس اطلاع پر وہ یکایک بپھرے۔ ہاتھ میں کمان تھی۔ اسی سے ابوجہل کو حرم کعبہ میں دے مارا۔ اور کہا کہ اچھا اب میں بھی مسلمان ہوتا ہوں۔ کسی کی ہمت ہو تو آ کر ہاتھ ڈالے۔

رکانہ پہلوان کے اسلام کا ٹھیک زمانہ معلوم نہیں۔ اس سے تصدیق نبوت کے لئے آں حضرتؐ کو کشتی لڑنے کی دعوت دی۔ اور یہ بھی کہا کہ ہار جاؤں تو میری ایک تہائی بکریاں نذر۔ اس کے اطمینان کے لئے آں حضرتؐ نے اُس کو ایک مرتبہ نہیں تین مرتبہ پٹک دیا۔ اور اس کی ساری بکریاں بھی لے لیں۔ وہ رونے لگا تو ساری بکریاں اُسے واپس دیدیں۔ اُس پر وہ اتنا متاثر ہوا کہ خلوص دل سے مسلمان ہو گیا۔ (شرح سیر کبیر) یہ وہ پہلوان تھا کہ کسی چمڑے پر تن کر کھڑا ہو جاتا اور لوگ چمڑا کھینچتے تو چمڑا پھٹ جاتا۔ مگر اس کے قدموں کے نیچے سے نہ نکلتا۔

حضرت عمر کا اسلام ایک اور نوعیت کا ہے۔ وہ نہ معلوم قریش کے کس شخص کو کوئی ایسا نہیں ملتا جو آں حضرت کا قصہ پاک کرے۔ اپنی خودداری و بہادری پر حرف محسوس کی۔ اسلام کا لالچ ہوا۔ بہرحال آنحضرت کو قتل کرنے اور اپنے قبیلے کو آنحضرت کے قبیلے سے جنگ کے جو کام میں ڈالنے پر آمادہ ہو گئے وہ آں حضرت کو ڈھونڈنے کی طرف چل دیئے۔ کسی نے کہا کہ ان کی ایک شیشہ دار نے مل کر کہا دیا کہ آں حضرت کو پھر قتل کرنا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو جہاں تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو گئے ہیں۔" وہ غصے کی حالت میں گھر آئے۔ دروازہ پیٹا۔ تو بہن نے کہا "ہاں ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ تمہارا جی چاہے کرو۔" نہ معلوم آواز میں کیا جلال تھا کہ ان کے جسم پر کپکپی آگئی اور غصہ کافور ہو گیا کہ وہ کس مہم پر جا رہے تھے۔ خدا کیا ہی ہو سکتا ہے مگر بیکار اور بے اثر نہیں۔ اور اس بے غرض محبت کی خلوص سے اصلاح کش ہے۔ اب وہ کچھ مزید تفصیلات دریافت کریں گے۔ جس کا اس کے بھی اس نفسیاتی کیفیت میں موقع نہیں ہے۔ کہ تامل کرے۔ تو اس کو ہو نہیں سکتا۔ پہلے غسل کر کے آ۔ پھر اس مقدس چیز کو ہاتھ لگا۔ کی تحریر اجازت ملے گی۔ وہ فولاد اب گرمی سے موم بن چکا تھا۔ اس حالت میں آکر جلد سانچے میں ڈھلنے لگا۔ اور قلب مسلمان ہو جاتا ہے۔ پھر مسلمانوں کی تائید میں بڑھنے لگتی ہے۔ وہ بیت اللہ میں موجود جملہ مسلمانوں کو ساتھ کر حرم کعبہ میں گئے۔ تو بھی طاقت رسول اللہ و اس کا نہ پا سکے۔ کسی قریشی کی مجال نہیں ہوتی کہ دم مارے۔ اسی کا نام عمل و مقاطعہ ہے جس کے باعث تین سال تک آں حضرت کا خاندان سخت تکلیف میں رہا ہے۔

اب سلسلہ نبوی کا زمانہ ہے۔ مقاطعہ برخاست ہو چکا تھا۔ لیکن بی بی خدیجہ اور ابو طالب کے بعد دیگرے اس عام الحزن میں داغ فرقت دے جاتے ہیں۔ نئے بزرگ قبیلہ ابولہب سے پہلے بھی نہیں بنتی تھی۔ اب اس نے اعلان کر دیا کہ آں حضرت کو کنبہ بدر کر دیا گیا ہے۔ مجبوراً آپ طائف قسمت آزمائی کے لئے جاتے ہیں۔ وہاں تبلیغ کی مختصر کوشش اتنی ناکام رہی کہ زخموں سے چور آپ کو مکہ واپس ہونا پڑا۔ خاندان سے اب تعلق نہ تھا۔ اس لئے بعض احباب کی حمایت حاصل کر کے آپ شہر میں داخل ہوتے ہیں۔ بظاہر شرط یہ تھی کہ اب شہر مکہ میں کوئی تبلیغی تقریر نہ کریں۔

مکہ میں ہر سال حج ہوتا تھا۔ اور میلے بھی لگتے تھے۔ وہاں کوئی پابندی نہ تھی۔ آپ سوق عکاظ میں بھی نظر آتے ہیں۔ سوق ذوالمجاز و مجنہ میں بھی۔ پھر شہر مکہ کے عین باہر میدان منا میں۔ پہلے سال آپ مختلف قبائل کے پڑاؤوں میں جاتے ہیں۔ مورخین کے بقول پندرہ قبیلوں سے یکے بعد دیگرے آپ وہاں ملے۔ اُن سے کہا کہ مجھے اپنی حمایت میں لے کر اپنے ساتھ لے چلو اور میری تبلیغ کی تائید کرو۔ ابن ہم دین ہی نہیں دنیا میں بھی بہت جلد قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج تمہارے قدموں میں آ گریں گے۔ کہیں کامیابی نہ ہوئی۔ ہر اجتماع اور تخاطب کے وقت ابولہب خدائی فوجدار کی طرح پیچھے پہنچتا اور قبیلے کو آگاہ کر دیتا کہ اس مجنوں کی بات میں نہ آنا۔ ورنہ پورے قریش سے لڑائی مول لینی پڑے گی۔ آخر آں حضرت منا سے مکہ شاہد واپس ہو رہے تھے کہ سوچا کہ درۂ عقبہ میں بھی آخری کوشش کر لینی چاہئے وہاں مدینے کے چند حاجی نظر آئے۔ معلوم نہیں تفریحاً آئے ہوئے تھے، یا وہیں پڑاؤ

Marfat.com

ڈالا تھا۔ اُن سے آں حضرت ؐ کا ننھیالی رشتہ بھی تھا۔ یہ لوگ یہودیوں کی ہمسائیگی کے باعث پیغمبروں اور حشر و نشر کے مسائل سے مانوس بھی تھے۔ اور اس زمانے کے اہل کتاب کے اس تصور سے بھی آشنا تھے کہ ایک آخری تسلی دہندہ اور نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ وہ یہودیوں سے یہ طعنہ بھی سنتے رہے تھے کہ جب "وہ" نبی آجائے گا تو یہودی اپنے سب دشمنوں کو مزہ چکھائیں گے۔ جنگ بُعاث کے یہ ستم دیدہ نبی کی بعثت کی خبر سنتے ہیں۔ اور خود اس کے پاس جانے کی جگہ وہی انکے پاس آتا ہے تو خوش نصیبی کے کیا کہنے۔ وہ فوراً اسلام لاتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ اپنے مُلک میں اس کی تبلیغ بھی کریں گے۔

ان کی کوشش سے دس بارہ آدمی جو مدینے میں مسلمان ہوئے تھے وہ دوسرے سال درۂ عقبہ میں حج کے موقع پر آں حضرت ؐ سے ملتے ہیں۔ اور اپنے اور اپنے خاندانوں کی بیعت پیش کرتے ہیں کہ توحید و عبادت کے علاوہ زنا، سرقہ، اور قتل اولاد نہ کریں گے۔ کسی پر جان بوجھ کر بہتان نہ لگائیں گے۔ اور کسی بھی اچھی بات کے حکم میں آں حضرت ؐ کی نافرمانی نہ کریں گے، اُن کی خواہش پر ایک معلم حضرت عمیر کو اُن کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور وہ مدینہ جا کر جاں فشانی سے تبلیغ بھی کرتا ہے۔ اور مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کا فریضہ بھی انجام دیتا ہے۔ اس اللہ کے نیک بندے نے جس لطیف انداز میں اپنا فریضہ انجام دیا، اور اجڈ سر پھرے سرداروں کو جس خوبی سے رام کیا اس کی تفصیل داستان طبری وغیرہ میں ہے۔ یہ مختصر سطور اس کی متحمل نہیں۔ انھیں سرداروں میں سے ایک وہ تھا جو گویا مدینے کا حضرت عمر تھا، ویسا ہی تند مزاج اور زود رنج۔ لیکن جب چند آیات قرآنی کی تلاوت نے

اس کو اسلام کا تحفہ پیش کر دیا تو تلوار نہ چلی لیکن رُخ بدل گیا سلطنت میں اگر اعلان کیا کہ میرے ہاتھوں فتح چاہتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ ورنہ مجھ سے بدتر کوئی دشمن نہیں۔ شام روتے ہوئے پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

ایک اور سال گزرتا ہے اور حضرت عمرؓ کے ہاتھوں جو لوگ مسلمان ہوئے تھے ان میں سے بہتر حج کے موقع پر منیٰ آتے ہیں اور درۂ عقبہ میں اپنے آقا و مولیٰ رسول خدا سے مل کر اقرار کرتے ہیں کہ اگر آپ یا آپ کے مکی ساتھی مدینہ آجائیں تو وہ ان کی میزبانی کریں گے اور ایسی ہی مدافعت و حفاظت گویا وہ اپنے ہی کنبے قبیلے والوں کی مدافعت کر رہے ہیں۔ آں حضرتؐ بھی فرماتے ہیں کہ "تمہاری جنگ میری جنگ، تمہاری صلح میری صلح، میں اب تمہارے ہی میں کا ایک فرد ہو گیا"۔

یہ معلوم تاریخ عالم میں ایک واقعی معاہدۂ عمرانی تھا جس میں چند لوگوں نے ایک فرد کو اپنا سردار بنایا اور دلجمعی کے ذریعے سے حقوق و فرائض متعین ہوئے۔ پھر ہجرت عمل میں آتی ہے۔

ہجرت کے بعد دورِ تمکین و حکومت میں بھی اولین مقصد تبلیغ دین ہے۔ اس کے لئے ہر طرف علماء و مبلغ بھیجے جاتے ہیں اور مملکتی وسائل اُن کی حفاظت و پشت پناہی کے لئے ہوتے ہیں۔ غیر مسلم رعایا کے ساتھ پورا انصاف ہوتا ہے۔ بلکہ انھیں محصور کر لیا جاتا ہے کہ ایک مثل یا جغرافی بار نیز دارالاسلام مملکت کی جگہ ایک ایسی مملکت میں جو ایک خاص تصور حیات رکھتی ہے، فرد کی حیثیت کی کمی یا برائی اُن کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے پرنسپل بار زیادہ نہیں کیا جاتا۔ یعنی مسلمان کسان ہے مالگزاری کم کر دی جاتی ہے۔ مسلمان تاجر سے محصول درآمد نصف کر دیا جاتا ہے

مسلمان پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اور غیر مسلم اگر جہاد میں سرفروشی کے لئے ماتحتانہ اتحاد عمل نہ کرے بلکہ آرام سے گھر میں بیٹھا رہنا چاہے تو جزیہ ادا کرے۔ غیر مسلم رعیت تو بنتا ہے لیکن صدر مملکت اور حاکم بن سکتا اب اس کا حق صرف اسی صورت میں ہوتا ہے جب وہ بھی حکومت کے تصور حیات کو اپنا تصور حیات قرار دے اور گہوارے سے قبر تک زندگی کے ہر لمحے اور ہر شعبے میں اسی تصور حیات کے لئے تن من دھن سے لگ جائے۔

اسلام آسان چیز نہیں۔ امر بالمعروف مگر نسی الأنفس کی وہاں گنجائش نہیں۔ خود رسول اللہ دوسروں کو جتنا حکم دیتے تھے اس سے زیادہ نوافل کے طور پر خود کام انجام دیتے تھے۔ صدقات و خیرات کو اپنے اور اپنے کنبے کے لئے حرام کر لیا اس کا اشک سے دیتا۔

# رسول اکرمؐ کا تبلیغ دین میں عورتوں نے کیا ہاتھ بٹایا؟

**تمہید** اپنے بہت سے ہم وطنوں کی طرح حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نوعمری میں تجارت اور کمیشن ایجنسی کر کے اکل حلال حاصل فرمایا کرتے۔ اور جو محتاج تر ہوتے اُن کی ممکنہ دستگیری فرمایا کرتے تھے۔ لیکن چالیس سال کی عمر میں ۱۳ ق ھ / ۶۱ء میں جب آپ تبلیغ رسالت پر مامور ہوئے تو پھر اُس کے بعد کے آپ کا پورا وقت اصلاح و تبلیغ ہی میں صرف ہونے لگا۔ اور دن کے چوبیس گھنٹے آپؐ تن من دھن سے اسی فریضے کی انجام دہی میں مشغول رہنے لگے۔

دنیا عالمِ اسباب ہے۔ یہاں انبیاء کو اپنے مقدس کام میں بھی کن فیکونی کامیابیاں نہیں ہوتیں۔ ہر نئی اصلاحی تحریک کی طرح اسلام کو بھی پھیلنے میں اَن گنت لوگوں کے تعاون کی ضرورت تھی۔ آج کی صحبت میں عورتوں سے اس سلسلے میں جو مدد عہد نبوی میں ملی، اس کا مختصر تذکرہ مطلوب ہے۔ ہمارے مرد مورخوں نے مولو کم چھوڑا ہے لیکن جو بھی ملتا ہے وہ سبق آموز ہے۔

**خدیجہ بنتِ خویلد** اس سلسلے میں سب سے پہلے ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کا ذکر ناگزیر ہے۔ آپ نہ صرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم تھیں، بلکہ تبلیغ اسلام کے ابتدائی اور نہایت کٹھن کام میں انمول خدمات بھی آپ نے انجام دیں۔ اگر یہ عاشق زار اور رفیق سِرّ و علن رسول کریمؐ کو میسر نہ آئیں

تو عالم اسباب کے لحاظ سے اسلام کا آغاز معلوم نہیں ہو بھی سکتا یا نہیں۔ اور بہت سے دیگر انبیاء سلفؑ کی طرح ختم المرسلین بھی شاید بہت محدود کارکردگی کے بعد دنیا سے رخصت ہو جاتے۔

غرباء پروری اور محتاج نوازی ہی سے کسی آدمی کا اثر اپنے ماحول پر قائم ہوتا ہے۔ (امیروں کی دعوت اور ہمسروں کی ضیافت سے مُلک میں حقیقی وقار و ہر دلعزیزی بالکل قائم نہیں ہوتی۔ لیکن غریبوں محتاجوں کی مدد کا جذبہ بیکار ہوتا ہے۔ جب "کریماں را دست اندر درم نیست" کی بے بسی ہو۔ زمانۂ نبوّت سے قبل ہی بی بی خدیجہ کی پوری دولت اپنے فیاض اور یتیموں، مسکینوں، بیواؤں کے بے مزد خدمت گذار شوہر کے لئے وقف تھی جو یتیموں، محتاجوں اور بیواؤں کی بے مزد خدمت گذاری میں صرف ہوتی، اور شوہر کے لئے امیر و غریب سب کا احترام حاصل کروا چکی تھی۔ یہ وقار زمانہ اسلام کی تبلیغ میں محض بے اثر تو یقیناً نہیں رہا ہوگا۔

اسلام کے عین آغاز پر کام کی دشواری اور دیگر وجوہ سے جو ہیبت رسول کریمؐ کے دل میں تھی، اس وقت ایک مونس غمگسار سے زیادہ کسی اور چیز کی ضرورت نہ تھی۔ بی بی کا کوشش کرتے رہنا کہ آپ کا دل بڑھائیں، تقاضائے بشریت سے کوئی بات ہو تو اطمینان دلانا اور حوصلہ افزائی کرنا، ایسے کئی واقعے کتب سیرت میں معروف ہیں اسی طرح اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل تک (جو عیسائی تھے) اسلام کے آغاز کی اطلاع کا پہنچانا، اور اس سے آں حضرتؐ کی ملاقات کرانا بھی سب جانتے ہیں بعض روایتوں میں (دیکھو سیرت کرامت علی) مکے میں ایک اور عیسائی عدّاس تک اسلام کی تبلیغ کرنا بی بی کی طرف منسوب ہے۔ بی بی کا خود ایمان لانا اور اپنے گھر کے تمام لونڈی

غلاموں میں اس کی اشاعت میں مدد دینا بھی شاید قابل ذکر ہے۔ بی بی کا اپنے میکے کے خاندان میں بھی ضرور اثر پڑا ہوگا۔ قریش کے ظالمانہ معاشی و سماجی مقاطعے میں بی بی بھی شعب ابی طالب میں محصور رہیں۔ اور آپ کے بھتیجے حکیم بن حزام کا کبھی کبھی آپ کو آذوقہ بھجوانا، اور قریش کا آڑے آنے کی کوشش کرنا شاید اس کی مثال کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے کہ کاملاً مسلمان نہ بھی ہوں تو اہل خاندان مخالفت نہیں کرتے بلکہ معاونت ہی کرتے تھے۔

**غزیہ** محمد بن حبیب البغدادی (فوت ۲۴۵ھ) نے اپنی کتاب المحبر میں لکھا ہے کہ یہ خاتون مسلمان ہونے کے بعد قریش کی عورتوں میں تبلیغ کرنے لگیں۔ اور بہت سی عورتیں مکے میں اُن کی کوشش سے مسلمان ہوئیں تو قریش بہت بگڑے۔ چونکہ یہ اصل میں قریشی نہ تھیں بلکہ صحرا نشین بدوؤں تھیں، اس لئے اُن کو خارج البلد کرنا کافی سمجھا۔ چنانچہ ایک قافلے کے سپرد اُن کو کیا گیا کہ قید و بند کی حالت میں اُن کے قبیلے پہنچا دیا جائے۔ قافلے والوں نے انھیں ایک اُونٹ کی ننگی پیٹھ پر رسیوں سے باندھ دیا۔ بی بی کا بیان ہے کہ انھوں نے مجھے ایک بار بھی کھانا پانی نہ دیا بلکہ منزل میں اُترتے تو ہاتھ پاؤں باندھ کر دھوپ میں ڈال دیتے۔ تین رات دن اس حالت میں گذرے تو میری حالت غیر ہو گئی۔ اور مجھے کسی چیز کا ہوش نہ رہا۔ ایک رات میں اسی حالت میں پڑی تھی یکایک غیب سے کوئی چیز آ کر منہ کو لگی۔ کچھ پانی پیا تو ہوش آیا۔ اور سیر ہو کر پانی پیا۔ صبح لوگ اُٹھے اور میری حالت کو بدلا ہوا اور بہتر پایا تو سمجھے کہ شاید رات کو میں نے قید و بند کو کسی طرح کھول کر قافلے کا پانی چوری سے پی لیا ہے۔ لیکن نہ تو میری رسیاں کھلی تھیں اور نہ مشکیزوں کے منہ۔ جب انھیں اطمینان ہو گیا کہ کوئی چوری نہیں ہوئی بلکہ محض خدا کا فضل اور غیبی تائید ہوئی تو وہ اس سے سخت متاثر اور تائب ہوئے۔

Marfat.com

اور سب کے سب اسلام لائے۔ بی بی کی جناب رسالت مآب سے محبت و عقیدت کا یہ عالم تھا،
کہ آیت اِن وَہَبَتْ نَفْسَہَا لِلنَّبِیِّ بھی آپ ہی کے متعلق نازل ہوئی۔ (۱)

(۱) الاصابہ فی احوال الصحابہ (۲) اسد الغابہ (۳) الاستیعاب

**ام شریک دوسیہ** رضی اللہ عنہا کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی وجہ سے قریش کی عورتوں نے اسلام
قبول کیا۔ یہ بہت بڑی عورت تھی اس نوعیت کی اور کوئی خاتون نظر نہیں آتی۔ ان کے متعلق بہت سی
روایات کے ساتھ یہ مذکورہ بالا واقعہ بھی ہے یا کوئی اور، تحقیق طلب امر ہے۔

**فاطمہ بنت الخطاب** رضی اللہ عنہا حضرت عمر کی بہن تھیں۔ انھوں نے بھی ابتدائی مرحلہ میں
اسلام قبول کیا جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا راستہ ہموار ہوا۔ یہ تاریخ کا
معروف واقعہ ہے۔ بظاہر یہاں چند ایک دو تین سطروں میں اس کا ذکر بے جا معلوم ہوتا ہے
لیکن پڑھ سکتی ہیں۔

**سعیدہ بنت کریز** رضی اللہ عنہا ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ سعیدہ بنت کریز نے ترغیب
پر حضرت عثمان اسلام لائے تھے۔ یہ غالباً ان کی نواسی تھیں۔ مزید
تفصیلیں معلوم نہ ہو سکیں۔ (بحوالہ سیر الصحابیات)

**ہجرت حبشہ** میں جو ہجرت کی تھی دو عورتوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ یہ تو ہجرت
کے قبل کے چند واقعات تھے جو نمونہ کے لکھ گئے ہیں۔ ہجرت کے بعد بھی ہر شعبہ زندگی میں
ہماری عورتیں کسی سے کہیں زیادہ آزاد خیال اور خود مختار ہوا کرتی تھیں، اس کا
ہر شعبہ میں حصہ لیتی رہی ہوں گی مثلاً:۔

**ام سلیم بنت ملحان** بڑی شیر دل خاتون تھیں۔ ان کا اور ان کی بہن کا شمار بڑی
سرگرم کارکنوں میں ہوتا ہے۔ پہلی ام سلیم

Marfat.com

کے متعلق لکھا ہے کہ جب معرکہ حنین میں اسلامی فوج کے مکی رضاکار بھاگ کھڑے ہوئے تھے تو فتح کے بعد نبی نے آں حضرتؐ کو مشورہ دیا تھا کہ ان سب مکی مفروروں کا سر قلم کر دیا جائے۔ (بحوالہ صحیح مسلم، سیر الصحابیات)

ان کے شوہر ابو طلحہ بت پرست تھے، اور ایک درخت کی پوجا کرتے تھے۔ یہ جو مسلمان ہو گئی تھیں بار بار اپنے شوہر کو جھنجوڑتی رہیں اور طعن و تضحیک کرتی رہیں، کہ جو پودا زمین کے اندر سے نکلے وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔ رفتہ رفتہ شوہر متاثر ہوتے اور مسلمان ہو گئے۔

(اصابہ، ابن سعد، وغیرہ بحوالہ سیر الصحابیات)

**متفرقات** مسجد نبوی میں رسول کریمؐ نے وعظ کے لئے اُن کی ایک الگ محفل رکھی تھی۔ اور ہفتے میں اُس کے لئے ایک دن مخصوص کر رکھا تھا۔

چندوں کی خصوصی اپیلوں پر بھی ایسی محفلیں لبیک کہتی تھیں۔ ایک مرتبہ کا واقعہ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ حضرت بلال رضؓ صفوں میں پھر کر اُن سے چندہ جمع کرنے لگے اور خواتین اپنی بالیاں، کنگن، اور زیور اُتار اُتار کر رسول اللہؐ کی درخواست پر چندہ دیتی گئیں۔

عورتوں کا نرس، باورچی وغیرہ بن کر جنگوں میں رضاکارانہ جانا یہاں غیر متعلقہ ہے البتہ شاید اس کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ بیرون سے غیر مسلم قبائل کی سفارتیں جب مدینہ آتیں تو ابن سعد وغیرہ میں اکثر ایک انصاری عورت کے مکان کا ذکر آتا ہے کہ وہ وہاں اُترتیں اور وہیں اُن کی خوب ضیافت اور مہمانداری ہوتی تھی۔

غرض اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ تبلیغ اسلام میں عورتوں نے بھی رسول اکرمؐ کا خوب ہاتھ بٹایا۔ اپنے شوہروں کو، اپنے ملازموں، لونڈی، غلاموں کو نیز اپنے رشتہ داروں اور ملنے والی سہیلیوں کو اسلام لانے کی ترغیب دی۔ اسلام کی راہ میں اُنھوں نے ہر طرح

Marfat.com

کی تکلیفیں بھی سہیں۔ حبشہ کو ہجرت بھی کی۔ ان کی پختہ ایمانی کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ حبشہ کے عیسائی ماحول میں بی بی ام حبیبہ کے شوہر عبیداللہ بن جحش اور بی بی سودہ کے شوہر سکران اسلام سے ارتداد کر کے عیسائی ہو گئے۔ مگر یہ دونوں بیبیاں اسلام پہ ثابت قدم رہیں۔ اس کے اجر میں دونوں کو ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت عمر رضؓ کے گھرانے کی دو لونڈیاں زنیرہ اور لبینہ بھی مکے میں مسلمان ہو گئی تھیں۔ حضرت عمر رضؓ اسلام سے قبل ان کو اس پر سخت ایذا دیا کرتے تھے۔ لکھا ہے کہ مارتے مارتے خود ہی تھک جاتے تو چھوڑ دیتے اور کہتے کہ یہ نہ سمجھنا کہ تم پر رحم آیا ہے بلکہ تھک گیا ہوں۔ اسلئے چھوڑ رہا ہوں۔ ذرا سستا لوں تو پھر ماروں۔ مگر یہ تکلیف بھی اُن کو گوارا تھی۔ ارتداد نہیں۔ ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے بھی (جس نے چند دن رسول اللہ کو دودھ پلایا تھا) معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ہو گئی تھیں۔ چونکہ آزاد کر دی گئی تھیں اس لئے غالباً ابولہب کا بس نہ چلتا ہوگا کہ بیچاری بڑھیا کو سزا دیتا۔

یہ تو ٹھیک طور پر معلوم نہیں کہ شفاء بنت عبداللہ العدویہ نے کب اسلام قبول کیا۔ یہ حضرت عمر رضؓ کی رشتہ دار تھیں اور لکھنے پڑھنے کی بھی ماہر۔ آں حضرت صلعم نے انھیں کو مامور کیا تھا کہ اپنی بیوی ام المومنین حفصہ کو بھی لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ یقیناً انھوں نے بھی ترویج اسلام میں خاص حصہ لیا ہوگا۔

Marfat.com

# قریش سے تعلّقات

رسولِ مکّی روحنا فداہ کے تعلّقات قریش سے سچ پوچھئے تو پوری سیرت نبوی پڑھا دی ہیں اُن کا آغاز بعثت کے وقت سے ہوتا ہے۔ اور اختتام فتح مکّہ کے بھی بعد حجۃ الوداع میں ہوتا ہے۔ اس کے مختلف اجزاء مختلف ابواب میں آچکے ہیں۔ حقیقی سیاسی تعلقات کا آغاز بیعت عقبۂ ثالثہ سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد قریش نے آں حضرت ؐ کے قتل کی سازش کر کے گویا اسلام کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تھا۔

ہجرت، کاروانوں کی گذر کی بندش، بدر، احد، خندق کے معرکے سب اسی کے اجزاء ہیں۔ چونکہ عہد نبوی کے میدانِ جنگ میں ان معرکوں کا پس منظر اور نتائج کافی تفصیل سے بتا دیئے گئے ہیں، اس لئے یہاں ناظرین کو صرف اس کتاب کا حوالہ دیدینا کافی معلوم ہوتا ہے۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ پر دو مضمون یہاں شریک کئے جاتے ہیں۔ ان میں بھی قریش سے سیاسی تعلقات پر کافی مواد جمع کر دیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ کی یہاں گنجائش یا ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

Marfat.com

# صلح حدیبیہ کی فتح

## یا

# عہد نبوی کی سیاست خارجہ کا شاہکار

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تاریخ عالم میں ایک انقلابی عہد اور ایک عہد آفریں دور کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایران اور روم کی سلطنتیں دنیا پر چھا جانے کی کوشش میں باہم زندگی و موت کی آویزش میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ اگرچہ چین اور ہند میں بھی متمدن قومیں حکمران تھیں۔ لیکن بحر متوسط اس زمانے میں بھی نہ صرف جغرافیائی اعتبار سے بلکہ سیاسی و معاشی حیثیت سے "وسط الارض" (میڈی ٹرانین) تھا۔ یونان اسی سمندر پر آباد ہے تو روم بھی، مصر و شام بھی اسی کے ساحل پر ہیں تو خود عرب کی شمالی سرحدیں اسی پر ختم ہوتی ہیں۔ ایران بھی اپنے حدود مملکت اس تک پہنچانے کی کوشش میں تھوڑی تھوڑی مدت کے لئے کئی بار کامیاب ہو چکا تھا۔ قدرت نے عرب کو ایشیا یورپ اور افریقہ کے تینوں براعظموں کے بیچوں بیچ پیدا کیا ہے اور اس عرب میں بھی مکہ آباد ساحلی علاقے کے وسط میں واقع ہے۔ اور یہ کوئی شاعری نہیں بلکہ ایک واقعہ ہے کہ مکہ نافِ زمین پر آباد ہے۔ اور پرانی دنیا کی کوئی عالمگیر تحریک اس سے بہتر مرکز مشکل سے پا سکتی ہے۔ یورپ کی سردیوں، افریقہ کی گرمیوں اور ایشیا کی سرسبزیوں میں سے ہر ایک کا کچھ نہ کچھ حصہ حجاز کو عطا ہوا ہے۔ اور اس نے وہاں والوں کو تینوں براعظموں کی اخلاقی خوبیاں عطا کر دی تھیں۔ جنگی نقطۂ نظر سے بھی اس سے محفوظ مقام کم مل سکتے تھے۔

سنہ ۱۳ نبوی میں پیغمبر اسلام نے اپنے آبائی شہر مکہ میں اصلاح دین کی کوشش شروع فرمائی۔ اور معدودے چند لوگوں کے ہم خیال ہونے کے ساتھ ساتھ عام اہل مکہ کی دشمنی اور عملی مخالفت میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔ آخر تیرہ کٹھن سالوں

کے اختتام پر ۱۳ھ میں آپ کو وطن سے بلا وطن ہو کر مدینہ منورہ جانا پڑا جیسا کہ معلوم ہے۔ مزاج میں آپ نے ایک تنظیم پیدا کرنے اور ایک شہری مملکت قائم کرنے میں کامیابی حاصل فرمائی جس کا تحریری دستور تاریخ نے آج تک (۵۲) دفعات کی ایک دستاویز کی صورت میں محفوظ رکھا ہے[1]۔ مدینہ آنے کے چند ہی مہینوں بعد آپ آس پاس کے قبائلی علاقوں کا دورہ فرمانے اور ان سے حلیفانہ تعلقات قائم فرمانے لگے۔ چنانچہ مدینے سے ینبوع تک جو علاقہ ہے وہاں کے قبائل (بنی ضمرہ مدلج وغیرہ) نے باوجود اسلام قبول نہ کرنے کے اس بات پر آمادگی ظاہر کی کہ اگر کوئی مدینے پر حملہ آور ہو تو یہ مسلمانوں کو مدد دیں اور اگر ان کے علاقے پر کوئی چڑھائی کرے تو مسلمان ان کو مدد دیں۔ البتہ جارحانہ پیش قدمی میں غیر جانبداری برتی جائے[2]۔ یہ وہی علاقہ ہے جہاں سے کاروانی قافلے گذرا کرتے تھے۔ اور مکے والے اگر شام، مصر یا عراق جانا چاہتے تو اسی راستے سے گذرتے تھے۔ اس راستے کی بندش قریش پر معاشی دباؤ ڈالنے میں اتنی مؤثر ثابت ہوئی کہ بدر کی فاش شکست بھی انھیں اتنا بے بس نہ کر سکی۔ ۳ھ میں احد میں مسلمانوں کو صدمہ پہنچا لیکن فوراً ہی انھوں نے اس کی تلافی یوں کی کہ نجد کے علاقے میں جو مدینے کے مشرق میں ہے اپنے اثرات پھیلا دیے۔ اور مکے والوں کو عراق جانے کا جو متبادل گو تکلیف دہ راستہ باقی رہ گیا تھا وہ بھی بند ہو گیا۔ اسی اثنا میں بنی قینقاع اور بنی النضیر کے یہودی حضرات مدینہ سے جلاوطنی پر مجبور ہوئے تو انھوں نے مدینے کے شمال میں خیبر و فدک کی یہودی بستیوں میں جا کر بسنا اور مسلمانوں کے خلاف

---

[1] اس پر میرا مضمون "دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور" مجلہ طیبہ بین حیدرآباد دکن، ۱۹۳۹ء

[2] ان کے متن کے لیے دیکھیے میری عربی تالیف "میثاق السیاسیہ" (قاہرہ ۱۳۶۰ھ)

سازشیں کرنی شروع کیں۔ اور قریش و غطفان وغیرہ قبائل کو درغلانا شروع کیا۔ عرب کے شمال میں دومۃ الجندل ایک بڑا اہم کاروانی جنکشن تھا۔ مدینہ آنے والے کاروانوں کو یہاں گھیر لینے لگنا کوئی تعجب نہیں کہ یہودی سرمایہ داروں کے اثرات ہی کے باعث ہو۔ انہیں یہودیوں کی کوشش سے غطفان و فزارہ نے ایک طرف سے اور قریش اور ان کے حلیفوں نے دوسری طرف سے خندق کے معرکے میں منہ کی کھائی اور انتقام کر لیا گیا کہ بنی قریظہ نے اندر کے اندر سے یہودی بنی نضیر کی غداری کریں۔ جب کسی طرح پیش نہ گئی اور بنی قریظہ کو اپنے کئے کی سخت سزا ملی تو خیبر و تیماء اور وادی القریٰ و مقنا و خیبر کے یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف نئے سرے سے شدید جہد جہد کا آغاز کیا۔

مسلمانوں کے لئے بڑا نازک زمانہ تھا۔ شمال میں خیبر وغیرہ یہودی قوت کے مرکز تھے۔ شمال مشرق میں غزارہ و غطفان کے قبائل خیبر والوں کے حلیف تھے۔ اور ان کی مسلمانوں سے بنتی نہ تھی۔ اور جب موقع ملتا مسلمانوں کی تاخت کے درپے رہتے تھے۔ جنوب میں مکہ تھا۔ جس کی قوت چاہے معاشی طور سے متاثر ہوئی ہو، جنگی حیثیت سے برقرار تھی۔ اور سب کے سب غم و غصہ سے بھرے قرار اور مسلمانوں کے خلاف خار کھائے بیٹھے تھے۔ اور سلالقنا کامیوں کی جلن الگ تھی۔ آثار یہ نظر آرہے تھے کہ خیبر میں جا بسے ہوئے (جلاوطنان مدینہ یعنی) بنی النضیر کی کوشش رنگ لائیں گی۔ اور یہود، غطفان اور قریش کی سہ گانہ قوت مدینے پر ہلہ بول دے گی،

---

سلالۃ السنبیہ و الاشراف السوی صفحہ ۱۴۵۔ سلالہ سبیلہ بن حصن الفزاری کی طرف اشارہ ہے۔ خیبر وغیرہ کی طرف اشارہ ہے۔

Marfat.com

جس کی مدافعت آسان نہ تھی۔ معرکہ خندق میں دس ہزار کا لشکر مدینے پر چڑھ آیا تھا، جس میں یہود شریک نہ تھے۔ مجوزہ حملے میں کچھ نہیں تو تین چار ہزار مزید سپاہیوں کا اضافہ ہو جاتا۔ خندق میں جوان اور بچے ملا کر مسلمانوں کے پاس کوئی تین ہزار آدمی تھے اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا۔

ضرورت تھی کہ خیبر اور مکہ دونوں کی قوت کا استیصال کیا جائے۔ مگر مسلمانوں کے پاس اتنی قوت نہ تھی کہ وقت واحد میں ان دونوں مرکزوں پر حملہ کر سکتے۔ یا کم از کم مدینے کی مدافعت کے قابل محافظ دستہ چھوڑ کر کسی ایک مرکز کو تباہ کر سکنے والی فوج روانہ کر سکتے۔ ساتھ ہی اس کا بھی خوف لگا ہوا تھا، (جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی نے کتاب المبسوط[1] میں نہایت بالغ نظری اور تہ بینی سے واضح کیا ہے) کہ اگر مسلمان مکہ جاتے ہیں تو خیبر و غطفان مدینے پر چڑھ نہ دوڑیں۔ اور اگر مسلمان خیبر جائیں تو مکے والے اپنے حواشی و موالی کے ساتھ آ کر مدینہ لوٹ نہ لیں۔ کیونکہ مدینہ بیچوں بیچ واقع ہے۔ خیبر اس کے شمال میں کوئی پانچ منزل کی مسافت پر ہے تو مکہ اس کے جنوب میں بارہ منزل پر ہے۔

ان حالات میں سیاست دانی کا اقتضا یہی ہو سکتا ہے کہ دونوں میں سے کسی

---

[1] جلد ۱۰ صفحہ ۸۶ نیز انہیں کی شرح السیر الکبیر للامام محمد الشیبانی جلد اول صفحہ ۲۰۱ جہاں قریش اور خیبر والوں میں ایک معاہدے کے ہو چکنے کا ذکر ہے۔ کان بین اہل مکۃ و اہل خیبر من المواخاۃ علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا توجہ الی احد الفریقین اغار الفریق الآخر علی المدینۃ فوادع اہل مکۃ حتی یامن جانبہم اذا توجہ الی خیبر۔

ایک دشمن سے صلح کر کے دوسرے کے مقابلے میں اس کو دوست ورنہ کم از کم غیر جانبدار بنا دیا جائے اور جب ایک سے فراغت ہو جائے گی تو دوسرا خود ہی ہتھیار ڈال دے گا اور پھر اُسے سرزوری کی جرأت نہ ہوگی۔ سوال یہ تھا کہ صلح کس سے کی جائے، یا خیبر والوں سے؟ خیبر کے حلیف و معاون یعنی قزارہ و غطفان محض لوٹ مار کے شائق اور بالکل بے اصول خانہ بدوش عرب تھے۔ خیبر میں یہودی تھے، جو تمدنی اور نسلی وجوہ سے عربوں سے الگ تھے۔ ان کو اپنی جلاوطنی اور جائداد کے لٹنے کا داغ تھا جو جائداد کی واپسی کے بغیر مٹ نہ سکتا تھا۔ سرمایہ داری کی وجہ سے کوئی معمولی مالیہ لاحتمالاً اُن کو مطمئن نہ کر سکتا تھا۔ اور نہ ہی اُن کی بات پر کوئی اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ خیبر کا مالدار مرکز ایک نسبتہً غیر جنگجو قوم کے بسنے میں ہونے سے آسان تر مال غنیمت بھی تھا۔

دوسری طرف مکہ مسلمانوں کے لیے بہت سی رعایتوں کا متقاضی تھا۔ مسلمان مہاجرین سب مکی ہی تھے۔ اور اہل مکہ اُن کے رشتہ دار۔ کعبہ مسلمانوں کی نماز کا قبلہ اور حج کی منزلِ مقصود تھا۔ اہل مکہ کی تباہی سے زیادہ ان کا اسلام زیادہ مفید ہو سکتا تھا۔ کیونکہ قریش کے معاشی اور تمدنی تعلقات تمام عرب سے تھے۔ اور ان کی صلاحیتیں پورے عرب میں سب سے زیادہ تھیں، کیونکہ ان میں بات کا پاس تھا۔ وہ دھن کے پکے تھے۔ قومی مفاد کے لیے تن من دھن سے لگ جاتے تھے۔ طبیعت ہمت پسند تھی، ادبی ذوق اور انتظام ملک کی قابلیت و ملکہ بھی عام بدویوں کے مقابلے میں ان میں کہیں بڑھا ہوا تھا۔ اور شاید یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے معاشی دباؤ کے باعث اب وہ واقعی صلح پر آمادہ بھی ہو چکے تھے۔ اور صرف لاج رکھنے

Marfat.com

کے لئے کسی اچھی شرط کے منتظر تھے۔ اتفاق سے اسی زمانے میں حجاز میں سخت قحط پڑا تھا۔ اور مکے والوں کی رسد کے مرکز یمامہ پر بھی مسلمانوں کا (ثمامہ بن اثال کے اسلام لانے کے باعث) قبضہ ہو کر درآمد بند ہو گئی تھی[1]۔ رسولِ کریم ﷺ نے اس بندش کا اثر محسوس کرا دینے کے بعد اپنی مرضی اور اختیار سے ممانعت اٹھا کر، نیز مکے والوں کے سے غربا و فقرا کی امداد کے لئے سرمایہ قحط میں اسی زمانے میں پانچ سو اشرفیاں روانہ کر کے وہاں کے عوام کے دل موہ لئے تھے۔ اور مکے کے سب سے بڑے اور بااثر سردار ابوسفیان کی لڑکی بی اُمِ حبیبہؓ سے جو حبشہ گئی ہوئی تھیں، اسی زمانے میں عقد غائبانہ کر لیا تھا۔ نیز مختلف ضرورت (کھجور وغیرہ) ابوسفیان کو "ھدیہ" بھیج کر معاوضے میں جانوروں کی کھالیں طلب کی تھیں[2]۔ غرض باوجود حالت جنگ قائم رہنے کے یہ خاموش دلجوئی کے کام جاری تھے۔ قریش کے حج کا زمانہ بھی آ گیا تھا جس میں وہ مسلسل تین ماہ تک لڑائی بھڑائی حرام سمجھتے اور اس میں اُن کا سخت ترین دشمن بلکہ قابلِ قصاص ملزم بھی اُن کے شہر میں انھیں ملتا تو اس پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ مسلمانوں نے بھی قریش ہی کے کعبہ کو اپنا قبلہ بنا لیا تھا۔ اور حج کعبہ کو بھی اپنے دین کا جزو بنا لیا تھا جس کا نفسیاتی اثر قریش پر پڑے بغیر رہ نہ سکتا تھا۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۹۹۸ تا ۹۹۹۔ استیعاب ابن عبدالبر، سوانح عمری نمبر ۲۷۸

[2] مبسوط سرخسی جلد ۱۰ ص ۹۱ تا ۹۲۔ شرح السیر الکبیر سرخسی جلد ۱ ص ۶۹۔

[3] مبسوط سرخسی جلد ۱۰ ص ۹۰۔ شرح السیر الکبیر سرخسی جلد ۱ ص ۷۰۔

Marfat.com

ان حالات میں معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ؐ نے یہ سونچا کہ اگر حج کے مہینوں میں مکّہ جائیں، اور ارادہ طواف کعبہ اور قربانی و عمرہ کے لئے ہو اور قریش کو مُنہ مانگی شرطیں پیش کی جائیں تو کوئی تعجب نہیں جو وہ صلح پر آمادہ ہو جائیں۔ اور اتفاق سے اسی زمانے میں نینویٰ کے مقام پر ایران و روم کی صدیوں سے چلی آنے والی جنگ ایران کی مکمل اور قطعی شکست پر منتج ہوئی تھی[1]۔ اور کچھ اور نہیں تو عرب میں جو "لاوارث" ایرانی صوبے مثلاً یمن، بحرین اور عمان تھے، ان کے متعلق حسب دلخواہ کارروائی کرنے کا اس بین الممالک صورتِ حال کے باعث ایک خداداد اور نادر موقع بھی ہاتھ آگیا تھا۔ یمامہ پر قبضے کے باعث مسلمان پہلے ہی بحرین و عمان کے قریب پہنچ گئے تھے۔ قریش کا ہموار ہونا یمن کا راستہ بھی کھول دیتا تھا۔ اور رومیوں کی نینویٰ میں کامیابی ابھی فی الحال شمال میں کسی بڑی کارروائی میں مانع تھی۔

ہمیں معلوم ہے کہ مدینے میں قابل کار مسلمان مرد تقریباً تین ہزار تھے۔ اب ذی قعدہ کے مہینے میں رسول کریم ؐ چودہ سو آدمیوں کے ساتھ مدینے سے چلتے ہیں۔ حج کا احرام بندھا ہوا ہے ساتھ قربانی کے جانور ہیں۔ اور ارادہ محض مسالمانہ ہے اس لئے ساتھ جنگی ہتیار تک نہیں ہیں۔ (البتہ کچھ دور جانے کے بعد حضرت عمر رضؓ کے مشورے سے احتیاطاً مدینے سے فوجی مخزن منگا لیا جاتا ہے[2]۔ جو ساتھ تو رہتا ہے مگر بند حالت میں) مسلمان کافی فوج مدینے میں چھوڑ گئے تھے اور خاموشی کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ایک جاسوس جو کشف حال کے لئے پیشگی بھیج دیا گیا تھا اُس نے آکر

---

[1] دیکھئے گرلانڈ کی جرمن کتاب قیصر ہرقل کی جنگی مہمیں۔ Gerland.

[2] تاریخ طبری ص ۱۵۳۱۔ Persische Feldzuge des Kaisers Heraklius

اثناء راہ میں اطلاع دی کہ قریش کو پتہ چل گیا ہے۔ اور وہ مقابلے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اور احباش وغیرہ حلیف قبائل کو بھی جمع کر رہے ہیں۔ آں حضرت نے فوراً ایک جلسۂ شوریٰ کر کے سب سے دریافت کیا کہ آیا حسب ارادہ عمرے کے لئے بڑھے چلے جانا چاہئے، یا قریش کے حلیفوں کے مسکنوں پر حملہ کیا جائے جہاں صرف عورتیں بچے ہوں گے، اور مال غنیمت، جانور، لونڈی، غلام آسانی سے حاصل ہوں گے، اور ان کو اچھا سبق مل جائے گا۔ آخر حضرت ابوبکرؓ کے مشورے پر عمل کیا گیا کہ عمرے کی مسالمانہ غرض ہی سے سروکار رکھا جائے (بدایہ ابن کثیر ۴/۱۷۳ بحوالہ بخاری) آپ بڑھتے چلے گئے۔ اور حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں سے حدود حرم شروع ہوتے ہیں اور جہاں سے ساحلی میدان ختم ہو کر دشوار گذار وادیاں اور پہاڑی سلسلے شروع ہوتے ہیں۔ مکے والوں کو اطلاع مل گئی تھی۔ اور جنگی نقطۂ نظر سے حدیبیہ کے درّے کے دہانے پر حریف کو روکنے سے بہتر اُن کے لئے کوئی اور مقام نہیں مل سکتا تھا۔ یہ جگہ مکّہ سے صرف دس بارہ میل پر واقع ہے اور اپنے گھر ہی میں رہ کر دور دراز سے آئی ہوئی اور ہر طرح کی رسد اور مدد سے منقطع اسلامی فوج سے لڑ سکتے تھے۔

حدیبیہ میں آتے ہی سفارتی سرگرمی شروع ہو گئی۔ قریش کے نمائندے اور کارندے آ آ کر مقصد معلوم کرنے لگے۔ آخر رسول کریمؐ نے اپنے داماد حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجا کہ مختار کُل کی حیثیت سے گفت و شنید کریں۔ مکّے میں عجیب بدنظمی تھی اور کوئی مرکزیت نہیں پائی جاتی تھی۔ ان کا سب سے بااثر سردار ابوسفیان بھی کسی نامعلوم راستے سے چھُپ چھُپا اور بچ بچا کر اُن دنوں شام گیا ہوا تھا۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ

نظر بند ہو گئے اور اُن کی واپسی میں دیر ہوئی تو مسلمانوں کو خوف ہوا کہ کہیں انھیں شہید نہ کر دیا گیا ہو۔ اب مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور حدیبیہ میں انھوں نے مرنے مارنے کا اقرار کیا جس کا "إذ يبايعونك تحت الشجرة" کے الفاظ میں قرآن مجید میں بھی ذکر ہے۔ قریش کو خبر ملی تو وہ گھبرائے۔ آخر صلاح کر کے انھوں نے سہیل بن عمرو کو مختار کُل کر کے سفیر بنا کر حدیبیہ بھیجا اور تھوڑی سی ردو قدح کے بعد صلح نامہ طے کیا۔ قریش کو اطمینان ہو گیا کہ ان کا مطالبہ کہ:۔

(۱) مسلمان اس سال مکہ آئے بغیر واپس ہو جائیں، اور سال آئندہ عمرہ کرنے آئیں۔

(۲) کوئی مسلمان بھاگ کر مکہ آئے اور پناہ گزیں ہو تو اس کی تحویل عمل میں نہ آئے لیکن کوئی مکی بھاگ آں حضرت ؐ کے پاس آئے تو مطالبے پر اس کی قریش کے ہاتھ تحویل عمل میں آجائے۔

(۳) دس سال تک باہم صلح رہے۔ ایک دوسرے کی جنگوں میں غیر جانبدار رہیں۔ اور تجارت وغیرہ مسالمانہ ضرورتوں سے ایک دوسرے کے علاقے سے گذرنے کی اجازت ہو۔

اسے جب مسلمانوں نے منظور کر لیا اور معاہدہ کے متن میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے خالص اسلامی فارمولے کے قریشی فارمولا "باسمک اللھم" لکھا جانا اور "محمد رسول اللہ" کی جگہ "محمد بن عبداللہ" لکھا جانا طے ہوا تو گویا فتح قریش ہی کی ہوئی اور انھیں دبنا پڑا۔ اور بظاہر صحیح بھی تھا اور مسلمان سپاہیوں میں عام طور پر رنج کی لہر دوڑ گئی حتیٰ کہ حضرت عمر رضؓ جیسے دقیقہ رس مدبر بھی اپنی بے چینی کو چھپا نہ سکے۔ لیکن مسلمانوں میں نظم و ضبط اتنا کچھ آچکا تھا کہ جب آں حضرت ؐ نے [illegible] یہ طے ہو چکا

ہے، اور آپ ؐ اس کو پسند کرتے ہیں تو پھر کسی کی مجال نہ تھی کہ سوائے خاموشی اور اطاعت شعاری کے کچھ اور کریں۔

حدیبیہ کی اس صُلح (یا بقول قریش "شکست") کو قرآن مجید میں مسلمانوں کے لئے "فتح مبین" اور "نصر عزیز" کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ بادی النظر میں حیرت ہوتی ہے کہ یہ برعکس نہند نام زنگی کافور" کیوں؟ لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ "امی حکومت تو قریش کی مُنہ مانگی شرطیں منظور کرنے تیار تھی۔ صرف خیبر سے جنگ میں ان کی غیر جانبداری مطلوب تھی۔ اسے قریش نے منظور کر لیا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ رعایتیں منظور کر لی تھیں۔ "باسمک اللھم" کے فارمولے میں کوئی شرک یا بُت پرستی نہیں ہے۔ اور اس کو لیز "محمد بن عبداللہ" کو منظور کرنے میں مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ تھا۔ اسی طرح عمرے میں رُکاوٹ معمولی امر ہے اور "من استطاع الیہ سبیلا" کے باعث اس وقت وہ مسلمانوں پر فرض ہی نہ تھا۔ ایک طرف تحویل ملزمین کی توجیہ خود جناب رسالت مآب نے یہ فرمائی کہ ہمارے پاس سے بھاگ کر جانے والا کافر ہی ہوگا، ہمیں اس کی ضرورت نہیں اور قریش کے پاس سے بھاگ کر آنے والا مسلمان ہی ہوگا۔ اور اگر وہ اپنے ہم وطنوں کے مظالم پر صبر کرے گا تو خدا اُسے اجر دے گا۔ یوں بھی چند ہی دنوں میں اسلامی عملداری سے باہر نو مسلموں نے قریشی کاروانوں کا کچھ اتنا ناطقہ تنگ کیا کہ خود قریش نے جناب رسالت مآب سے التجا کی کہ اس شرط کو منسوخ کر کے ان نو مسلموں کو مدینہ بُلا لیں۔ اور تیسری شرط تو مسلمان خود ہی چاہتے تھے کہ قریش مسلمانوں سے صلح کر لیں اور مسلمانوں کی جنگوں میں غیر جانبدار رہیں۔ اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں رہتا کہ مسلمانوں کے لئے سخت ترین نازک زمانے میں حدیبیہ میں قریش کا اس صلح پر آمادہ

Marfat.com

جانا اسلامی سیاستِ خارجہ کی ایک واقعی "فتحِ مُبین" اور "نصرِ عزیز" تھی۔ جس کے باعث اُن کے ہاتھ کھُل گئے اور فوری خطرات سے نجات ملنے پر انھوں نے آزادی کے ساتھ تین ہی سال میں پُرامن ذرائع سے اپنی مملکت کو تقریباً دس گُنا پھیلا کر پورے جزیرہ نمائے عرب کو اپنا مطیع بنالیا۔ اور وہاں سے رومی اور ایرانی اثرات بالکل خارج کر کے ایک ایسی مستحکم حکومت قائم کر دی جو پندرہ ہی سال میں تین براعظموں پر پھیل گئی۔ اور جو اس سے ٹکرایا پاش پاش ہو کر رہ گیا۔ اور جس نے سرِ تسلیم خم کیا وہ اسلام کی رنگ و زبان سے بالا قومیت میں برابری کے حصہ کے ساتھ شریک ہو گیا۔

یہی وہ صلح حدیبیہ ہے جسے عہدِ نبوی کی سیاست خارجہ کا شاہکار کہنا چاہیے۔

اس معاہدے کا متن عربی ماخذوں میں کہیں تو پورا پورا، کہیں جستہ جستہ ملتا ہے، جس کی تفصیل میں نے الوثائق السیاسیۃ (مطبوعہ مصر ۱۳۶۰ھ) میں دستاویز ۱۱ کے تحت دی ہے۔ یہاں اس کا ترجمہ کافی ہوگا:-

## مُعاہدۂ حُدَیبیہ

ف۱ تیرے نام سے اے اللہ!

ف۲ یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سُہیل بن عمرو میں طے ہوا۔

ف۳ ان دونوں نے اس بات پر صلح کر لی ہے کہ دس سال تک جنگ روک دی جائے جس دوران میں لوگ امن سے رہیں۔ اور ایک دوسرے سے رُکے رہیں

ف۴ یہ کہ محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو حج یا عمرے یا تجارت کے لئے مکہ آئے تو اس کی جان و مال کا امان ہوگا۔ اور قریش کا جو شخص تجارت کے لئے مصر یا شام

(بروایت ابو عبید عراق یا شام) ـــــ جاتے ہوئے مدینے سے گذرے تو اسے جان و مال کا امان حاصل ہوگا[1]

ف۵ یہ کہ قریش کا جو شخص اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمدؐ کے پاس آئے گا تو آپؐ اُسے اُن کے سپرد کر دیں گے۔ اور محمدؐ کے ساتھیوں میں جو شخص قریش کے پاس آجائے گا وہ اُسے آپؐ کے سپرد نہیں کریں گے۔

ف۶ یہ کہ ہم میں باہم سینے ہر طرح محفوظ رہیں گے (جس میں باہر سے کوئی غداری داخل نہ ہو سکے گی) اور نہ تو خفیہ کسی دوسرے کو مدد دی جائے گی نہ علانیہ خود خلافِ عہد و غا کریں گے

ف۷ یہ کہ جو محمدؐ کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کر سکے گا۔ اور جو قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کر سکے گا۔ اس پر قبائل خزاعہ نے اُٹھ کر کہا کہ ہم محمدؐ کے معاہدے اور ذمہ داری میں شریک ہوتے ہیں۔ اور بنی بکر نے کہا کہ ہم قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں شریک ہوتے ہیں)

ف۸ یہ کہ تو اس سال ہمارے پاس سے واپس چلا جائے گا۔ اور ہمارے ہاں تک نہ آئے گا البتہ سال آئندہ ہم باہر چلے جائیں گے اور تو اکیلے ساتھی وہاں (مکے میں) داخل ہو کر تین راتیں ٹھیر سکیں گے۔ تیرے ساتھ سوار کا ہتھیار ہوگا۔

---

[1] یہ دفعہ ابن اسحاق اور ابن ہشام میں نہیں ہے۔ نہ ہی تاریخ طبری میں۔ لیکن تفسیر طبری و عبید کی کتاب الاموال، فتوح بلاذری اور بکری وغیرہ میں ہے۔

یعنی تلوار میان میں پڑی ہوئی۔ اس کے سوا کوئی اور ہتھیار لے کر تو وہاں نہ آسکے گا۔

**ف۹** یہ کہ یہ قربانی کے جانور وہیں رہیں گے جہاں ہم نے اُن کو پایا (یعنی حدیبیہ میں) اور ان کو حلال کر دیا جائے گا۔ اور اُن کو ہمارے پاس (مکہ قربانی کے لئے) نہیں لایا جائے گا۔ اور صراحت کہ ہمارے اور تمہارے حقوق اور واجبات برابر کے ہوں گے۔

(غالباً) مہر نبوی

(غالباً) مہر سہیل بن عمرو

گواہان اسلام :- ابوبکر، عمر، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن سہیل بن عمرو، سعد بن ابی وقاص، محمود بن مسلمہ، ابو عبیدہ بن الجراح وغیرہ۔

گواہان قریش :- مکرز بن حفص وغیرہ۔

کاتب :- علی رضؓ بن ابی طالب۔

---

ماخذ ہائے متن :- تفسیر طبری ج ۲۶ ص ۶۱۔ سیرۃ ابن ہشام ص ۷۴۷ تا ۷۴۸، فارسی ترجمہ سیرۃ ابن اسحاق ورق ۱۷۰/۱ (مخطوطہ پاریس) مغازی واقدی (مخطوطہ برٹش میوزیم) ورق ۱۴۰/۱۔ طبقات ابن سعد ج ۱ حصہ ۲ ص ۴۷ نیز ج ۲ حصہ ۱ ص ۷۰ تا ۷۱۔ تاریخ طبری ص ۱۵۴۶ تا ۱۵۴۷۔ سیرۃ طبری بروایۃ البسکری (مخطوطہ آیا صوفیا) فصل حدیبیہ۔ تاریخ ابن کثیر ص ۴ ص ۱۶۸ تا ۱۶۹۔ تاریخ الخمیس للدیار بکری ج ۲ ص ۳۳۔ تاریخ ابن الاثیر ج ۲ ص ۱۵۶۔ سیرۃ حلبی ج ۳ ص ۲۳۔

ماخذ ہائے اقتباس متن :- کتاب الاموال لابی عبید فقرہ ۴۴۱ تا ۴۴۴۔ صحیح البخاری ۶۴/۴۴، ۶۴/۲۹/۳۵، ۵۳/۵۴/۱ وغیرہ۔ اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین لابن طولون

فتوح بلاذری ص ۳۶۔ تاریخ الیعقوبی ۲ ص ۵۵۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد[1]

جدید بحث و ترجمہ بہ کتانی کی اطالوی تاریخ اسلام حالات ۶ھ فقرہ ۳۴۔
ہیفننگ کی جرمن کتاب "اسلام کا قانون خارجہ" ضمیمہ دوم۔ اشپرنگر کی جرمن "سوانح و تعلیمات محمدیؐ" ج ۳ ص ۲۴۶ جہاں تیمی کے ایک اور متن کا ذکر ہے، نقل نہیں۔
مجید خدوری کی انگریزی کتاب "اسلام کا قانون جنگ و امن" ص ۸۹۔ مزید حوالے فنسنک کی مفتاح کنوز السنۃ میں تحت عنوان حدیبیہ ہیں۔

---

[1] بعض اور حوالے یہ ہیں:۔ خراج لابی یوسف ص ۱۲۹۔ کنز العمال جلد ۵۔ ع ۵۵۳۴، ۵۵۳۶، ۵۵۳۵ عن ابن ابی شیبہ۔

Marfat.com

# فتح مکہ

## سے

# اِنسانیت کی فتح بہیمیت اور شیطانیت پر

۲۷ رمضان سنہ ۱۳ ق ھ کو شہر مکہ کے مضافات میں جبل نور کے غارِ حرا سے ایک بجلی کوندی اور سینکڑوں ہزاروں سال سے وہ حق کی تلاش میں انسان جس سرگردانی میں مُبتلا تھا اُس سے اُسے نجات مل گئی۔ اپنے اور اپنے بنانے والے کے صحیح تعلقات اور اپنی زندگی کا مقصد معلوم کرنے کے سلسلے میں وہ من مانی باتوں اور من گھڑت اوہام سے جس تاریکی در تاریکی میں ٹھوکریں کھاتا چلا جا رہا تھا اور مختلف ادوار میں کسی روزن سے ہلکی سی روشنی نظر آنے کے باوجود وہ پھر جلدی ہی جس بھول بھلیاں میں پھنس جاتا تھا اُس سے باہر آنے کا اُسے راستہ مل گیا۔ اور اُس نے یہ عجیب چیز معلوم کی کہ وہ اب تک غار کے دروازے ہی میں مگر اندر کی طرف مُنہ کیے کھڑا ہے۔ اُس نے مُنہ دوسری طرف کیا اور توحید کے روشن میدان میں نکل آیا۔ اوّلاً یہ راستہ ایک شخص نے دیکھا اور اس نے ساتھیوں کو آواز دی کہ پیٹھ پھیرو اور سامنے بڑھو (ابا وٹ ٹرن۔ فارورڈ مارچ) چند نے فوراً تعمیل کی۔ چند نے اُن باہر نکلنے والوں کو روکنا بلکہ پیچھے سے پکڑ کر گھسیٹنا شروع کیا۔ لیکن پشت کی طرف پلٹنے والے کو فوراً روشنی نظر آجاتی تھی۔ وہ اب کسی برخود غلط کے روکے کہاں رُکتا تھا۔ برخود غلط ولسوزی سے راہ یاب کو روکتا اور کنل مکش پر نوچتا کاٹتا اور پیٹتا تھا۔ اس پر رہبرِ اعظم اور اس کے راہ یاب ساتھیوں نے انتہائی ایثار اور بے نفسی سے ان مصیبت زدہ

بلا رسیدوں اور برخود غلط حماقت پردازوں دونوں کو بزور تاریکی سے باہر نکالنے کی ٹھان لی۔ اس کوشش میں خود تکلیف اُٹھائی۔ مگر خوشی سے اُسے گوارا کیا۔ اور برخود غلط کی انتہائی ظالمانہ تکلیف دہی پر بھی اس رہبر اعظم اور کوہ ثبات کی زبان سے نکلا بھی تو یہی نکلا رب اھدِ قومی فانّھم لا یعلمون (خدایا! میرے لوگوں کو ہدایت دے وہ جانتے نہیں ہیں۔) غرض کسی کو پچکار کر، کسی کو دھمکا کر، اور کسی کو زبردستی ڈھکیل کر باہر نکالا یہاں تک کہ وہ ایک غار (حرا) پوری طرح خالی ہو گیا۔ اور اس رہبر اعظم کی زندگی بھی ختم ہو گئی۔ اب اُس کے جانشینوں نے اپنے ناف ارض کے کھُلے میدان سے دیکھ لیا کہ اطراف کتنے اور غار ہیں۔ اور محسن اعظم کے اسوۂ حسنہ میں تمام غاروں کے مصیبت زدوں کی رہائی کی ٹھان لی۔ اور یہی کام اب تک روز افزوں کامیابی سے جاری ہے۔

یہ کوئی افسانہ نہیں حقیقت ہے۔ اس رہبر اعظم کی اس بے نفسانہ کش مکش کے آخر منازل ہی فتح مکہ کی صورت میں پیش آئے اور اس کی کچھ توضیح و تفصیل مطلوب ہے۔

حضرت محمد مصطفےٰ روحی فداہ نے غار حرا میں حقیقت و صداقت کا جو سرمشتہ شب قدر کو دیکھا تو گھر آکر اہل و عیال کو پھر اہل خاندان اور پھر اہل شہر کو اس کی جانب متوجہ کیا۔ اس سے سب واقف ہیں کہ توحید اور خدا پرستی اور صحیح انسانیت کی اس تعلیم و تبلیغ میں آپ کو کیا دشواریاں پیش آئیں۔ اور کس طرح دس سال کی شبانہ روز تن من دھن کوشش کے باوجود پچیس پچاس سے زیادہ لوگ ہم خیال نہ ہو سکے۔ کس طرح تبلیغ میں تکلیفیں سہنی پڑیں، کس طرح طائف جلاوطن ہونا پڑا۔ کس طرح

چند مدینے والے ایک موقع پر اتفاقاً ملے اور اتباع قبول کی۔ کس طرح اُن کی تائید کے وعدے پر سب مسلمان ہجرت کر کے مکّے سے مدینہ چلے گئے۔ اور ان کے مال و متاع پر اہل مکّہ نے غاصبانہ قبضہ کر لیا۔

مدینے پہنچتے ہی آنحضرت صلعم نے سب سے پہلے اپنے بے خانماں ساتھیوں کی رہائش کا انتظام کیا۔ پھر ان مہاجرین اور مدنی مسلمانوں اور ہمدردوں میں تنظیم پیدا کر کے ایک شہری مملکت کی بنیاد ڈالی۔ شہر میں اب مہاجرین مکہ، مدنی مسلمان اُن کے رشتہ دار غیر مسلم عرب، اور یہودی قبائل تھے۔ ان سب کو اپنی سرداری میں ایک مرکز پر جمع کیا۔ اور ایک وفاقی شہری مملکت قائم کی۔ خوش قسمتی سے اس وفاق کا دستور جو ۱ھ میں مرتب ہوا تھا اور جو پچاس ایک دفعات پر مشتمل ہے تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔ (دیکھئے کتاب "عہد نبوی کا نظام حکمرانی" باب "دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور عہد نبوی کی ایک اہم دستاویز")

اس دستور کے ذریعے سے شہر کی حفاظت و مدافعت اور قریش سے مقابلے کا انتظام شروع ہوا۔ ہجرتِ کو دو چار مہینے ہوئے تھے کہ ان امور سے فارغ اور اندرونی حفاظت و استحکام سے مطمئن ہونے کے بعد اطراف پر توجہ شروع ہوئی۔ مدینے سے ساحل ینبوع کوئی پچھتر اسّی میل ہوگا۔ اس علاقے میں بنی ضمرہ، بنی مدلج وغیرہ قبائل بستے تھے۔ ان سے آنحضرت صلعم نے حلیفی کی کہ اُن پر کوئی حملہ کرے تو مسلمان ان کو مدد دیں گے۔ اور مسلمانوں پر کوئی حملہ کرے تو یہ مدد کو آئیں گے۔ یہ معاہدات بھی تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔

نقشے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ اہل مکہ جو ہر سال تجارتی کارواں شام و مصر

بھیجتے اور خشکی کی راہ سفر کرتے تھے وہ بنی ضمرہ وغیرہ قبائل کے علاقے سے گذرنے پر مجبور تھے۔

اب آنحضرت ؐ نے اپنے ان حلیفوں کی مدد سے قریش کا راستہ بند کر دیا۔ اور ان پر معاشی دباؤ ڈال کر بدلہ لینے اور مغلوب کرنے کی کوشش کی۔ قریش نے جھنجلا کر ماہ رمضان ۲ھ میں بدر میں آنحضرت ؐ اور آپ کے ساتھیوں کو گھیر لینے کی کوشش کی۔ مگر منہ کی کھائی۔ اور ایک بہترین فوجی نظام سے تین سو مسلمانوں نے ایک ہزار کے لشکر کو تتر بتر کر دیا۔ اس کا بدلہ لینے کے لئے قریش نے سال بھر تیاری کی۔ اور شوال ۳ھ میں مدینے پر چڑھ دوڑے۔ اور شہر کے باہر احد کے میدان میں مقابلہ کیا۔ اور مسلمانوں کی فوج کو اتفاقاً پسپا کر دینے کے باوجود لڑائی ملتوی کر دی اور مکہ واپس ہو گئے۔ مسلمانوں نے بہت جلد اپنا وقار دوبارہ حاصل کر لیا۔ اور ساتھ ہی آنحضرت ؐ نے اپنا اقتدار مدینے کے جنوب و مشرق میں نجد کی طرف بڑھانا شروع کیا۔ اور قریش کے ساحلی راستے کی طرح عراق وغیرہ جانے کا صحرائی راستہ بھی بند کر دیا۔ پھر مکے کے اطراف کے قبائل سے معاہدات دوستی کئے۔ اُن کو اپنی مدد کا یقین دلایا اور قریش سے تعلقات منقطع کر لینے پر آمادہ کیا۔ پھر مدینے کے شمال کی طرف توجہ کی اور دومۃ الجندل کے اہم مقام تک (جو شام اور عراق جانے والے کاروانوں کا جنکشن تھا) اپنے اثرات پھیلا دیئے۔ اور قریش کے تجارتی تعلقات شمال سے بالکل بند کر دیئے۔ اسی اثنا میں مدینے کے یہودی مسلمانوں سے لڑ کر اپنے کئے کی سزا پا چکے تھے اور مدینے سے جلا وطن ہو کر خیبر وغیرہ میں آباد ہو گئے تھے۔ ان یہودیوں کے ورغلانے اور ساتھ دینے کا یقین دلانے پر قریش نے ایک انتہائی کوشش

کی۔ اپنے تمام حلیف قبائل کو جمع کیا۔ یہودی اور یہودیانِ خیبر کے حلیف قبائل غطفان وغیرہ کو بھی لُوٹ کی طمع دلائی۔ غرض دس ہزار کے جم غفیر سے مدینے پر حملہ کیا۔ خود مدینے کے مابقی یہودی بھی بغلی گھونسہ بننے کی دھمکی دینے لگے۔ یہ شوال ۵ھ کا واقعہ ہے۔ اپنے تین ہزار سپاہیوں کی مدد سے آنحضرت نے شہر کے غیر محفوظ رُخ پر پندرہ دن کے عرصے میں خندق کھدوائی۔ اور عین اس وقت فارغ ہوئے جب دشمن آپہنچا۔ محاصرہ کنندہ متحدین میں سے چند قبائل کو آنحضرتؐ نے ابتداءً توڑ لینے کی کوشش کی اور مدینے کے باغات کی تہائی کھجور لے کر چلے جانے پر وہ آمادہ بھی ہو گئے، لیکن اہل مدینہ نے اس قدر کثیر معاوضہ منظور نہ کیا۔ پھر اس اثناء میں یہودیوں اور اہل مکہ میں باہم بے اعتمادی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے بھیجے ہوئے کارندے دعایہ کاری میں اتنے کامیاب ہوئے کہ قریش نے دل برداشتہ ہو کر محاصرہ اُٹھا لیا۔ اور مکّے واپس ہو گئے۔ اور غطفان وغیرہ بھی اکیلے کیا کرتے۔ فوراً رفو چکّر ہو گئے۔

اب انتہائی مشرق یمامہ تک آنحضرتؐ کا اثر پھیل گیا۔ اور ۷ھ کے آغاز میں وہاں کے بعض سرداروں (ثمامہ بن اثال) کے اسلام لانے سے وہاں سے غلّے کی برآمد مکّے کے لئے بند ہو گئی۔ اس سال اتفاق سے عرب میں قحط بھی پڑا۔ تجارت کے بالکل رُک جانے، غلّہ وغیرہ کی منڈیوں کا راستہ بند ہو جانے اور پے در پے ناکامیوں سے قریش بے بس ہو چلے تھے گو اُن کی فوجی قوت ابھی نہ ٹوٹی تھی۔

اس وقت مسلمانان مدینہ کی یہ حالت تھی کہ شمال میں غطفان اور خیبری یہودی

Marfat.com

تیار کھائے بیٹھے تھے۔ اور جنوب میں اہل مکہ مخالفت کی کوئی چیر تا ایسی نہ تھی جو کرنے کو تیار نہ تھے۔ مسلمانوں کی قوت اتنی نہ تھی کہ وقت واحد میں دونوں پر اقدامی حملہ کر کے دونوں دشمنوں سے نجات حاصل کرتے۔ کسی ایک سے مقابلہ ممکن تھا۔ لب سکن جیسا پانچویں صدی ہجری کے مشہور سیاست داں فقیہ شمس الائمہ سرخسی نے لکھا ہے کہ اگر مدینے والے خیبر پر حملہ کرتے تو خوف تھا کہ شہر کو فوج سے خالی پا کر مکے والے نہ چڑھ دوڑیں۔ اور نہ لوٹ لیں۔ اور اگر جنوب میں مکے کی طرف جائیں تو یہی خوف شمال یعنی خیبر سے تھا۔ کیونکہ مدینے کا محل وقوع مکے اور خیبر کے بیچ میں ہے۔ ان حالات میں ذی قعدہ ۶ھ میں آنحضرت ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ مکہ یا خیبر دونوں میں کسی ایک سے صلح کر لینی چاہیئے۔ اور اس غرض کے لئے آپؐ نے مکے کا انتخاب کیا۔ اور آپ کا خیال غالباً یہ تھا کہ مکے والے جو قحط و افلاس سے بے بس تھے آسانی سے صلح منظور کر لیں گے۔

اس سے پہلے آپؐ نے پانچ سو اشرفیاں مکے کے سردار ابو سفیان کو بھیجیں کہ وہاں کے قحط زدہ فقراء میں تقسیم کر دے۔ اس کی خبر مکے میں پھیلی تو ظاہر ہے کہ اہل مکہ آں حضرت ﷺ کو ایک شریف دشمن سمجھنے اور کہنے لگے۔ گو وہاں کے لیڈر جھلائے اور اسے سازش سے تعبیر کیا۔

اس کے بعد حج کے موسم میں جب کہ قریش لڑائی حرام سمجھتے تھے آں حضرتؐ اپنی نصف فوج مدینے میں چھوڑ کر پندرہ سو آدمیوں کے ساتھ حج کے نام سے روانہ ہوئے تاکہ قریش کو گھبراہٹ نہ ہو۔ اور مزید اطمینان دلانے کے لئے لڑائی کے پورے ہتیار بھی ساتھ نہ رکھے۔ حدیبیہ پہنچ کر (جو مکے سے دس میل پر واقع

ہے۔ اور آج کل شمیسی کہلاتا اور موٹروں کی تنقیح کا اسٹیشن ہے) آپؐ نے قریش سے گفت و شنید کی۔ اور قریش کی مُنہ مانگی شرطیں منظور کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ ایک زبردست دشمن جسے بارہا انتہائی کوشش کے باوجود زیر نہیں کیا جا سکا تھا، وہ خود منہ مانگی شرطیں منظور کر رہا تھا۔ قریش نے خیال کیا کہ اور کیا چاہئے۔ صلح منظور کی۔ اور یہ طے کیا کہ آئندہ دس سال تک قریش اور اُن کے حلیف آں حضرتؐ اور آپکے حلیفوں سے نہیں لڑیں گے۔ اور ہر ایک دوسرے کی جنگوں میں غیر جانبدار رہیگا۔ یہ کہ آں حضرتؐ قریش کا تجارتی راستہ کھول دیں گے۔ اور یہ کہ کوئی مسلمان مکہ آئے تو وہ گرفتار کر لیا جائے گا۔ لیکن کوئی مکے والا مدینے آئے تو اہل مکہ کی خواہش پر اس کی تحویل عمل میں آئے گی۔

یہ آخری شرط قریش نے اپنا بڑھ پن دکھانے کے لئے منظور کرائی۔ جس سے انھیں کوئی فائدہ نہ ہوا۔ لیکن مسلمانوں کی لڑائیوں میں غیر جانبداری منظور کر کے انھوں نے آنحضرتؐ کو اس کا موقع دیا کہ آپؐ خیبر کی قوت توڑ دیں۔ اور یہ عظیم الشان غلطی کی کہ یہود سے تعلقات نہ رکھ کر آئندہ اس قوی حلیف کی مدد سے محروم ہو جائیں اور مسلمانوں کے واحد ہدف بنیں۔

حدیبیہ میں قریش کو یہودیوں کے متعلق غیر جانبدار رہنے پر آمادہ کر دینا وہ زبردست سیاسی اور سفارتی (ڈپلوماٹک) کامیابی تھی کہ اُس کے متعلق قرآن مجید کا دیا ہوا نام "فتح مبین" [illegible] کی مبالغہ آمیز نہیں ہے۔ حدیبیہ سے فارغ ہو کر مدینے آ کر دو ہی [illegible] خیبر کی طرف کوچ بول دیا گیا اور ایسی چالیں چلی گئیں کہ خیبر والوں کی مدد کو کوئی نہیں آیا۔ یہاں تک کہ غطفان کے حلیف بھی اپنے گھروں میں بیٹھے تماشا

دیکھتے رہے۔ اور حسب توقع یہ آسانی اس خطرے کا ہمیشہ کے لئے ازالہ کر دیا گیا۔

اس کامیابی سے اس بات کا موقع ملا کہ مزید دشمنیاں بڑھائی جائیں۔ چنانچہ اسی زمانے میں بحرین اور عمان کی ایرانی نوآبادیاں زیادہ تر سفارتی کوششوں سے اپنے مرکز سے ٹوٹ کر مدینے سے جڑ گئیں اور قریش کا سوائے ان کے اپنے چند ہزار آزاد کے کوئی مددگار نہ رہا۔ اور جب انھوں نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہوئے معاہدے کی کچھ خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلے کے خلاف چھپ کر کچھ مدد دی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہزادی کا مقابلہ کرنے کی ان میں کوئی طاقت نہ تھی۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر خون بہائے مکے پر قبضہ کر لیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ نگار عرب سے کے ہر حصے میں تھے اور دشمن کی ہر نقل و حرکت کی بروقت اطلاع دے دیا کرتے تھے۔ ان پیشگی اطلاعوں سے اور خاص کر خندق کی جنگ میں بڑی مدد ملی تھی ورنہ خندق کے معرکے کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے انتہائی شمال میں گئے ہوئے تھے اور بروقت اطلاع کے باعث آدھے راستے سے مدینے واپس آکر پورے دو ہفتے خندق کی تیاری اور دیگر حفاظتی کارروائیوں میں صرف کرنے کے قابل ہوئے تھے

اس کے ساتھ اپنی نقل و حرکت کی خبروں پر پورا قابو تھا۔

چنانچہ مکے کی طرف دس ہزار کا لشکر کوچ کرتا ہے اور قریش کو ابن ہشام کے الفاظ میں "حبس الطرق" یعنی راستوں کی بندش کے باعث اس وقت تک خبر نہ ہو سکی جب تک کہ مکے کے پہاڑوں کے عین نیچے پڑاؤ نہ لگ گیا۔ اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے کو اطلاع دی کہ جو شخص اپنے گھروں میں رہے یا کعبے کی مسجد میں چلا جائے یا ہتھیار پھینک دے تو اسے اسلامی فوج بالکل نہیں چھیڑے گی۔ اس کے بعد فوج کے تین حصے کئے اور شہر میں جانے کے تینوں راستوں سے داخلہ شروع کیا اور تاکید کی کہ کوئی خونریزی نہ ہو۔ شہر پر پوری طرح قبضہ ہونے اور کعبے کے اندر اور اطراف کے بتوں کو توڑ پھوڑ کر ان کے لائق مقام پر پہنچانے کے بعد شہریوں کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ پھر ان کو ان کی کارستانیاں بتا کر پوچھا کہ تمھیں اب مجھ سے کیا توقع ہے؟ انھوں نے کہا کہ جو ایک شریف اور شریف زادے سے توقع کی جا سکتی ہے۔ اس پر رحمۃ للعالمین کی زبان سے نکلا "جاؤ اب تم سے کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

اب اس اعلان کی صدا کیا گونج رہی تھی کہ پورا مکہ

لا الٰہ الا اللہ

محمد رسول اللہ

کا کلمہ پڑھ کر اپنی قلب ماہیت کا ثبوت دے رہا اور اپنی مکمل اور غیر مشروط اطاعت کا یقین دلا رہا تھا۔

Marfat.com

# حبشہ اور عرب

## قبل اسلام اور ابتدائے اسلام میں

قدیم زمانے میں حبش نامی ایک قبیلہ ہمیں یمن میں ملتا ہے۔ اسی بنا پر نیز علم کاسٹہ سر کے تحقیقاتی نتائج کے طور پر اب یہ خیال روز افزوں مقبولیت حاصل کرتا جا رہا ہے کہ حبشی اصل میں یمن سے آئے ہوئے نو آبادکار ہیں۔ حبشہ (یا ابی سینیا) میں ایک صوبہ "اہرہ" بھی ہے۔ اس کا اب "ہرر" سے تعلق قائم کیا جا رہا ہے، جو جنوبی عرب میں حضرموت کے مشرق میں ایک بڑا علاقہ ہے۔ لسانیاتی تحقیقات نے بھی ہرہ اور ہرر کی بولیوں میں بڑی قربت ثابت کر دی ہے۔ اور میں نے ۱۹۳۳ء میں دیکھا تھا کہ جامعۂ پاریس کے مدرسۂ السنۂ مشرقیہ میں اس مسئلے پر خاص طور سے توجہ کی جا رہی تھی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تقریباً ایک سو سال پہلے یمن میں ذو نواس نامی ایک یہودی بادشاہ گزرا ہے۔ اس کے زمانے میں نجران میں عیسائیت بہت

عام ہو گئی تھی۔ طبری نے دو روایتیں بیان کی ہیں۔ ذونواس نے یہودیت میں غلو کے باعث نجرانیوں کو عیسائیت چھوڑنے اور یہودیت قبول کرنے کا حکم دیا[1]۔ یا یہ کہ ایک یہودی کے دو بچے نجران میں مارے گئے تھے۔ اور ان کے باپ کی شکایت پر اس نے نجرانیوں کو نہائیہ (الٹی میٹم) بھیجا[2] اور جب نجرانیوں نے عیسائیت کو چھوڑنے سے انکار کیا تو بڑی فوج لے کر ان کے صوبے میں پہنچا اور عیسائیوں کا بڑی بے رحمی سے قتل عام کیا۔ چنانچہ بڑے بڑے کھڈے یا گڑھے کھدائے ان میں آگ جلا دی اور عیسائیت سے انکار نہ کرنے والوں کو ان میں زندہ جھونک دیا[3]۔ مفسرین کا خیال ہے کہ قرآن مجید (۸۵: ۴ تا ۷) میں آیت (قُتِلَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ) میں اس واقعے کی جانب اشارہ ہے۔

---

[1] تاریخ طبری صفحہ (۹۲۵)

[2] تاریخ طبری (صفحہ ۹۲۶)

[3] اس کے ساتھ ہی ساتھ اس نے حیرہ کے حکمران کو بھی ترغیب دلائی کہ وہ بھی اپنے علاقے میں عیسائیت کو ختم کر دے جیسا کہ سریانی و دیگر حوالوں سے دیولوژے نے اپنی فرانسیسی کتاب "عرب" صفحہ (۸۲) عمود دوم و صفحہ (۸۳) عمود اول و تعلیق ۱ میں بیان کیا ہے۔

بچے کھچے آدمیوں میں سے ایک حبشہ پہنچنے میں کسی نہ کسی طرح کامیاب ہو گیا۔ اس نے بھی ہوئی انجیل نجاشی کو دکھائی اور فریاد وزاری کر کے انتقام پر توجہ دلائی۔ نجاشی نے جلی ہوئی انجیل بزنطینی شہنشاہ کے پاس قسطنطنیہ بھیج دی اور کشتیاں مہیا کرنے کی استدعا کی۔

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ نجران کا فریادی براہ راست قیصر روم کے پاس پہنچا تھا۔ اس نے کہا کہ میرا ملک بہت دُور ہے میں خود کچھ نہیں کر سکتا۔ البتہ نجاشی کو میں خط لکھتا ہوں۔ وہ بھی عیسائی ہے اور اس کا ملک تمھارے ملک کے قریب ہے۔ وہ تمھاری مدد کرے گا۔ اور تمھارا انتقام لے گا۔ قیصر کی مہیا کردہ کشتیاں حبشی بندرگاہوں میں پہنچ گئیں اور خود نجاشی نے سات سو کشتیاں تیار کرائیں اور مقامی بندرگاہوں میں تجارت کی غرض سے آئی ہوئی ایرانی اور دیگر تاجروں کی بھی بہت سی کشتیاں بیگاری کے لئے روک لی گئیں۔ ان سب پر عرب کی مقامی روایتوں

---

سلہ یہ لفظ عربی میں غیر مشدد جیم کے ساتھ مستعمل ہے۔ اس معرب لفظ کا حبشی اصل نگوس (NGUS) ہے جس کے لفظی معنے بادشاہ کے ہیں اس سے مراد کوئی قلم نہیں بلکہ حبشہ کا بادشاہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

کے مطابق شستر ہزار اور یونانی مورخوں کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار سپاہی سوار کئے گئے اور آبنائے باب المندب کو عبور کر کے، جس اثناء میں بہت سی کشتیاں طوفان میں ڈوب گئیں، یمن کے ساحل پر جا اترے۔ ابن الکلبی کا بیان ہے کہ پہلے کچھ فوج بھیجی گئی جو بذات خود اتنی کافی تھی کہ ذونواس کو مقابلے کی تاب نہ رہی۔ اس نے بہت بڑی رقم پیش کرنے کے وعدے پر امان چاہا۔ اور جب حبشی افسر رقم وصول کرنے کے دھوکے سے اسے قتل کرا دیا۔ پھر بے سری فوج کا صفایا آسان کام تھا۔ اس شکست کا انتقام لینے کے لئے نجاشی نے ستر ہزار حبشی فوج بھیجی۔ لاطینی مورخوں کے مطابق پچھتر ہزار کا مقدس الجیش پیاس اور تھکن کے باعث تباہ ہو گیا۔

لڑائی کا انجام یہ ہوا کہ ذونواس کو شکست ہوئی اور اس نے خودکشی کر لی۔ اس کے بعد یمن پر حبشی قبضہ ہو گیا اور یہ علاقہ نجاشی کے قبضے میں آ گیا [1]

---

[1] تفصیلات کے لئے سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۲ ما بعد۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۵۵ تا ۵۶ تاریخ طبری صفحہ ۹۲۵ ما بعد معارف ابن قتیبہ صفحہ ۳۱۱۔ اور الاخبار الطوال للدینوری صفحہ ۶۲۔ دیورژے کی فرانسیسی کتاب "عرب" صفحہ ۔

Marfat.com

**ابرہہ کی گورنری** کچھ دن بعد دو بڑے حبشی افسروں ارياط اور ابرہہ میں ان بن ہو گئی۔ اور ارياط کو قتل کر کے ابرہہ یمن کا گورنر بن گیا۔ نجاشی کو بھی امر واقعہ کا گوارا کرنا اور ابرہہ کی گورنری کو تسلیم کرنا ہی بہتر معلوم ہوا تاکہ ملک میں مزید خونریزی نہ ہو۔

ابرہہ بڑا دیندار عیسائی تھا۔ اس نے ملک میں عیسائیت پھیلانے کی بڑی سرگرم کوشش کی اور یمن کے پایۂ تخت صنعا میں ایک بہت بڑا کلیسا تعمیر کرایا، جس کا نام قلیس (یعنی کلیسا) رکھا۔ اس کی تعمیر میں بیزنطینی قیصر نے قسطنطنیہ سے بہت سے کاریگر، سنگ رخام اور چینی کی منقش اینٹیں بھیجیں۔ جب کلیسا تعمیر ہو گیا تو اسکندریہ کے بطریق نے ایک اطالوی پادری گریگن تیوس (Gregentius) کو وہاں روانہ کیا[1]۔ یمن میں بھی ایک گرجا اور شہداء کا قبرستان تعمیر کیا گیا۔

---

[1] چنانچہ (۳۴۳) دفعات کا ایک دستور العمل اس ملک میں نافذ کیا جس کا یونانی اصل اب بھی دیانا کے کتب خانے کے مخطوطوں میں محفوظ ہے۔ (دیکھئے دیورژے کی فرانسیسی کتاب "عرب" صفحہ ۱۱، کالم دوم۔ تعلیق)

**مارب کا کتبہ**

ابرہہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک رعایا پرور حکمراں ثابت ہوا۔ اس نے مقامی تالابوں وغیرہ پر توجہ کی۔ اس کے کتبے اب بھی یمن میں دستیاب ہوتے ہیں۔ اور ان سے بہت سی تاریخی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

مارب کے تالاب کا کتبہ دلچسپی کی خاطر (ارض القرآن مؤلفہ سید سلیمان ندوی ۱/۱۹ تا ۲۰ سے) نقل کیا جاتا ہے۔

"مہربان رحم والے (رحمان رحیم) اس کے مسیح اور روح القدس کی مہربانی سے ابرہہ اکسومی حبشیوں کا رئیس اراحمیس، ذبیمان شاہ حبش کا محکوم سبا و ذوریدان و حضرموت یمنات، تہامہ و نجد کا بادشاہ یہ یادگار قائم کرتا ہے کہ اس نے اپنے عامل یزید بن کبشہ پر فتح پائی جس کو اس نے کندہ اور روئی پر حاکم بنایا تھا اور سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ اور رؤسائے سبا میں سے مرہ، ثمامہ، حنش، مرثد اور ضف ذو (یعنی قلعہ دار) خلیل اور آل یزن، رؤسائے معدی کرب بن سمیفع اور ہنان اور اس کے

ہم بیان کر چکے ہیں کہ فرزندان اسلم اس کے ساتھ تھے۔
بادشاہ نے اس کے مقابلے میں جراح قلعہ دار زنجور کو بھیجا۔
یزید نے اس کو مار ڈالا۔ اور قصر گدار کو ڈھا دیا۔ اور کندۃ، حریب
اور حضرموت کے قبائل سے اس نے جمعیت اکٹھا کی۔۔
"بادشاہ کو خبر ملی تو اپنی حمیری اور حبشی فوج ہزاروں
کی تعداد میں ماہ ذو القعدہ ۔۔۔ ۶۵۸ھ (یعنی مطابق ۱۲۵۹ء)
میں لے کر چلا۔ جب مآرب کی وادیوں میں پہنچا تو یزید خود
آیا اور تمام سرداروں کے سامنے اس کی اطاعت قبول کر لی
۔۔۔ اس اثنار میں مآرب کے تالاب کی دیوار، حوض اور
دروازے کے ٹوٹنے کی خبر ماہ ذوالحجہ ۶۵۸ھ (یعنی
مطابق ۱۲۵۹ء) میں آئی۔ قبائل کو فرمان بھیجا کہ پتھر، لکڑی
اور سیسہ بند کے درست کرنے کے لئے مہیا کریں۔ بادشاہ
پہلے مآرب گیا اور وہاں کے گنبد میں نماز ادا کی۔ پھر موقع پر
گیا۔ نیو کھودنی اور تعمیر شروع ہوئی۔۔۔
"بادشاہ ان رئیسوں سے معاہدہ کر کے واپس آیا یعنی
شہزادہ اکسوم، قلعہ دار سمائر یعنی فرزند بادشاہ مرجز قلعہ
دار ذرناج، عادل قلعہ دار فالشی اور قلعہ داران شولمان
شعبان، رعین، ہمدان وغیرہ"۔۔۔

قربان (رحمان) کی عنایت سے نجاشی، قیصر روم،

Marfat.com

منذر (یعنی حیرہ کے بادشاہ) اور حارث بن جبلہ (غسان کے بادشاہ) اور دوسرے بادشاہوں کی طرف سے دوستی اور محبت کے اظہار کے لئے ۱۵ دوان ۶۵۷ (یعنی مطابق ۵۴۳ء) میں سفیر آئے ..."

## اَصْحٰبُ الْفِیْل

مارب ساگر کی اس مرمت کے ستائیس سال بعد ۵۷۰ء میں اس ابرہہ نے مکہ معظمہ پر حملہ کر دیا۔ عرب مورخ اسے اصحاب الفیل کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جدید یورپی مؤلفوں کا خیال ہے کہ ابرہہ حقیقت میں حبشی کی راہ سفر کر کے شام جانا اور بیزنطینی شہنشاہ کو ایران کے خلاف مدد دینا چاہتا ہوگا۔

مگر عرب مورخ[1] اس کا باعث اپنے بعض ہم وطنوں کی شرارت بتاتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ قلیس (کلیسائے صنعاء) کی تعمیر سے بت پرست عربوں کو سخت غصہ آیا اور ان میں سے ایک من چلے کو جو سوجھی تو وہاں پہنچ کر چپکے سے ایک رات غلاظت کی اور بھاگ آیا۔ دریافت اور تحقیقات پر یہ قیاس کیا گیا کہ کسی کے

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۲۹ و مابعد

والے کی شرارت ہے۔ اور کعبے کی خاطر قلیس کی تذلیل کی گئی ہے۔ غرض ابرہہ بہت سی فوج اور ایک ہاتھی[1] لے کر روانہ ہوا۔ جب مکے کے قریب پہنچا تو قرآن مجید کے مطابق پرندوں کے جھنڈ (طیراً ابابیل) آئے اور پتھراؤ پر کنکریاں گرائیں۔ نہ معلوم یہ کنکریاں کن جراثیم سے متاثر تھیں کہ فوج میں وبا پھیل گئی[2]۔ بہت سے لوگ مر گئے۔ کچھ ابرہہ کے ساتھ یمن واپس آ گئے۔ اور کچھ بیمار ہو کر وہیں رہ گئے۔ یہ لوگ سپاہی تھے۔ اس لئے یہ امر قرین قیاس ہے کہ بعد میں

---

[1] اکثر مورخ یہی کہتے ہیں اور قرآن مجید میں "اصحاب الفیل" میں "فیل" کا لفظ واحد ہی آیا ہے۔ گو بعض مورخ کہتے ہیں کہ متعدد ہاتھی تھے۔ ابن ہشام اور طبری (صفحہ ۹۴۵) نے ہاتھی کا نام "محمود" لکھا ہے ایک حبشی ہاتھی کا نام خالص عربی ہونا قرین قیاس نہیں۔ ممکن ہے یہ لفظ (MAMMOTH) کا معرب ہو اور یہ ہاتھی ممموت نسل کا ہو۔ طبری کے مطابق یہ ہاتھی جو فیر معمولی قد و قامت کا تھا، ابرہہ کی درخواست پر نجاشی نے حبش سے یمن بھیجا تھا۔

[2] عرب مورخ بیان کرتے ہیں کہ حجاز میں چیچک وغیرہ وبائیں پہلی مرتبہ اسی وقت آئیں اس سے پہلے یہ لوگ ان سے واقف نہ تھے (طبری صفحہ ۹۴۵)

یہ کے والوں کے ان محافظ دستوں میں کام کرنے لگے ہوں جو کاروانوں کی حفاظت کے لئے قافلے کے ساتھ آیا جایا کرتے تھے۔ اسی ہاتھی کے واقعے ہی کے سال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

یورپی مورخوں کا بیان ہے کہ چونکہ حبشہ بیزنطینی حکومت کے ماتحت نہیں تو زیر اثر ضرور تھا، اس لئے بیزنطینی حکومت کو توقع تھی کہ یمن پر حبشی قبضے سے اسے معاشی مدد ملے گی۔ اور ہندوستان سے ریشم کی خریداری یمن کے ذریعے سے آسان ہو جائے گی۔ اس سلسلے میں کئی بیزنطینی سفارتیں بھی یمن آئیں۔ لیکن ایرانی تاجر اپنے وسیع کاروبار کے باعث منڈیوں پر چھائے رہے بلکہ خود عدن اور دیگر یمنی منڈیوں میں ایرانی اثر روز افزوں ہی ہوتا گیا۔

چنانچہ مرزوقی[1] نے بیان کیا ہے کہ عدن میں عطر بنتا تھا جو اپنی لاجواب خوبیوں کے باعث ہند اور سندھ اور فارس و روم تک درآمد ہوتا تھا۔

ابھی ابرہہ کے انتقال کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ایرانیوں نے یمن پر حملہ کیا اور حبشیوں کو

---

[1] الازمنۃ والامکنۃ۔ باب اسواق العرب۔

شکست دے کر اس پر قبضہ کر لیا [1]

## حجازی عربوں کے تعلقات

حجازی عربوں کے تعلقات حبشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم رہے ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد حبشی الفاظ کا پایا جانا اس سلسلے میں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ قدیم زمانے میں چین اور ہندوستان کا تجارتی مال یمن آتا اور خشکی کے راستے حجاز اور شام سے گزر کر یورپ جاتا تھا۔ جب رومیوں اور بیزنطینیوں نے بحر احمر میں حمل و نقل شروع کر دی تو حجازیوں کے روزگار پر خاص کر بہت اثر پڑا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم نے سخت جدوجہد کی اور ہمسایہ ممالک سے تجارتی کاروانوں کے لانے کی اجازت حاصل کر لی ابن سعد [2] اور امام ابن حنبل [3] وغیرہ کا بیان ہے کہ قیصر روم نے [4]

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۹۵۲ و مابعد

[2] طبقات ج ۱ صفحہ ۴۳-۴۵-

[3] مسند جلد ۱ صفحہ ۲۶۱

[4] تاریخ طبری صفحہ ۵۸۹ و ابو۔ تاریخ یعقوبی جلد ۱ صفحہ ۲۸۰۔ لسان العرب تحت کلمہ ایلاف۔ نیز سورۂ ایلاف کی تفسیر میں ایلاف کی معنی بھی ان نامے کی میں دیکھئے کتاب المحبر لابن حبیب صفحہ ۱۶۴۔

Marfat.com

ہاشم کو شام آنے کا پروانہ عطا کیا اور اپنے زیر اثر فرمانروائے حبش کے نام بھی ایک سفارشی خط لکھ دیا۔ ہاشم نے اپنے بھائی کو حبشہ بھیجا اور ان کو نجاشی نے قیصر کی سفارش کی بنا پر اس بات کا منشور عطا کیا کہ ان کا تجارتی کارواں حبشہ آیا کرے۔ وادیٔ غیر ذی زرع (مکہ) کے تجارت پیشہ اپنے اور آس پاس کے علاقے سے عموماً چمڑے، گوند، لوبان وغیرہ بیچنے کیلئے لے جاتے تھے۔ قریبی میلوں میں گھی وغیرہ بھی بیچتے تھے۔ اونی کپڑے اور قبائیں بھی عرب کی مقامی پیداوار میں شامل تھیں۔ ان چیزوں کے بدلے میں وہ زیادہ تر غلہ حاصل کیا کرتے تھے۔ حکومت شام نے ہتیار کی برآمد بند کر دی تھی۔ موقع ملتا تو یہ لوگ اس کو بھی چوری چھپے درآمد کر لیا کرتے تھے۔[1]

---

[1] لامنس کی فرانسیسی کتاب "بوقت ہجرت" صفحہ ۱۲۹ - ۳۰ بحوالہ جرمن کتاب گوتربوک۔ نیز ہیفنینگ کی جرمن کتاب "اسلامی قانون خارجہ" صفحہ ۱۰۷۔ مجموعہ قوانین جسٹی نین (کتاب کوڈ حصہ چہارم باب ۴۱ ف ۱ و ف ۲) میں تلوار و دیگر ہتیار تیل و شراب وغیرہ کی برآمد "وحشی علاقے میں" ہونے دینے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اور قدیم رومی حکمرانوں کے احکام کا بھی ان دفعات میں ذکر کیا گیا ہے۔ ان طویل لاطینی دفعات کا ترجمہ کرنے کی جگہ یہاں خلاصہ دیا گیا ہے۔

Marfat.com

حبشہ جانے کے دو راستے تھے۔ حجاز سے خشکی کی راہ فلسطین اور مصر ہوتے ہوئے جائیں یا بندرگاہ جدہ سے کشتیوں پر سوار ہو کر باب المندب سے ہوتے ہوئے کسی حبشی بندرگاہ میں جا اُتریں۔ قرآن مجید میں سمندر کا نہایت مدققانہ تذکرہ اور کشتیوں کے چلنے، طوفان، اور خراب موسم سے دوچار ہونے اور سمندری مسافروں کے پریشان ہونے کا نفسیاتی منظر اور سب سے بڑھ کر بحری اصطلاحات وغیرہ کے طور پر بعض حبشی الفاظ کا استعمال۔ یہ تمام امور بتاتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین کی و باز ی مخاطب بحری سفر اور حبشی سمندر سے کتنی گہری واقفیت رکھتے تھے۔ اگر عربی مورخوں پر اعتماد کیا جائے تو مکی تاجر خود نجاشی سے شخصی تعارف رکھتے تھے اور اس کے دربار میں باریاب ہوا کرتے تھے۔ شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کبھی نبوت سے پہلے اس کا موقع پیش آیا ہو۔ اگرچہ سیرت نگار اور سوانح نویس اس بارے میں خاموش ہیں۔ لیکن جو شخصیت زیادہ تر اپنے تجارتی معاملات میں راست بازی کے باعث "الامین" کے قومی خطاب سے مخاطب ہوئی ہو، بس لئے نہ صرف یمن اور شام کا بلکہ بروایت امام جنبل بحرین و عمان جیسے دور دراز ممالک کا خاصا تفصیلی سفر کیا ہو، اس سے یہ بات اس زمانے میں عقلاً بعید نہیں معلوم ہوتی کہ حبشہ بھی گئی ہو، جہاں اس کے ہم وطن

Marfat.com

ہر سال نہیں تو اکثر آیا جایا کرتے تھے۔ آپ نے اپنے چچازاد بھائی کو حبشہ ہجرت کر جاتے وقت جو تحریری خط عطا فرمایا تھا اس میں نجاشی کو دوٹوک الفاظ میں لکھا تھا کہ "ان نو آمدوں کا مہمان نوازانہ استقبال کرے"۔ وہ بھی اس گمان کو مزید تقویت پہنچاتا ہے۔

## آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

۶۱۰ء میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ معظم میں اس بات کا اعلان فرمایا کہ آپ کو خدا نے اپنا پیغام رساں بنا کر بغرض ہدایت بھیجا ہے۔ بت پرست یا بے مذہب ہم شہریوں کو جب خدائے واحد پر ایمان لانے کے لئے کہا گیا اور بتوں کی بے سودی کا بڑی شد و مد سے ذکر ہوا تو نامعقول جوش و خروش سے اس کی مخالفت ہوئی اور اکا دکا جو بھی اس تحریک سے متاثر ہوا اس کی جان کے لالے پڑ گئے۔

چار پانچ سال کی ان تھک اور بے لوث تبلیغ کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند درجن کی مسلمان ہو گئے۔ شہر میں ہم وطنوں کے ہاتھوں جس فتنہ و فساد سے سابقہ پڑا تھا، اس بعثت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو مشورہ دیا کہ ترک وطن کر کے حبش چلے جائیں

جہاں ایک منصف مزاج بادشاہ حکمراں ہے۔ اور جس کے ملک میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔[1]

ان مہاجرین میں جو حبش گئے آں حضرت کے چچا زاد بھائی حضرت جعفر طیار بھی شامل تھے۔

## مکتوبات نبوی

تاریخ نے ایسے کوئی دو ڈھائی سو خط محفوظ کئے ہیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائلی شیوخ، صوبہ جاتی افسروں اور ہمسایہ حکمرانوں کے نام تحریر فرمائے تھے۔ جو شخص پورے جزیرہ نمائے عرب کا حکمراں بن چکا ہو، اس کے لئے یہ تعداد کچھ بڑی نہیں۔ اور انھیں خطوں میں سے ایک جسے طبری، ابن القیم، قسطلانی، اور قلقشندی نے اپنی کتابوں میں محفوظ کیا ہے۔ یہ ہے:-

| | |
|---|---|
| بسم اللہ الرحمن الرحیم | بسم اللہ الرحمن الرحیم |
| من محمد رسول اللہ الی | محمد رسول اللہ کی طرف سے |
| النجاشی الاصحم ملک الحبشۃ | نجاشی اصحم بادشاہ حبشہ کے نام۔ |
| انی احمد الیک اللہ الذی | میں اس خدا کی تعریف |
| لا الہ الا ھو الملک القدوس | تجھ سے کرتا ہوں جس کے سوا |

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۰۸۔

Marfat.com

السلام المومن المهیمن
واشهد ان عیسیٰ ابن مریم
روح اللّٰہ وکلمته القاها
الی مریم البتول الطیبة
الحصینة حملته من روحه
ونفخه کما خلق آدم بیده
وانی ادعوك الی اللّٰہ وحدہٗ
لاشریك له وان تتبعنی و
تؤمن بالذی جاء نی
فانی رسول اللّٰہ وانی
ادعوك وجنودك
الی اللّٰہ عزوجل وقد بلغت
ونصحت فاقبلوا النصحی
وقد بعثت الیکم ابن
عمی جعفراً ومعه نفر
من المسلمین۔ فاذا جاءك
فاقرهم ودع التجبر والسلام
علیٰ من اتبع الهدیٰ"

کوئی معبود نہیں جو بادشاہ
مقدس، سلامتی والا، امان دہندہ
اور سلامت رکھنے والا ہے۔ اور
میں اقرار کرتا ہوں کہ مریم کے
بیٹے عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ
ہیں جن کو پاک اور برائی سے
محفوظ مریم بتول کی طرف ڈالا
گیا تو وہ خدا کی روح اور پھونک
سے حاملہ ہوئیں جیسا کہ خدا
نے حضرت آدم کو اپنے ہاتھ
سے پیدا کیا تھا۔ میں تجھے
خدائے واحد لاشریک کی
طرف بلاتا ہوں تاکہ تو میری
اتباع کرے اور مجھ پر نازل
شدہ چیز پر ایمان لائے۔
کیونکہ میں خدا کا رسول ہوں
میں تجھے اور تیرے لشکروں
کو خدائے عزوجل کی طرف
بلاتا ہوں۔ میں نے پیام

Marfat.com

پہنچا دیا اور بہی خواہی کی ہے۔
اب میری بہی خواہانہ نصیحت
کو قبول کرو۔ اور میں نے تمہارے
پاس اپنے چچا زاد بھائی جعفر کو
بھیجا ہے، جس کے ہمراہ چند
مسلمان بھی ہیں۔ جب وہ تیرے
پاس آئے تو ان کی مہمانداری کر
اور تکبر چھوڑ دے۔ سلام اس
پر جو راہ ہدایت پر چلے۔

عام طور سے اسلامی مورخ اس خط کو ۶ھ کے اواخر کے واقعات میں بیان کرتے ہیں، جب کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد ہمسایہ ممالک کے فرماں رواؤں کو دعوت اسلام کی تبلیغ کی مگر اوپر نقل کئے ہوئے خط کا آخری فقرہ غور طلب ہے کہ:-

"میں نے تمہارے پاس اپنے چچا زاد بھائی جعفر کو بھیجا ہے جس کے ہمراہ چند مسلمان بھی ہیں۔ جب وہ تیرے پاس آئے تو ان کی مہمان داری کر۔۔۔"

Marfat.com

کیا یہ عبارت ۶ سنہ ھ میں لکھی جا سکتی ہے۔ جبکہ ان مہاجرین کو حبشہ پہنچے ہوئے پندرہ سال ہونے کو آئے تھے؟ یہ ظاہر ہے خط تعارف کی غرض سے حضرت جعفر طیار کو دیا گیا تھا۔ جب وہ حبشہ جا رہے تھے۔ اگر سیرت نگاروں کی خاموشی کو کوئی مانع نہ قرار دیا جائے تو خط کے واقف کارانہ انداز سے یہ گمان ہوتا ہے کہ نبوت سے پہلے آں حضرت خود حبشہ تشریف لے گئے۔ اور مثل بعض دیگر ملکی تاجروں کے بخاشی سے شخصی تعارف حاصل کیا تھا۔ آپؐ کا مہاجرین سے چلتے وقت واقفانہ انداز میں فرمانا کہ "حبش میں ایک ایسے بادشاہ کی حکمرانی ہے جس کے دور میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا" اس کی مزید تائید کرسکتا ہے۔ احادیث میں بعض وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے چند حبشی الفاظ بھی مروی ہیں۔

اتفاق سے ۱۹۳۹ء میں جب میں آکسفرڈ میں "کتابات مدینہ" پر لکچر دینے گیا تھا تو پروفیسر مارگولیوتھ نے وہاں میری توجہ اس جانب منعطف کرائی کہ اسکاٹ لینڈ کے ایک مستشرق کے حوالی میں یہ خط ملا ہے اور میری مراسلت موصوف کو بھیج دی۔ اس کے جواب میں مستشرق مذکور ڈی۔ ایم۔ ڈنلاپ ساکن

برائڈ کرک، اسکاٹ لینڈ) کا جواب۔ ملک شام سے "رجب ۱۹۳۹ء کا چلا ہوا مجھے حیدر آباد میں ملا، جس میں لکھا تھا کہ بعض خاص حالتوں میں نجاشی کا یہ خط فلسطین کے ایک پادری کے پاس سے حال میں خریدا گیا ہے۔ اور یہ کہ وہ اسے جلد لندن کے رسالہ جے آر اے ایس میں ایک مضمون کے ساتھ شائع کرانے والا ہے۔ مزید مہربانی سے اس نے خط کی ایک دستی نقل فوراً بھیج دی۔ فوٹو واپسی پر بھیجنے کا وعدہ تھا، لیکن جنگ چھڑ جانے کے بعد سے پھر کوئی پتہ نہ ملا۔[1] مذکورہ نقل یوں ہے۔

۱۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۔ من محمد رسول اللہ الی النجا۔

۳۔ شی عظیم الحبشۃ سلام علی من

۴۔ اتبع الھدیٰ اما بعد فانی احمد الیہ

۵ ک اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک

۶۔ القدوس السلام المؤمن المھیمن

---

[1] اس کے بعد مضمون بھی چھپا۔ فوٹو بھی وصول ہوا اور اس پر ایک مستقل مضمون لکھ گیا جو الگ درج ہے۔

۷- واشهد ان عیسیٰ بن مریم روح
۸- اللہ وکلمتہ القاها الی مریم البتو
۹- ل الطیبۃ الحصینۃ فحملت بعیسیٰ من ر
۱۰- وحہ ونفخہ کما خلق آدم بیدہ و
۱۱- انی ادعوک الی اللہ وحدہٗ لا شر
۱۲- یک لہ والموالاۃ علی طاعتہ وان
۱۳- تتبعنی وتؤمن بالذی جاءنی فانی ر
۱۴- سول اللہ وانی ادعوک وجنو
۱۵- دک الی اللہ عز وجل وقد بلّغ
۱۶- ت ونصحت فاقبل نصیحتی والسلام
۱۷- علی من اتبع الهدیٰ

دیکھو مضمون کے آخر میں ضمیمہ

اللہ
رسول
محمد

اگر یہ خط مکمل اور اصلی ہے تو میرے مرحوم کے اس گمان کی تائید ہوتی ہے کہ مذکورۂ صدر تحاریر خط میں دو خطوط کی عبارتیں مدغم ہو گئی ہیں۔ چنانچہ یہاں جعفر طیار کے تعارف کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی "دُحیۃ الکلبی" کا درشت انداز بیان۔

Marfat.com

## کفار مکہ کا وفد حبشہ میں

بہر حال جب متعدد جماعتیں مہاجرین کی حبشہ پہنچیں تو مکے والے اس کی روک تھام کے لئے تدبیریں سوچنے لگے۔ آخر اُنھوں نے ایک وفد بھیجا[1] جو نجاشی سے ان "ملزمین" کی حوالگی کا مطالبہ کرے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو جواب دہی کا موقع دیا۔

اُنھوں نے کہا کہ ہم نے مکے میں کوئی جرم یا فعل ناجائز نہیں کیا ہے۔ ہم پہلے گمراہ تھے۔ اب خدا نے ہمارے پاس ایک نبی بھیج کر ہماری ہدایت کا سامان کیا ہے۔ اور ہم ہموطنوں کے ظلم اور بے دردی سے مجبور ہو کر یہاں پناہ لینے آئے ہیں۔ قریشی وفد کا سردار عمرو بن العاص جیسا زبردست موقع شناس سیاستداں تھا۔ چنانچہ اس نے فوراً پہلو بدل کر نجاشی کے نازک اور حساس ترین جذبات پر وار کیا اور پوچھا۔ "مسلمان یہ تو بتائیں کہ وہ حضرت عیسیٰ کے متعلق کیا عقائد رکھتے ہیں"؟ مسلمانوں کے نمائندے حضرت جعفر طیار نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں[2] جن میں حضرت عیسیٰ

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۱۷ ومابعد

[2] سورۂ مریم کی آیتیں۔

Marfat.com

کو روح اللہ، کلمۃ اللہ، ابن مریم اور بن باپ کے پیدا ہونے والا کہا گیا ہے اور ان کے ابن اللہ ہونے سے انکار کیا گیا ہے۔ نجاشی فرقۂ طبیعت واحدہ کا یعنی مانوفزائٹ) عیسائی تھا۔ اور ان دنوں اس فرقے اور یونان کے عیسائیوں میں بڑے سخت اختلافات تھے۔ آخرالذکر اس بات کے قائل تھے کہ حضرت عیسیٰ میں بوقت واحد دو طبیعتیں تھیں۔ انسانی بھی اور خدائی بھی۔

حضرت عیسیٰ کے متعلق سب عیسائی قائل ہیں کہ وہ روح اللہ، کلمۃ اللہ، ابن مریم اور بن باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے شائد یہ کہا جا سکتا ہے کہ نجاشی اور اس کے درباری پادریوں نے مسلمانوں کو بھی عیسائی خیال کیا ہو۔ اور اس بنا پر بت پرست مکیوں کے حوالے کرنے سے انکار کیا ہو۔ مسلمان حضرت عیسیٰ کے متعلق ابن اللہ ہونے سے یک لخت انکار کرتے ہیں۔ ممکن ہے نجاشی، جو فرقۂ طبیعت واحدہ کا پیرو تھا، مسلمانوں کے نقطۂ خیال کی طرف مائل ہو گیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ

Marfat.com

یہ خیال کرتا ہو کہ مسلمان دراصل عیسائیوں کا ایک نیا فرقہ[1] ہوں۔ اور رفتہ رفتہ حبشی ماحول میں وہ فرقہ طبیعتِ واحدہ میں شامل ہو جائیں۔ اور تاریخ بھی بتاتی ہے کہ ان مسلمانوں میں سے جو اپنے مرکز اور ہادیؐ سے دور جا پڑے تھے کم از کم دو نے عیسائیت قبول کر لی (دیکھئے ابن ہشام صفحہ ۷۸۱ تا ۷۸۴ تاریخ طبری صفحہ ۷۱۷ وغیرہ)

## نجاشی کا اسلام

مسلمان مؤلفین بہرحال اس کے قائل ہیں کہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا تھا اور یہ کہ اس کے مرنے کی اطلاع ملی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ مگر یہ ہجرت کے بعد کا

---

[1] اسلام کو شروع ہو کر اس وقت تک بہ مشکل پانچ سال گزرے تھے اور بجز عقائد کے بہت کم احکام نازل ہوئے تھے۔ مسلمان نماز میں بھی غالباً بیت المقدس ہی کی طرف رخ کرتے تھے جو عیسائیوں کا مقدس ترین مقام ہے ان حالات میں ان پر اجنبی کے لئے عیسائیت کا گمان کرنا تعجب کے قابل نہ ہوگا۔ بدقسمتی سے حبشہ کی ہمعصر تاریخیں محفوظ نہیں رہی ورنہ ہمیں اسلامی مورخوں کے بیانات کا مقابلہ کرنے کا موقع ملتا۔

Marfat.com

واقعہ ہے۔

مکے میں بعض عجیب حالات میں عارضی طور سے چند دن کے لئے یہ مشہور ہوا کہ قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اب کوئی پرخاش نہیں رہی تو فوراً حبشہ سے بہت سے مہاجر وطن واپس آگئے اس عرصے میں جب حالات کی توضیح ہوگئی تو یہ لوگ اور بعض دیگر مکی مسلمان پھر حبشہ واپس چلے گئے۔

**ہجرت نبویؐ** اس کے بعد کئی سال تک کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقامی سلوک سے دل برداشتہ ہوکر مدینہ ہجرت کر جاتے ہیں۔ اور مقامی اور مضافاتی قبائل سے سمجھوتہ کر کے اپنے اقتدار کو مستحکم کرتے ہیں۔ اور پھر قریش پر جن کے تجارتی کاروان مسلمانوں کے زیر اثر علاقے سے گزر کر شام جاتے تھے، معاشی دباؤ ڈالتے ہیں۔ اور نتیجۃً بدر وغیرہ کی جنگ ہوتی ہے، جس میں عموماً قریش کو سخت شکست ہوتی ہے تو قریش کی ایک اور سفارت حبشہ جاتی ہے اور موقع دیکھ کر چاہتی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف غصہ مہاجرین حبشہ پر اتاریں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوتی ہے تو عمرو بن امیہ ضمری ایک غیر مسلم کو سفیر بنا کر حبشہ بھیجتے ہیں (سیرۃ شامی ج ۴، ۹ الف) نجاشی نے فتح بدر پر اپنی مسرت ہی کا اظہار کیا (ابن کثیر، ۳۰۰ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اور قریش کو اس دفعہ بھی ناکامی ہوئی[1] ملکت اسلامیہ کی عام ترقی کے دیکھتے اب اس بات کی ضرورت نہیں رہی تھی کہ مسلمان غیر ممالک میں پناہ لیتے رہیں اس لئے کچھ دن بعد یعنی ۷ھ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفیر حبشہ بھیجا کہ ان مہاجرین کو مدینہ لائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پر نجاشی نے مہاجرین میں سے ایک نوجوان بیوہ کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غائبانہ عقد بھی کرا دیا تھا۔ ان بی بی کو ساتھ لے جانا بھی مقصود تھا۔ نجاشی نے دھوم دھام سے مسلمانوں کو رخصت کیا اور انھیں تحفے تحائف دے کر اپنے جہازوں میں مدینہ روانہ کیا[2]۔ مورخ لکھتے ہیں کہ نجاشی نے کئی کشتیاں اور بھی ساتھ کیں جن میں اس کا بیٹا اور بہت سے حبشی تھے۔ اور منشا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوستانہ سلام پہنچانا تھا۔

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۱۶۰۲ و مابعد

[2] طبقات ابن سعد ج ۱/۲ ص ۱۵ طبری صفحہ ۱۵۷۰۔ ابن ہشام صفحہ ۱۰۰۲

Marfat.com

# نجاشی کا خط آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام

طبری اور ابن اسحٰق نے نجاشی کا خط بھی محفوظ کیا ہے جس میں نجاشی نے اپنے پوشیدہ اسلام لانے اور اپنے بیٹے کے بھیجنے کا ذکر کیا ہے جو یہ ہے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الی محمد رسول اللہ
من النجاشی الاصحم
بن ابجر سلام علیک
یا نبی اللہ ورحمۃ اللہ
وبرکاتہ من اللہ الذی
لا الہ الا ھو الذی
ھدانی الی الاسلام
اما بعد فقد بلغنی
کتابک یا رسول اللہ
فیما ذکرت من امر
عیسیٰ۔ فورب السماء
والارض ان عیسیٰ
ما یزید علی ما ذکرت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
بخدمت محمد رسول اللہ از طرف
نجاشی اصحم بن ابجر۔ تجھ پر
اے اللہ کے نبی سلام اور
اللہ کی رحمت اور برکتیں:-
اس اللہ کی جس کے سوا
کوئی معبود نہیں اور جس نے
مجھے اسلام کی ہدایت دی۔
یا رسول اللہ آپ کا خط
مجھے ملا، جس میں حضرت
عیسیٰ کا ذکر تھا۔ زمین
اور آسمان کے مالک
کی قسم کہ آپ کی بیان
کردہ چیز سے حضرت عیسیٰ

ثفروقا۔ انہ کما قلت
وقد عرفنا ما بعثت
بہ الینا وقد قرینا ابن
عمک واصحابہ فاشھد
انک رسول اللہ صادقاً
مصدقاً۔ وقد بایعت
ابن عمک واصحابہ واسلمت
علی یدیہ للہ رب العالمین
وقد بعثت الیک بابنی
ارھا بن الاصحم بن
ابجر فانی لا املک
الا نفسی وان شئت ان
آتیک فعلت یا رسول اللہ
فانی اشھد ان ما تقول
حق والسلام علیک یا رسول اللہ[1]

رتی بھر بھی زیادہ نہیں ہیں
وہ ویسے ہی تھے جیسے آپ
نے فرمایا ہے۔ ہم نے آپ
کے فرستادوں سے تعارف
حاصل کیا اور آپ کے چچازاد
بھائی اور اس کے ساتھیوں
کی مہمان داری کی۔ میں اقرار
کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے
سچے اور تصدیق یاب رسول
ہیں۔ میں نے آپ کے
چچازاد بھائی اور اس کے
ساتھیوں کی بیعت کی اور
اس کے ہاتھوں خدائے
رب العالمین کے سامنے
سر اطاعت تسلیم کیا۔ میں نے

---

[1] حوالے۔ طبری صفحہ ۱۵۶۹ تا ۷۰ عن ابن اسحٰق صبح الاعشیٰ جلد ۶ صفحہ ۴۶۶ تا ۷۰ عن ابن اسحٰق تاریخ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۸۴ زاد المعاد لابن القیم جلد ۳ صفحہ ۶۰ تا ۶۱ اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین لابن کلون خط نمبر ۳۔ زیلعی تخریج احادیث الہدایہ کا ضمیمہ مکتوب ۱۰/۲ سواطع الانوار (تاریخ حبشہ) بر موقع۔

Marfat.com

آپ کی خدمت میں اپنے
بیٹے ارہا بن اصحم بن ابجر کو
بھیجا ہے، کیونکہ میں اپنی ذات
کے سوا کسی کا مالک نہیں اگر
آپ چاہیں کہ میں آپ کے
پاس آجاؤں تو آجاؤں گا۔
کیونکہ میں اقرار کرتا ہوں
کہ جو آپ فرماتے ہیں وہ
حق ہے۔
والسلام علیک یارسول اللہ

یہ وفد حبشہ سے چلا۔ لیکن بعض مورخ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کشتیاں جن میں حبشی تھے سب ڈوب گئیں تو بعض مورخ بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے چند سلامت رہیں۔ جب یہ سفارت مدینہ آئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفور اخلاق سے ان کی خود خدمت کرتے رہے۔ یہ حبشی سپاہی بعض جنگوں میں مسلمانوں کے ساتھ شریک بھی رہے۔
یہودی نے تاریخ مدینہ میں یہاں تک لکھا ہے
کہ نجاشی کے بیٹے نے حضرت علی سے موالات

Marfat.com

بھائی چارہ اختیار کر لیا۔ اور حبشہ واپس جا کر تخت نشین ہونے سے انکار کر دیا۔

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط نجاشی کے نام

اس سفارت کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نجاشی کو کچھ تحفے بھیجے۔ مگر اس عرصے میں اس نجاشی کا انتقال ہو گیا۔ امام مسلم لکھتے ہیں کہ اس کے جانشین کو آنحضرت نے ایک تبلیغی خط لکھا۔ مگر اس کا انجام معلوم نہیں۔

یہ خط بیہقی[1] نے ابن اسحاق کی کتاب سے نقل کر کے محفوظ کیا ہے اور وہ یہ ہے:۔

| | |
|---|---|
| ھذا کتاب من محمد النبی | یہ خط پیغمبر محمد کا حبشیوں کے |
| الی النجاشی الاصحم | سردار نجاشی اصحم کے نام ہے |
| عظیم الحبشۃ۔ سلام | سلامتی اس شخص کے لیے ہے |
| علی من اتبع الھدی | جو راہ ہدایت کی پیروی کرے |
| وآمن باللہ ورسولہ | اور اللہ اور اس کے رسول |
| واشھد ان لا الہ الا اللہ | پر ایمان لائے۔ میں اقرار |
| وحدہ لا شریک لہ لم یتخذ صاحبۃ | کرتا ہوں کہ سوائے اللہ |
| ولا ولدا وان محمدا عبدہ | کے کوئی معبود نہیں وہ اکیلا |

[1] میں نے بدایہ ابن کثیر میں بیہقی کا یہ حوالہ پایا ہے۔

Marfat.com

ورسوله وادعوك
بدعاية الاسلام. فانى انا
رسوله فاسلم تسلم. يا
اهل الكتاب تعالوا الى
كلمة سواء بيننا وبينكم
الا نعبد الا الله ولا
نشرك به شيئا ولا يتخذ
بعضنا بعضا اربابا من
دون الله فان تولوا فقولوا
اشهدوا بانا مسلمون
وان ابيت فعليك اثم
النصارى من قومك

مہر
اللہ
رسول
محمد

ہے۔ اس کا کوئی شریک
نہیں۔ اس کے نہ بیوی ہے
نہ بچہ اور یہ بھی کہ محمد اسی
(خدا) کا بندہ اور رسول ہے
میں تجھے اسلام کے بلاوے
کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ
میں اسی کا رسول ہوں۔ اسلام
لا تو سلامت رہے گا۔ اے
اہل کتاب ایک ایسی بات
پر آجمع ہو جاؤ جو ہم اور تم دونوں
میں برابر ہے۔ یہ کہ ہم سوائے
اللہ کے کسی کی عبادت
نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ
شرک کریں اور نہ ہم اللہ
کو چھوڑ کر آپس میں اپنوں
ہی کو رب بنائیں۔ اگر وہ
پلٹ جائیں تو کہدو کہ ہم تو (خدا کے) فرمانبردار
ہیں۔ اگر تو انکار کرے تو تیری قوم کے نصرانیوں
کا وبال تجھی پر پڑے گا۔ مہر محمد رسول اللہ

Marfat.com

ابھی حال میں حبشی اطالوی جنگ کی ابتدا میں اخباروں نے (ہمدم نے مصر کے اخبار البلاغ سے اور اس نے ادیس ابابا کے اخبار برہان اسلام سے نقل کر کے) یہ خبر شائع کی تھی کہ نجاشی نے اپنے خزانے سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خط جو اب تک محفوظ ہے نکال کر مسلمانوں کے ایک وفد کو دکھایا۔ اس خط کی جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ وہی ہے جو اوپر نقل کی گئی ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ بیان کس حد تک صحیح ہے۔ اس سے پہلے حبشہ کے اس اثری خزانے کی خبر کبھی نہیں آئی تھی۔ حالانکہ موجودہ خبر کے بموجب حبشی اس سے اکثر مشکل اوقات میں کام لیتے رہے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو اور اصلی خطوط گزشتہ صدی عیسوی کے ربع سوم میں دستیاب ہوئے ہیں اور ان کے فوٹو بھی مشرق اور مغرب کے علمی رسالوں میں شائع ہوئے ہیں۔ ان دونوں کے متن بھی بالکل وہی ہیں جیسا کہ قدیم عربی تاریخوں میں محفوظ ہیں۔ اگر نجاشی کے اس مزعومہ خط کا بھی فوٹو حاصل ہو سکے تو ہم کسی بہتر نتیجے پر پہونچ سکیں گے۔ اگر نجاشی بایلا سلاسی

یا اس کے تبرک خانے کے مہتمم نے اپنی جلا وطنی کے زمانے میں مجبوراً فلسطین میں ان یادگاروں کو فروخت کر دیا تھا، جیسا کہ اوپر مسٹر ڈنلاپ کے خط سے اس خط کی اصل کو پانے کے واقعے سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے تو پھر شہادت زیادہ قابل قبول ہو جاتی ہے۔ مگر خدا معلوم اس عالمگیر جنگ نے ان متبرک یادگاروں کا کیا حشر کیا ہے اور وہ اب کہاں ہیں۔

## حبش کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات

بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمانوں کے تعلقات حبشہ کے ساتھ بے حد دوستانہ رہے۔ اور ایسی متعدد حدیثیں ملتی ہیں جن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشیوں سے اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید کی ہے۔ ابتدائی دور اسلام میں بعض فرزندان حبش نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جس جوش و صداقت کے ساتھ ساتھ دیا اسے مسلمان اب بھی ادب کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ اور پہلے مؤذن حضرت بلال حبشیؓ کے نام میں وہ کشش ہے

Marfat.com

کہ جاوی زبان میں بلال کے معنی خود مؤذن کے ہیں۔ اور لندن کی مسجد میں (جو محلہ پٹنی میں ہے) سب سے پہلے انگریز مؤذن کا نام بھی بلال رکھا گیا ہے۔ اور اب بہت کم لوگ جانتے یا جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان مسٹر بلال کا اصلی نام کیا تھا۔ اور یہ گورے بلال خود بھی کالے بلال کے ہمنام ہونے پر فخر کیا کرتے ہیں۔ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ ابرہہ کے حملے کے سلسلے میں بہت سے حبشی بیمار ہو کر مکے ہی میں رہ گئے۔ کچھ عرصہ ہوا مشہور شرقیاتی پادری لامنس نے ۱۹۱۶ء کے ژورنال آزیاتیک (پاریس) میں ایک عجیب اور قابل غور مضمون لکھا ہے۔

Lammens Les Ahabis et l'organisation militaire de la Mecque au siecle de l'Hegire

یعنی "حبشی اور قرن ہجرت کا فوجی نظام مکے میں"۔ اس میں وہ متعدد عربی حوالوں کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ قریش نے ایک مستقل فوج دائمہ ( standing army ) تیار کی تھی، جسے اس ان کے حبشی غلام اور بہت سے تنخواہ یاب

حبشی سپاہی کام کرتے تھے۔ اور قریش ان کو نہ صرف اپنے تجارتی کاروانوں کے سفر کے وقت بطور محافظ دستہ ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ بلکہ اپنی جنگوں میں بھی ان سے مدد لیتے تھے۔ مسلمانوں سے جنگوں کے سلسلے میں اکثر قریش و احابیشہ کا ذکر تاریخوں میں آیا ہے۔

## مصر کے جنوبی علاقے میں اسلام کی اشاعت

عہد نبوی کے بعد مسلمان جب تیزی سے چاروں طرف پھیلنے لگے تو مصر کا جنوبی علاقہ بھی نور اسلام سے منور ہونے لگا۔ معلوم نہیں وہاں اسلام کا آغاز کب اور کس طرح ہوا۔ چونکہ مصر سے اس علاقے کے تجارتی تعلقات قدیم اور کثیر تھے اس لئے مصر کی فتح کے بعد ہی عرب مسلم تاجروں نے اسلام یہاں پہنچا دیا ہوگا۔ بہرحال حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانے میں نوبیہ کے علاقے میں مسجدوں کا پتہ چلتا ہے۔ مقریزی نے خطط مصر (باب البقط) میں لکھا ہے کہ جب حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت عمرؓ کے زمانے میں مصر میں فاتحانہ آئے تو انھوں نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو ۲۰ھ یا ۲۱ھ میں بیس ہزار فوج دے کر مصر کے جنوب میں

نوبیہ روانہ کیا۔ اور جب بہت دن ہو گئے تو عمرو بن العاصؓ نے ان کو واپسی کا حکم دیا۔

## نوبیہ پر مسلمانوں کی چڑھائی اور معاہدہ

جب عمرو بن العاص کی وفات ہو گئی نوبیوں نے اس صلح کو توڑ دیا، چنانچہ ان میں اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح میں ہوئی تھی۔ اور وہ جنوبی مصر پر یکبارگی لوٹ مار کرنے لگے۔ اس پر عبداللہ بن سعد نے کر نوبیہ پر چڑھائی کی۔ اب یہ خود مصر کے گورنر ہو گئے تھے اور یہ حملہ یعنی حضرت عثمانؓ کا زمانہ ہے۔ چنانچہ نوبیہ کے پایۂ تخت دنقلہ (دونگولہ) کا محاصرہ کر کے منجنیق سے پتھر برسائے جس سے ان کا گرجا منہدم ہو گیا۔ اس پر ان کا بادشاہ قلبدیطس گھبرا گیا اور بڑی عاجزی سے صلح کی درخواست کی اور معذرت کی کہ کھانے پینے کی تنگی سے لوٹ مار ہوتی ہے۔ چنانچہ گفت صلح ہوئی، جس میں نوبیوں نے سالانہ تین سو ساٹھ غلام کا پیشکش کیا اور مسلمانوں نے ان کو غلہ ہدیہ کرنا منظور کیا اور ایک معاہدہ لکھا گیا جو بقدار (pact) کہلاتا ہے۔ اس کی نقل جس میں دنقلہ کی جامع مسجد کا بھی ذکر ہے یہ ہے:-

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱- عهد من الامیر عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح لعظیم النوبة وجمیع اهل مملکته

۲- عهد عقده علی الکبیر والصغیر من النوبة من ارض اسوان الی حدّ ارض علوة

۳- ان عبد اللہ بن سعد جعل لهم اماناً وعهد نة جارية بينهم وبين المسلمين ممن جاورهم من اهل صعيد مصر وغيرهم من المسلمين واهل الذمة

۴- انکم معاشر النوبة آمنون بامان اللہ وامان رسوله محمد النبی صلی اللہ علیه وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱- امیر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا معاہدہ نوبہ کے حکمران اور اس کے جملہ اہل ملک کے لئے۔

۲- معاہدہ جو نوبہ کے بڑے چھوٹے سبھوں کے لئے اسوان سے علوہ تک کے علاقے کے لئے کیا گیا ہے۔

۳- عبداللہ بن سعد نے ان کو ایک امن عطا کیا اور ایک صلح منظور کی ہے جو ان کے اور ہمسایہ جنوبی مصر وغیرہ کے مسلمانوں اور ذمیوں کے مابین جاری ہوگی۔

۴- اے نوبہ والو! تمھیں خدا اور رسول کا امان دیا جاتا ہے کہ ہم تم سے نہ جنگ کریں گے نہ لڑائی

Marfat.com

ان لا نحاربکم ولا ننصب لکم حربا ولا نغزوکم ما اقمتم علی الشرائط التی بیننا وبینکم

جب تک تم ہماری باہمی شرطوں پر قائم رہو۔

۵۔ علی ان تخلوا بلدنا مجتازین غیر مقیمین فیہ وندخل بلدکم مجتازین غیر مقیمین

۵۔ یہ کہ تم ہمارے ملک میں آکر گزر سکو گے۔ بس نہ سکو گے۔ اور ہم تمہارے ملک میں آکر گزر سکیں گے مقیم نہیں ہو جائیں گے۔

۶۔ وعلیکم حفظ من نزل بلدکم او یطرقہ من مسلم او معاھد حتی یخرج عنکم

۶۔ جو مسلمان یا ذمی تمہارے ملک میں آئے یا اس میں سے گذرے تو تمہارے علاقے سے واپسی تک اس کی حفاظت تمہارا فرض ہے۔

۷۔ وان علیکم رد کل آبق خرج الیکم من عبید المسلمین حتی ترد وہ الی ارض الاسلام ولا تستولوا علیہ ولا تمنعوا منہ ولا تتعرضوا لمسلم

۷۔ اور مسلمانوں کا کوئی بھگوڑا غلام تمہارے پاس آئے تو تم اسے اسلامی سرزمین میں واپس کر دو گے اس پر قبضہ نہ کر لو گے اور نہ اس سے کوئی مسلمان ملنا اور

قصده وحاوره الى ان
ينصرف عنه

اور بات کرنی چاہے تو تم ممانعت و
تعرض کرو گے تا آں کہ وہ مسلمان واپس چلا جائے

۸- وعليكم حفظ المسجد
الذي ابتناه المسلمون
بفناء مدينتكم والا صنعوا
منه مصليا وعليكم كنسه
واسراجه وتكرمته

۸- تمہارے شہر میں مسلمانوں نے
جو مسجد بنائی ہے اس کی حفاظت
تمہارا فرض ہے وہاں کسی غازی
کو جانے سے تم نہ روگے وہاں
جھاڑو صفائی اور روشنی تمہارا
فرض ہے۔

۹- وعليكم في كل سنة
ثلاث مائة وستون راسا
تدفعونها الى امام المسلمين
من اوسط رقيق بلادكم
غير المعيب يكون فيها
ذكران واناث ليس فيها
شيخ هرم ولا عجوز ولا
طفل لم يبلغ الحلم تدفعون
الى والى اسوان۔

۹- تم سالانہ تین سو ساٹھ غلام
مسلمانوں کے حکمراں کو خراج
دو گے جو اوسط قسم کے تمہارے
ملک کے ہوں۔ ان میں عیب
نہ ہوں کچھ مرد اور کچھ عورتیں۔
مگر نہ بہت بوڑھے بوڑھیاں
اور نہ نابالغ بچے یہ اسوان کے
والی کے سپرد کئے جائیں گے۔

Marfat.com

۱۰- ولیس علی المسلمین دفع عدو عرض لکم ولا منعہ منکم من حر ارض علوۃ الی ارض اسوان

۱۰- علوہ اور اسوان کے مابین تم پر کوئی حملہ آور ہو تو اس کا روکنا مسلمانوں کا فرض نہیں۔

۱۱- فان انتم آویتم عبداً لمسلم او تمتم مسلماً او معاھداً او تعرضتم للمسجد الذی انبذہ المسلمون بفناء مدینتکم بھدم او منعتم شیأ من الثلاث مائۃ راس وستین راساً فقد برئت منکم ھذہ الھدنۃ والامان وعدنا نحن وانتم علی سواء حتی یحکم اللہ بیننا وھو خیر الحاکمین۔

۱۱- اگر تم مسلمانوں کے کسی (بھگوڑے) غلام کو پناہ دو یا کسی مسلمان یا ذمی کو قتل کرو یا اس مسجد سے تعرض کرو جو مسلمانوں نے تمہارے شہر میں تعمیر کی ہے اور اس کو منہدم کر دو یا تین سو ساٹھ غلاموں کے پیشکش میں کمی کرو تو یہ صلح و امان ختم ہو جائے گا۔ اور ہم حالت بربری پر عود کر آئیں گے تا آنکہ خدا ہم میں فیصلہ نہ کرے وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

۱۲- علینا بذالک عھد اللہ ومیثاقہ وذمتہ وذمۃ رسولہ

۱۲- ہم پر اس سلسلے میں خدا اور رسول کا ذمہ اور واسطہ ہے اور

Marfat.com

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولنا علیکم بذالک اعظم ما تدین بہ من ذمۃ المسیح وذمۃ الحواریین وذمۃ من تعظمونہ من اھل دینکم وملتکم۔ واللہ الشاھد بیننا وبینکم علی ذالک۔

تمہارے لئے تم پر تمہارے دین کی سب سے بڑی اعتقادی چیز یعنی حضرت مسیح اور حواریوں اور اپنے دین و ملت کے دیگر بزرگ اشخاص کی ذمہ داری ہے اللہ ہم میں اور تم میں اس پر گواہ ہے۔

۱۳۔ کتبہ عمرو بن شرجیل فی رمضان سنۃ احدی وثلثین۔

۱۳۔ اسے ۳۱ھ میں رمضان میں عمرو بن شرجیل نے تحریر کیا۔

مقریزی نے تفصیل کے ساتھ اس معاہدے کی تعمیل کی رسمیں بیان کی ہیں کہ ہر سال غلاموں کی حوالگی کے وقت کیا طریقہ انجام پاتا تھا اور کس طرح رواج نے گورنر مصر اور افسران متعلقہ کے لئے بھی کچھ حقوق مستقرہ پیدا کر دیئے تھے اور کس طرح اور کس مقدار میں انھیں غلہ عطا کیا جاتا تھا۔ اور یہ کہ رواج نے کس طرح غلے کے علاوہ کپڑے وغیرہ کو بھی اس میں شامل کرا دیا تھا۔ چونکہ نوبی قوم عیسائی تھی اس لئے سالانہ سفارت کے موقع پر ایک زمانے میں شراب

کے پیسے بھی تحفہ دیئے جانے لگے تھے تو علماء نے اس میں مداخلت کی تھی۔

## حبش کے بعض ساحلی علاقے اور ان کا یکساں نظم

حبشہ اور نوبہ سے متصل بُجہ کا علاقہ ہے جو دریائے نیل اور بحر احمر کے مابین بندر عیذاب (حالیہ پورٹ سوڈان) سے جنوبی سکین تک پھیلا ہوا ہے۔ مقریزی نے (باب "ذکر البجہ" میں) لکھا ہے کہ ان میں بھی جنوبی ہند کے بعض ساحلی علاقوں کی طرح مادرانہ معاشرہ رائج تھا۔ یعنی کسی کا وارث بیٹا نہیں بلکہ بھانجا اور نواسہ ہوتا تھا اور یہ کہ ان میں کوئی سیاسی تنظیم اور کوئی مذہب نہ تھا۔ جب عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے نوبہ پر حملہ کیا تھا تو اس علاقہ پر بھی توجہ کی تھی لیکن جب یہاں کی حالت سے آگاہی ہوئی کہ کوئی حکومت ہی نہیں ہے جو مقابلہ کر سکے تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا حتیٰ کہ کوئی معاہدہ تک نہیں طے ہوا۔ اور یہ کہ سب سے پہلی مرتبہ ان سے معاہدہ عبیداللہ بن الحجاب السلولی دزمانہ گورنری ۱۰۷ھ تا ۱۱۶ھ) نے کیا تھا جس میں مذکور تھا کہ "سالانہ ان لوگوں کو تین سو اونٹ دیئے جایا کریں گے۔ یہ تجارت کے لئے اسلامی سرزمین سے گزر سکیں گے۔ لیکن وہاں بس جانے کی اجازت نہ ہوگی۔ یہ کہ ان کے علاقے میں مسلمان اور ذمی رعایا کو جان و مال کا امن حاصل رہے گا۔ ورنہ ان سے معاہدہ

Marfat.com

کالعدم سمجھا جائے گا۔ نیز یہ کہ مسلمانوں کے غلام بھاگ کر اس کے علاقے میں آئیں تو وہ واپس کر دیئے جائیں گے۔ معاہدے کی تعمیل کے لئے ان کا ایک وکیل بطور یرغمال مصر میں رہتا تھا اور خلاف ورزی کی سزائیں مقرر تھیں۔ چنانچہ ایک بکری کی لوٹ پر چار دینار اور ایک گائے کی لوٹ پر دس دینار جرمانہ ہوتا تھا اور بھگوڑے غلاموں کی عدم واپسی پر بھی ان سے خراج کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ ان کے علاقے میں مسلمان جا کر بسنے، وہاں کے شاہی خاندان میں شادی بیاہ کرنے اور ان کی کانوں کو کھود کر استفادہ کرنے لگے، جس کے باعث ان لوگوں کا وحشی پن بھی رفتہ رفتہ کم ہوتا گیا لیکن خلیفہ مامون کے زمانے میں ان لوگوں نے لوٹ مار بہت شروع کی تو صبیح سالار عبداللہ بن جہم کو بھیجا گیا اور مختلف معرکہ آرائیوں کے بعد بجہ کے حاکم کنوان بن عبدالعزیز سے صلح چاہی جس کا طویل متن مقریزی نے نقل کیا ہے۔ جس کے اہم فقرات یہ ہیں:۔

"تو اللہ تیری رعایا سب خلیفہ مامون کے غلام سمجھے جائیں گے البتہ اپنے علاقے میں تو حسب حال بادشاہ رہے گا اور تو حسب سالق سوا اونٹ یا تین سو دینار کا سالانہ خراج ادا کرے گا۔۔

Marfat.com

اسلام، قرآن یا جناب رسالتؐ کی شان میں کوئی گستاخی کرے تو معاہدہ منسوخ سمجھا جائے گا۔۔۔ دشمنان اسلام کو مدد بھی نہ دو گے۔۔۔ کسی مسلمان ذمی یا آزاد کو قتل کرو تو دس خون بہا اور غلام تو قیمت کا دس گنا، اور اسی طرح اسلامی رعایا کا مال لٹے تو دس گنا جرمانہ وصول کیا جائے گا۔۔۔ اسلامی رعایا کو تیرے علاقے سے گزرنے میں کوئی ممانعت نہ ہوگی اور نہ رہزنی کی جائے گی۔۔۔ مسلمانوں کی بنائی ہوئی مسجدوں کو نہ ڈھاؤ گے۔۔۔ یہ کہ کنون بن عبدالعزیز بطور یرغمال مصر میں مقیم رہے گا، تاکہ معاہدے کی تعمیل کا اطمینان حاصل ہو۔۔۔ یہ کہ اسلامی افسر مسلمانان بجہ سے زکوٰۃ وصول کرنے علاقہ بجہ میں آسکیں گے۔۔۔ اس کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا گیا اور اس پر گواہیاں بھی ثبت کرائی گئیں۔"

اس کی تعمیل خلیفہ متوکل کے زمانے تک ہوتی رہی۔ پھر لوٹ مار بڑھ گئی تو ایک مہم بھیجی گئی، جس نے فن حرب کی مہارت سے باوجود تعداد کی کمی کے دشمن کو فاش شکست دی اور ان کے حکمراں کو بغداد جا کر خلیفے کے قدموں پر گرنے پر مجبور کیا۔ یہ ۲۴۱ھ کا واقعہ ہے اور بعض مزید حقوق مسلمانوں کے لئے حاصل کر کے کمر صلح کی گئی۔

حبشی علاقوں کے بہت سے حالات مقریزی نے "الالمام" نامی ایک مستقل کتاب میں بھی لکھے ہیں۔ لیکن ہمارا موضوع قبل اسلام اور ابتدائے اسلام کے تعلقات کا تذکرہ ہے اور بعد کے حالات محض تکملہ ہیں۔

## ضمیمہ

مذکورہ بالا تحریر کی کتابت ہو چکی تھی کہ بعض نئے معلومات معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ ان کو بطور ضمیمہ شامل کیا جاتا ہے۔ اوپر مسٹر ڈنلاپ کے مکتوب بنوی بنام نجاشی کو دریافت کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ابھی ابھی ان کا ایک خط گلاسگو سے آیا ہے اور ان کا موعودہ مضمون بھی چھپ گیا ہے۔ جس میں مکتوب مبارک کا فوٹو بھی شامل ہے۔ چنانچہ رسالہ جے آر۔ اے۔ ایس لندن بابتہ جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ (۴۵ تا ۶۰) ملاحظہ ہو۔

اصل نامہ مبارک ایک جھلی پر ہے جو (۱۳ ½) انچ لمبی اور (۹) انچ چوڑی ہے، جس پر علاوہ مہر کے سترہ سطریں خط حبلی میں ہیں اور صاف پڑھی جاتی ہیں۔ مکاتیب بنویہ بنام مقوقس وغیرہ کے خط سے اس کا خط بدلا ہوا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ کاتب دوسرا ہوگا۔ لیکن انداز خط اور رسم الخط وہی قدیم ہے مسٹر ڈنلاپ کے دوست ماہرین نے یہ بھی تسلیم کیا کہ مکتوبوں کے آخر جو خبر ہے وہ

مہر فوٹو میں صاف نہیں آسکی ہے۔

بہرحال ہم شکل اور ہم خط اور یکساں ہے۔ اور یہ امر خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ اوپر ہم نے مسٹر ڈنلاپ کے خط کے حوالے سے جو متن نقل کیا ہے اس میں فوٹو کے دیکھنے پر خفیف ترمیم کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ سطر ۱۲ میں "تومن" کی جگہ "توقن" پڑھا جائے اور سطر ۱۶ میں "فاقبل ونصیحتی" کی جگہ "فاقبلو نصیحتی" (بغیر الف جمع کے) اور سطر ۱۷ میں "انتبع" کی جگہ "انتبع" (دو ت سے) لکھا ہوا ہے اور یہ آخری دونوں چیزیں میرے نزدیک فن تحریر کے آغاز کا زمانہ ہونے کی وجہ سے خط کے اصلی ہونے کی دلیل ہیں۔ زمانہ مابعد کا جعل ہوتو کاتب ایسی غلطیاں نہ کرتے۔ اصل میں یہ غلطیاں نہیں ہیں بلکہ عہد نبوی میں ان کا رواج ہونا خود قرآن مجید سے ثابت ہے۔ چنانچہ ماضی جمع کے صیغے میں بارہا بغیر الف کے قرآن میں الفاظ ملتے ہیں اور آیت "والسماء بنیناھا بأیدٍ" میں "دوی" لکھتے ہیں حالانکہ تلفظ "بأید" ہے۔ نامہ مبارک کی روشنائی کھجور کے رنگ کی سرخ ہے۔ اسے دمشق میں کسی شخص نے ۱۹۳۸ء میں حبشہ کے ایک پادری سے خرید کیا اور اسے کچھ دن انگلستان بھیجا گیا تاکہ برٹش میوزیم وغیرہ کے ماہرین اس کی جانچ کریں اور مسٹر ڈنلاپ کا بیان ہے کہ علالیس نے اسے واپس لے جاکر اس کے مالک

Marfat.com

کو پنجاد یا جو دمشق کا ایک خانگی فرد ہے۔ مضمون نگار نے یہ بھی لکھا ہے کہ جن ماہرین نے اسے دیکھا ان میں سے متعدد نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس عجلی کا نئے کی بجائے پرانا ہونا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ برٹش میوزیم کے ماہروں نے البتہ اس کا اتنا قدیم ہونا کہ عہد نبوی کا ہو تسلیم نہیں کیا — لیکن ظاہر ہے کہ جب تک عہد نبوی کی کسی اور اصلی اور مسلمہ عجلی سے اس کا مقابلہ نہ کیا جائے صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ "یہ اتنی پرانی نہیں معلوم ہوتی"۔

مسٹر ڈلاپ نے اس عجلی کو صرف سرسری اور سطحی بلکہ اپنی آپ تردید کرنے والی دلیلوں کی بنیاد پر محض حالیہ (تقریباً ستر اسی سال کی) قرار دیا ہے۔ مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی دلائل کا جواب رسالہ حج آرکیالوجی میں دوں جہاں وہ ابتدائی مضمون چھپا ہے یوں بھی اس میں بہت سے خشک فنی مباحث آجاتے ہیں جن کی یہاں جگہ نہیں اور میری رائے میں قرائنی شہادت بہت کچھ مکتوب کے اصلی ہونے کی تائید میں ہے۔

Marfat.com

صفحه ۱۸۰

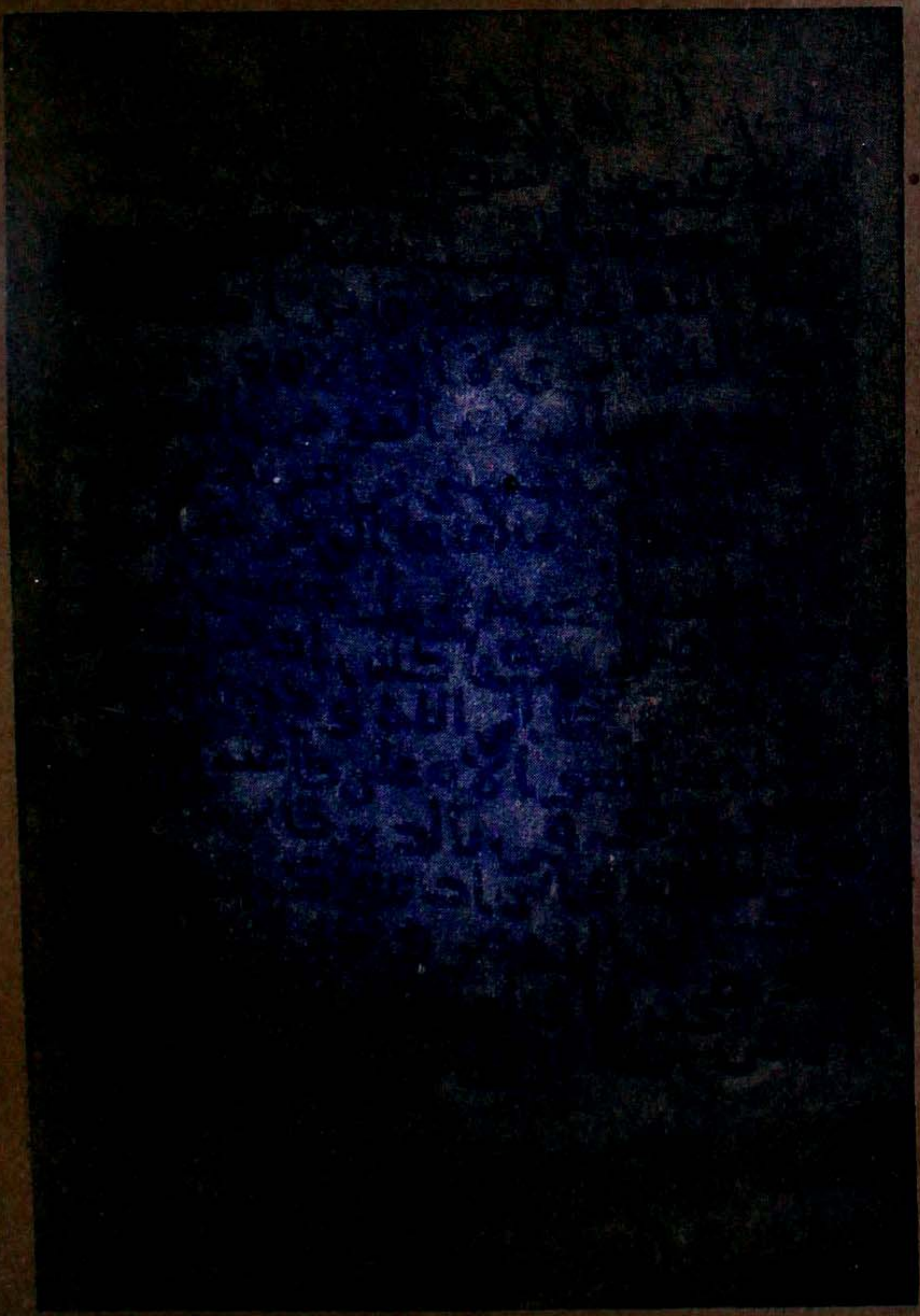

# اصل مکتوب نبویؐ بنام نجاشی

## کی

# نئی دستیابی

مجلہ عثمانیہ جلد (۹) شمارہ (۳-۴) ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۹ء میں مضمون مکتوبات نبویؐ کے دو اصول کے آخر میں ایک اخباری اطلاع کا ذکر کیا گیا تھا کہ موجودہ نجاشی حبشہ نے مکتوب نبویؐ کی جو اپنے زمانے کے نجاشی کے نام آیا تھا۔ لوگوں کو زیارت کرائی۔ مگر کوئی تفصیلی اطلاع نہیں ملی تھی۔ اس کے بعد سے بڑے بڑے انقلاب رونما ہوئے۔ نجاشی کو لندن میں جا پناہ گزیں ہونا پڑا اور حبشہ پر اطالوی قبضہ ہو گیا۔ پھر موجودہ جنگ چھڑی۔ مگر جوش قسمتی سے اس اہم اور مبارک دستاویز کے متعلق کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں جو باعث دلچسپی ہوں گے۔

۱۱ مئی ۱۹۳۹ء کو جب میں نے جامعہ آکسفورڈ میں ابتدائے سنہ ہجری کے چند عربی کتبات مدینہ پر ایک فانوسی لکچر دیا اور ان کتبات کے خط کا مقابلہ سابق میں دستیاب شدہ مکتوبات نبویؐ بنام مقوقس و منذر سے کیا تو پروفیسر ماگولیوث نے جلسے میں بیان کیا تھا کہ ایک اور مکتوب نبویؐ جو نجاشی حبشہ کے نام بھیجا گیا تھا

دستیاب ہوگیا ہے اور اسکاٹ لینڈ کے ایک شخص کے پاس ہے۔ جلسے کے بعد میں نے پروفیسر مارگولیوتھ کے توسط سے اس شخص کو ایک خط بھیجا۔ کئی ماہ بعد مجھے اس کا جواب حیدرآباد میں ملا۔ خط نویسندہ مسٹر ڈنلاپ کا قیام ان دنوں شام میں تھا۔ جواب میں مکتوب مبارک کی ایک نقل جو ہاتھ سے کی گئی تھی منسلک تھی اور وعدہ تھا کہ اسکاٹ لینڈ واپسی پر مجھے فوٹو بھی بھیجا جائیگا نیز یہ کہ اس پر ایک مضمون جلد لندن کے رسالہ میں۔ آر۔ اے۔ ایس میں بھی چھپے گا۔ اتنے میں جنگ شروع ہوگئی لیکن اتنے حالات میں نے اسلامک کلچر حیدرآباد (اکتوبر ۱۹۳۹ء صـ ۴۲۹ کی تعلیق ۱) اور مصر میں شائع شدہ کتاب الوثائق السیاسیۃ (صـ ۲۵ تا ۲۸ کی تعلیق ۱) میں شائع کرا دیئے۔

موعودہ مضمون بے۔ آر۔ اے۔ ایس کے شمارہ جنوری ۱۹۴۲ء میں چھپا۔ لیکن یہ پرچہ دقت سے بہت دنوں بعد ہندوستان پہنچا۔ اس میں یہ مضمون صـ ۵۲ تا ۶۰ میں چھپا ہے اور مکتوب مبارک کے فوٹو کا بلاک بھی وہیں شائع ہوا ہے۔

اس مضمون کے ضروری اقتباسات کا ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ہے:

یہ خط ایک جھلی پر لکھا ہوا ہے جو کوئی نو انچ چوڑی اور ساڑھے تیرہ انچ لمبی ہے۔ حروف مدور ہیں اور بڑے ہونے کے باعث پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے۔ سیاہی جو استعمال کی گئی ہے وہ خاکی (براؤن) ہے خط کا مضمون سترہ سطروں میں ہے جس کے آخر میں ایک گول مہر کا نشان

ہے جس کا قطر ایک انچ کا ہے۔ اس کی عبارت نیچے سے یوں ہے۔
"محمد رسول اللہ" اور ہر لفظ علیحدہ علیحدہ سطر میں ہے[1]۔ اور خط میں یہ عبارت ہے۔

سطر (۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
(۲) من محمد رسول اللہ الی النجا
(۳) شی عظیم الحبشۃ سلام علی من
(۴) اتبع الھدی۔ اما بعد فانی احمد الیہ
(۵) ک اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک
(۶) القدوس السلام المومن المھیمن
(۷) واشھد ان عیسی بن مریم روح
(۸) اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم البتو
(۹) ل الطیبۃ الحصینۃ فحملت بعیسی من ر
(۱۰) وحہ ونفخہ کما خلق آدم بیدہ و
(۱۱) انی ادعوک الی اللہ وحدہ لا شر
(۱۲) یک لہ والموالاۃ علی طاعتہ وان
(۱۳) تتبعنی وتوقن بالذی جاءنی فانی ر
(۱۴) سول اللہ۔ وانی ادعوک وجنو
(۱۵) دک الی اللہ عز وجل وقد بلغ
(۱۶) ت ونصحت فاقبلوا نصیحتی والسلام

[1] افسوس کہ جے آر۔ اے ایس میں جو فوٹو چھپا ہے اس میں مہر بالکل مٹی ہوئی ہے

(۱۷) علی من اتبع الھدیٰ
کذا

یہ دستاویز اکتوبر ۱۹۳۸ء میں دمشق میں حاصل ہوئی۔ میں اسے انگلستان لے گیا۔ برٹش میوزیم میں مسٹر بل اور مسٹر فلٹن نے اسے دیکھا... پروفیسر مارگولیوث اور گلاسگو کے مسٹر رابسن وغیرہ عربی دانوں کے دیکھنے کے بعد میں نے اسے واپس لے جا کر دمشق میں اس کے مالک کو پہنچا دیا جو وہاں ایک خانگی شخص ہے۔ اصل تو نہیں البتہ اس کے فوٹو کو مختلف اوقات میں جامعہ بون (جرمنی) میں پروفیسر کالے اور پروفیسر ہیفیننگ نے بھی دیکھا سابق میں یہ دستیاب شدہ مکتوب نبوی (بنام مقوقس) سے مقابلے پر عام مشابہت نظر آئی۔ خاص کر مہر دونوں پر یکساں معلوم ہوئی۔ خط مختلف تھا اور ظاہر ہے کہ یہ کاتب کے مختلف ہونے کا نتیجہ ہوگا اس خط کا متن جو عربی تاریخوں میں ملتا ہے ان میں باہم خفیف سا فرق ہے۔ چنانچہ تاریخ طبری میں خط کی سطر ۳ میں النجاشی الاصحم ملک الحبشۃ ہے یعنی نام زائد ہے اور "عظیم" کی جگہ "ملک" کا لفظ ہے نیز سلام علی من اتبع الھدیٰ کی جگہ "سلام انت" ہے اور "اما بعد" نہیں ہے اور خاص کر آخر میں طبری میں "وقد بعثت الیک ابن عمی جعفرا ونفرا معہ من المسلمین فاذا جاءک فاقرھم ودع التجبر" کا جملہ زائد ہے باقی خط تقریباً یکساں ہے۔ طبری کے برخلاف سیرۃ حلبیہ میں جو متن ہے وہ

ہو بہو یکساں معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ اس میں "توقن بالذی جاءنی" بھی ہے ورنہ عام طور سے طبری اور دیگر مؤلف اس کی جگہ "تومن بالذی جاءنی" کی روایت کرتے ہیں علم خطوط قدیمہ کے نقطۂ نظر سے برٹش میوزیم کے ماہروں کی رائے تھی کہ وہ اتنا قدیم نہیں معلوم ہوتا جتنا بیان کیا جاتا ہے۔ جن جن لوگوں نے اصلی جھلی کو دیکھا ہے ان میں سے متعدد کی یہ رائے کہ اس جھلی کا جدید کے مقابل قدیم ہونا زیادہ قرین قیاس ہے۔ مسٹر حمید اللہ مؤلف کتاب فرانسیسی پر سیاست خارجۂ اسلام بزمانۂ نبویؐ کا خیال ہے کہ مکتوب نبویؐ کی اصل موجودہ نجاشی کے کتب خانے میں ہوگی[1]۔ موجودہ مالک کا بیان ہے کہ اس نے چند سال قبل یہ دستاویز حبش کے ایک پادری کے پاس سے حاصل کی۔ اس لئے یہ قرین قیاس ہے کہ سابق میں وہ شہنشاہ حبشہ کے کتب خانہ میں رہی ہو۔ اور حالیہ (حبشی اطالوی) جنگ کے دوران میں وہ کسی طرح ایک پادری کے قبضہ میں آئی جس نے بعد میں شام کا سفر کیا۔۔۔"

اس قدر حالات دینے کے بعد مسٹر ڈنلاپ نے اس مکتوب کے جعلی ہونے کی رائے ظاہر کی ہے۔ اور اس کی دلیلیں مختصراً یہ ہیں۔

---

[1] میں نے یوں نہیں لکھا تھا بلکہ خط میں یہ رائے ظاہر کی تھی کہ اصل کا حبش کے کسی شخص سے حاصل کیا جانا بیان کیا جاتا ہے تو ممکن ہے کہ جلاوطنی کے زمانے میں خود نجاشی یا اس کے ساتھی یہ مکتوب اپنے ساتھ حبش سے لائے ہوں۔ کیونکہ چند دن قبل اس کے حبش میں ہونے اور عام زیارت کرائے جانے کی خبر آئی تھی (م۔ ح ۱)

۱۔ پیغمبر اسلام نے خطوط بھیجے ہی نہیں۔ آپ اپنے کو عالمگیر نبی نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ صرف عرب کی اصلاح چاہتے تھے۔ اصل میں بعد کے زمانے میں جب عیسائی مسلمان ہوئے اور انھوں نے بتایا کہ حضرت عیسیٰ نے تمام دنیا میں اپنے حواری تبلیغ کے لئے بھیجے تھے تو مسلمانوں نے بھی اپنے نبی کی عزت کسی سے گھٹی ہوئی نظر نہ آنے کے لئے یہ قصہ گھڑ لیا ہے۔

۲۔ سابق میں مقوقس اور منذر بن ساوی کے نام جو اصل مکتوبات نبوی دستیاب ہوئے تھے اُن کے متعلق ڈیلڈ کے اور سوالی نے اور شلانشر نے جعلی ہونے کی رائے دی تھی۔

۳۔ برٹش میوزیم کے ماہرین نے موجودہ جعلی کو جعلی قرار دیا۔

۴۔ سیرۃ ابن ہشام میں جہاں مکتوبات نبویہ کے بھیجے جانے کا ذکر ہے وہاں شروع میں ابن اسحاق کا نام نہیں ہے۔ گویا یہ روایت ابن ہشام کی یا ان کے زمانے کی پیداوار ہے؟

۵۔ قرآن مجید کے جو پرانے نسخے ملتے ہیں ان کے خط سے اس مکتوب کا خط کافی مختلف ہے۔

۶۔ آج کل بہت سی چیزیں پرانی کہکر بیچی جا رہی ہیں مگر وہ جعلی چیزیں ہیں۔

۷۔ اس خط کا متن جو عربی تاریخوں میں ہے اس میں اور جعلی کی عبارت میں خاصا فرق ہے۔

یہ ثبات دلیلیں جن میں سے زیادہ تر صرف پرانی پادریانہ باتیں دہرائی گئی ہیں کسی سنجیدہ التفات کے قابل نہیں تھیں۔ صرف نوجوان ناظرین کے معلومات کے لئے ان کی کچھ تحلیل کر دی جاتی ہے۔

**پہلی دلیل** ۔ محض ایک بے تکا اعتراض ہے۔ ما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین ۔ ما ارسلناک الا کافۃ للناس ۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ۔ وغیرہ قرآن مجید کی متعدد آیتیں بتاتی ہیں کہ رسول عربی عالمگیر نبی تھے یہ امر بات ہے کہ انسان ہونے کی وجہ سے اس عالم اسباب میں آپ نے اپنی تبلیغی زندگی صرف حجاز میں گزاری ہو۔

اس کے برخلاف حضرت عیسیٰ کے متعلق خود انجیل میں، کئی جگہ مذکور ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کے نبی ہیں حتیٰ کہ اپنی مبلغوں کو بھی ہدایت کی کہ غیر یہودیوں میں تبلیغ نہ کریں اور فرمایا کہ میں صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ اور امریکی پادریوں کی جدید تحقیقات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کا حواریوں کو دنیا کے مختلف حصوں میں بھیجنا ایک من گھڑت قصہ ہے انھوں نے خود نہیں بھیجا تھا۔ بہرکیف یہ اعتراض اور الزامی جواب اس بحث سے کم متعلق ہیں۔ اگر ڈلاپ صاحب خود اسے نہ چھیڑتے تو ہم بھی اس بحث میں نہ پڑتے۔ عہد نبویؐ میں موتہ (فلسطین) پر حملہ کیا اس دعوے کا جواب نہیں ہے کہ آپ صرف عرب کے نبی تھے؟!

**دوسری دلیل** ۔ اس کا تفصیلی جواب اپنے سابقہ مضمونوں میں دے

چکا ہوں - دیکھئے مجلہ عثمانیہ (جلد ۹ شمارہ ۳ - ۴ - مکتوبات نبوی کے (دو اصول)
اور اسلامک کلچر (اکتوبر ۱۹۳۵ء ابتدائے سنہ ہجری کے چند عربی کتبات
دینار آفرالذکر زیادہ مفصل ہے - اب انھیں اعتراضات کو دہرا کر جوابات
دینا تحصیل حاصل ہے - مختصر یہ وہ اعتراضات ناواقف اور جاہل لوگوں کے
ہیں یوں بھی دیگر خطوط جعلی ہوں تو یہ کیا ضروری ہے کہ موجودہ خط بھی جعلی
ہی ہو -

تیسری دلیل :- برٹش میوزیم کے دو ماہرین نے صرف اتنا کہا کہ جعلی
اتنا پرانا نہیں معلوم ہوتا کہ عہد نبوی کی ہو - اس قسم کے تخمینی معاملات
میں "ماہرین" میں قطعاً کثیر اور مضحکہ خیز اختلاف ہوتا ہے وہ علم آثار قدیمہ سے ادنیٰ
مس رکھنے والے بھی جانتے ہیں - ہم نے اصلی جعلی کے دیکھنے کا موقع نہیں
پایا - ممکن ہے بعض دوسرے ماہر دیکھیں تو اس جعلی اور اس کی تحریر کو اتنا
ہی قدیم قرار دیں جتنا اس کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے -

چوتھی دلیل - اس نادانستہ اعتراض کا تفصیلی جواب میں نے رسالہ
معارف اعظم گڑھ دسمبر ۱۹۳۵ء میں آنحضرتؐ کا خط قیصر روم کے نام"
میں دیا ہے - مختصر یہ کہ عبارت کے شروع میں "قال ابن اسحاق" نہ کہنے
سے کچھ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ایک تو دوران عبارت میں کئی جگہ ابن اسحاق کا
ذکر ہے اور دوسرے ابن ہشام نے آخر میں بیان کیا ہے کہ فلاں فلاں
مکتوبات نبویہ کا ذکر خاص میرا ہے - جس کے معنے صاف یہ ہیں کہ باقی خطوط
کا ذکر ابن اسحاق ہی کے حوالے سے ہے -

Marfat.com

پانچویں دلیل۔ سے بھی کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ اول تو قرآن مجید کا خط خاص آرائش سے لکھا جانا چاہئے اور معمولی سرکاری مراسلے الگ دفتری خط میں۔ دوسرے مقابلہ تو ایسی تحریروں سے ہو جو مسلمہ طور سے عہد نبوی یا اس کے قریبی زمانے کی ہوں نہ کہ کئی صدی بعد کی تحریروں سے۔

چھٹی دلیل کو بچکانی اعتراض کہنا چاہئے۔ بازار میں تاجر بھاؤ بڑھانے کو کوئی چیز پرانی بتائے تو ہمیشہ اور سو فی صد صورتوں میں اس کا جھوٹ کہنا کیا ضروری ہے؟ ہم کو اپنی ذاتی رائے قائم کرنی چاہئے نہ کہ دودھ سے جل چکے ہوں تو چھاچھ بھی پھونک پھونک کر ہی پئیں۔

ساتویں دلیل ہی البتہ ایک ایسی چیز ہے جو سنجیدہ توجہ کی مستحق ہے ۱۹۳۴ء میں جب میں نے اپنا فرانسیسی مقالہ پیش کیا تھا تو اس میں (ص ۳۸ تعلیق ۵ میں) میں نے مکتوب نبوی بنام نجاشی کے اس متن پر جو طبری میں ہے، یہ رائے ظاہر کی تھی:۔

> تمام اسلامی مورخ متفق ہیں کہ یہ خط ۶ھ میں بھیجا گیا۔ مگر اس کے بعض جملے مثلاً "میں تیرے پاس اپنے چچا زاد بھائی جعفر کو بھیج رہا ہوں جس کے ہمراہ چند مسلمان بھی ہیں۔ جب وہ تیرے پاس آئے تو ان کی مہمانداری کر۔۔۔" ایسے ہیں

جن سے اس گمان کی تائید ہوتی
ہے کہ یہ خط آں حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے اپنے چچا زاد بھائی کو ان
کے ہجرت کر کے حبش جانے وقت
بغرض تعارف دتقریباً پہلی ہجرت
میں) دیا ہوگا۔ بنابراں جو متن ہمارے
سامنے ہے ۵ اصل میں دو الگ
الگ خطوں کی عبارتوں کا مرکب ہوگا۔
مکتوب ثانی بے شک ۶ھ میں بھیجا
جاسکتا ہے تاکہ نجاشی کو اسلام لانے
کی دعوت کی تبلیغ کرے۔ رہا وہ
خط جس میں مہاجرین کے پہنچنے
پر ان کی مہمانداری کرنے کی خواہش
کی گئی ہے ۷ھ کے اواخر میں کسی
طرح نہیں لکھا جاسکتا۔ کیونکہ مہاجرین
کو حبشہ پہنچ کر تب کوئی چودہ
سال گزر چکے تھے اور اس وقت تو
وہ وہاں سے مدینہ واپسی کی تیاری
کر رہے تھے۔

Marfat.com

یہی خیال میں نے انجمن ترقی اردو کی شائع کردہ کتاب "حبش اور اطالیہ کے باب "عرب اور حبشہ" میں ظاہر کیا تھا۔ موجودہ جبلی کی دریافت سے اس خیال کی پوری تائید ہو گئی اور اس میں حضرت جعفر طیار کے تعارف وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں بلکہ خالص تبلیغی خط ہے۔

رہا تاریخوں میں مندرج متن سے اختلاف، اس کی وجہ سب جانتے اور مانتے ہیں کہ "روایت باللفظ کی طرح" روایت بالمعنیٰ" کا بھی عربوں میں رواج رہا اور جتنا بھی اختلاف تاریخوں کے متن اور جبلی کے متن میں ملتا ہے وہ صرف ایک ہی مفہوم کو دوسرے مترادف الفاظ میں ظاہر کرنے پر مشتمل ہے اور بس۔ خاص چیز یہ قابل ذکر ہے کہ ایک تاریخ میں ایک جملہ روایت بالمعنیٰ کے باعث بدلا ہے تو دوسرے میں دوسرا، حیثیت مجموعی پورے خط کی اصلی عبارت تاریخوں میں کہیں نہ کہیں موجود ہے۔ سیرۃ حلبیہ کا متن بہت زیادہ مطابق اصل ہے اور خود مسٹر ڈنلاپ نے تسلیم کیا ہے کہ اگر ابن الاثیر نے اپنی تاریخ میں ایک جگہ جو نامکمل اقتباس دیا ہے اس کی جگہ پورا متن دیا ہوتا تو جبلی کی عبارت سے سو فی صد متفق ہوتا۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تاریخوں کے متن کا دستاویز کے مندرجات سے مختلف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ کسی جعلساز نے کسی تاریخ کی عبارت نقل کر کے فرضی دستاویز نہیں تیار کی ہے۔

یہ تو مسٹر ڈنلاپ کی اعتراضی دلیلوں کے جواب تھے۔ مسٹر ڈنلاپ نے بعض اہم چیزوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ چنانچہ :-

Marfat.com

۱۔ موجودہ خط کی مہر سابق میں دستیاب شدہ مکتوبات پر کی مہر کے بالکل مطابق ہے اس کی اہمیت پر جتنا بھی زور دیا جائے کم ہے۔ چونکہ سابقہ مکتوب اور موجودہ مکتوب کی تحریر مختلف ہے اس لئے اس کا بھی اب امکان نہ رہا کہ دونوں کو ایک ہی شخص کا جعل قرار دیا جائے۔ ان دونوں کی دستیابی کے مقامات بھی ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

۲۔ جھلی کی عبارت کا رسم الخط خاص اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ "فاقبلوا" کی جگہ بغیر الف کے "فاصلو" لکھا گیا ہے۔ نیز "اتبع" کی جگہ (ت) کے دو شوشے "اتبع" ہیں۔ اگر مسٹر ڈنلاپ کی رائے کے مطابق اسے صرف ستر اسی سال قبل کی جعل سمجھیں تو ان خصوصیات کی توجیہ ناممکن ہے۔ اس طرح کے لکھنے کا رواج عہد نبوی میں رہا ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے اور حالیہ زمانے میں کوئی اسی طرح لکھے تو اسے غلطی سمجھا جاتا ہے۔ "فاقبلو" کی مماثل نظیریں قرآن مجید میں بکثرت ملیں گی اور "اتبع" کی بھی ایک۔ چنانچہ سورۂ ۵۱ آیت ۴۷ میں والسماء بنینٰھا بأیدٍ" اب تک لکھا جاتا ہے حالانکہ "بأیدٍ" بالکل کافی تھا۔ فلسطین کے ایک قدیم کتبے میں جو حال میں دستیاب ہوا ہے "آمین" کا لفظ دو شوشوں کے ساتھ "آمس" لکھا گیا ہے۔ دیکھئے کاں تی نو کی فرانسیسی کتاب "فہرست کتبات پالمیرا" مطبوعہ بیروت ۱۹۳۳ء ص ۵۱) اور مکتوب نبوی بنام منذر کی اصل میں بھی "غیرہ" کا لفظ دو شوشوں سے "عسر" لکھا گیا ہے۔

۳۔ خط میں نقطے اور اعراب بالکل نہیں ہیں حالانکہ لفظوں وغیرہ کا رواج

Marfat.com

پہلی صدی ہجری ہی سے شروع ہو گیا تھا، جس کے معنے یہ ہیں کہ جھلی نقطوں اور اعراب کی ایجاد سے قبل کی ہے۔

۴۔ الفاظ کے ٹکڑے کر کے آدھا لفظ ایک سطر میں اور باقی دوسری سطر میں لکھنا مثلاً ر/سول، الیہ/مک، ر/وح، جنو/دلک وغیرہ بھی صرف قدیم زمانے میں رائج تھا اور آج کل اس کا رواج نہیں ہے مصر میں کچھ عرصہ قبل جو ۳۱ھ (یعنی حضرت عثمانؓ کے زمانے) کا کتبہ دستیاب ہوا تھا، اس میں بھی یہی حال ہے اور مقوقس اور منذر کے نام کے اصل مکتوبات نبویؐ میں بھی یہی چیز ملتی ہے۔ حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب مدینہ منورہ کے قرآن کے ایک صفحے کا جو فوٹو ترکی حکومت نے شائع کیا ہے اس میں بھی یہی کیفیت ہے۔

۵۔ "م" اور "ھ" کے لکھنے کے طریقے بھی نہایت قدیم ہیں۔ یہ سطر کے نیچے نہیں بلکہ اوپر ہے مثلاً محمد (محمد) اور "ھ" کو ہم آج کل کی "ع" سے مشابہ پاتے ہیں مثلاً (اشھد) کو منذر کے خط میں اسے (سعہ) لکھا ہے اور موجودہ نجاشی کے خط میں (سنز) اور مقوقس کے خط میں (الھدیٰ) کو (لعز) جو مختلف کاتبوں کی کشش کے فرق کو ظاہر کرتا ہے۔

۶۔ خط جس جگہ سے اور جن حالات میں دستیاب ہوا ہے وہ بھی ہر طرح کے شبہے سے بالا معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس کو وہیں ہونا بھی چاہیے تھا اور حبشی اطالوی جنگ کے مفلس مفروروں کا اسے لا کر

کسی کے ہاتھ بیچ دینا ہر طرح معقول سمجھا جا سکتا ہے۔

غرض ہمارے خیال میں یہ وجود مکتوب زیر نظر کی اصلیت کی مخالفت سے زیادہ تائید میں ہماری راستے قائم کرا تے ہیں۔

مسٹر ڈنلاپ کا آج کل قیام گلاسگو میں ہے۔ میں نے خط لکھ کر دریافت کیا ہے کہ دمشق کے مالک کا نام اور حیثیت کیا ہے۔ خدا معلوم موجودہ یاجوجی ماجوجی جنگ میں اس یادگار کا کیا حال ہوا ہے۔ کیونکہ دمشق بھی اس کے نرغے میں آچکا ہے۔

# مکتوبات نبویؐ کے دو اصول

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں یا قبائل کے سرداروں کے نام جو خطوط روانہ فرمائے تھے ان کی تعداد اب سوا دو سو تک ہو گئی ہے[1] اس کا سب سے پہلا مجموعہ جو کوئی ہیں ایک نامہ ہائے مبارک پر مشتمل ہے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ گورنر یمن کی تالیف[2] تھی مجھے بھی سعادت حاصل ہوئی کہ چند ماہ قبل اس موضوع پر ایک ضخیم تالیف شائع کر سکوں[3]۔ مگر اصل خطوط عرصے سے ناپید ہو چلے ہیں۔ کچھ خطوط اس سرکاری رکارڈ آفس میں تلف ہو گئے ہوں گے جو یوم الجمل کے موقع پر حجاج بن یوسف کے عہد میں عوام کے ہاتھوں جل کر برباد ہو گئی۔ بڑا حصہ

---

[1] دیکھئے ہیری فرالنیس تالیف "دو کیوماں سیورلا دپلوماسی مسلمان" مطبوعہ پیرس ۱۹۳۵ء حصہ دوم صفحہ ۹ تا ۹

نیز بعض خطوط کے لئے دیکھئے "منشات السلاطین" مولفہ احمد فریدون مطبوعہ استانبول ۱۲۷۴ھ صفحہ ۳۰ تا ۳۵

[2] دو کیوماں جلد اول صفحہ ۱۰۱ جلد دوم صفحہ ۱۳۱ یہ رسالہ "اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین" مولفہ ابن طولون میں بطور ضمیمہ محفوظ ہے جو کہ حال میں دمشق میں چھپی ہے۔

[3] الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدہ۔ طبع مصر۔

[4] کتاب الخراج ابو یوسف صفحہ ۳۲۔ نیز بلاذری یحییٰ بن آدم و ماوردی۔

Marfat.com

مرسل الیہم کی بے پرواہی کے نذر ہوا ہوگا۔ لیکن پھر بھی تاریخ میں ابھی حال حال تک متعدد خطوط کی اصل کی موجودگی کا ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ ایک خط اسپین کے صبائی بادشاہوں کے قبضے میں تھا جس کی چشم دید کیفیت چھٹی صدی ہجری کے مولف سہیلی سے لے کر کم از کم گیارہویں صدی ہجری تک کے مؤلفین کی کتابوں میں ملتی ہے (اس بارے میں مزید معلومات کے لئے دیکھئے میری کتاب دو کیوماں جلد اول صفحہ نمبر ۴۵۔ نیز کتانی کی کتاب التراتیب الاداریہ مطبوعہ رباط ۱۳۴۶ھ جلد اول صفحہ ۱۵۶ تا ۱۶۵) ایک اور فرمان عطائے جاگیر کے لئے تمیم داری رضی اللہ عنہ کو سرفراز ہونا امام ابو یوسف جیسے قدیم مؤلف (کتاب الخراج صفحہ ۱۳۲ میں) بیان کرتے ہیں۔ اس خط کی چشم دید کیفیت بڑی تفصیل سے ابن فضل اللہ العمری نے (کتاب مسالک الابصار جلد اول صفحہ ۱۷۴ الخ) بیان کی ہے (مزید حالات کے لئے دیکھئے دو کیوماں صفحہ ۶۱ تا ۶۳)

مگر آج کی صحبت میں ان دو خطوط پر کچھ معلومات جمع کئے جائیں گے جو حال ہی میں دستیاب ہوئے ہیں۔ اور اس لئے عکس اور فوٹو لے سکنے کا خوش نصیب موقع فراہم ہو گیا ہے۔ ایک مقوقس مصر کے قبطی صدر پادری کے نام ہے جس کا فوٹو عرصے سے ہندوستان میں معروف ہے۔ دوسرا خط بحرین کے مسلمان گورنر منذر بن ساوی کے نام ہے، جس کا فوٹو ۱۸۶۳ء میں جرمن رسالے ZDMG میں چھپا ہے۔ ان دونوں انمول نوادر پر علمی حیثیت سے یورپ میں بہت کم بحث کی گئی ہے اور اردو میں بالکل نہیں ہم ہر خط پر

علاوہ علاحدہ بحث کریں گے۔

# پہلا خط

پہلے خط کے سلسلے میں یہ بیان کرنے سے پہلے کہ وہ کب اور کہاں مرتب ہوا اور اس کے کچھ تاریخی حالات بیان کئے جاتے ہیں کہ وہ کب اور کن حالات میں لکھا گیا تھا۔

جب تحریک اسلامی کی مخالفت ہونے لگی اور مسلمانوں کو ناقابل برداشت تکلیفیں گہوارۂ اسلام (مکہ معظمہ) میں پہنچیں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبوراً وطن کو خیرباد کہا اور مدینے میں آ بسے۔ مسلمانوں کی تعداد یہاں تیزی سے بڑھنے لگی اور پانچ ہی برس میں عرب کے خاصے بڑے حصے پر ان کا اثر پھیل گیا۔ اور مکہ والوں کو بھی سوائے اس کے چارہ نہ رہا کہ مسلمانوں سے دوستی پیدا کریں۔ خاص کر اس لئے کہ ہجرت کے بعد ہی ۲ھ میں ان کو بدر میں مسلمانوں نے بڑی سخت شکست دی اور گو ۳ھ میں ان کے حملے سے احد میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے مگر وہ اس فتح سے فائدہ اٹھائے بغیر مکہ چلے گئے اور ۵ھ میں مدینے کا ناکام محاصرہ کر کے وہ مایوس واپس ہو گئے تھے اور ان کے تجارتی راستوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جانے سے وہ بے بس ہو چلے تھے۔ خیبر میں یہودیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے

باعث آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ والوں سے صلح مناسب خیال کی چنانچہ اواخر ۶ھ میں حدیبیہ میں جو مکہ اور مکہ معظمہ کے مابین ہے ایک عہد نامہ صلح وغیرہ جانبداری پر فریقین کے دستخط ہو گئے۔

اس زمانے میں خارجہ ممالک کی سیاسی حالت بڑی پراگندہ ہو گئی تھی۔ عرب کے ہمسایوں میں دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ ایران اور روم (یا بیزنطینی حکومت) ایران میں نہ صرف عراق شامل تھا بلکہ خود اندرون عرب بحرین عمان اور یمن پر بھی انھیں کی حکمرانی تھی۔ بیزنطینیوں کا اثر مصر و حبشہ کے علاوہ عرب کے شمالی حصے پر تھا جو بیزنطینی صوبہ فلسطین سے متصل تھا۔ ایرانیوں اور بیزنطینیوں میں نسلوں سے جو جنگ چلی آ رہی تھی وہ اس کا خاتمہ یوں ہوا کہ ۶ھ کے وسط میں نینوی کے مقام پر ایرانیوں کو اتنی فاحش اور قطعی شکست ہوئی کہ وہ پھر سنبھل نہ سکے۔ اگرچہ بیزنطینیوں کو فتح ہوئی مگر یہ فتح بڑی مہنگی تھی اور ان کو اپنی حالت سدھارنے کے لئے بہت کچھ کرنا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منشا تھا کہ ان ہمسایہ سلطنتوں کے حکمرانوں کو براہ راست مذہب اسلام کی جانب مدعو کریں اور ان کے انکار کی صورت میں

ان کے مختلف والیان صوبہ کو تبلیغ کریں۔

چنانچہ حدیبیہ سے واپس آکر ۶ھ ہی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد تبلیغی خط روانہ کئے جن میں سے ایک بیزنطینی حکمراں قیصر ہرقل کے نام تھا[1] اور ایک ایرانی تاجدار خسرو پرویز کے نام۔ نامہ بر کو ایک اور خط بھی دیا گیا کہ راستے میں بحرین کے صوبہ دار منذر بن ساوی کو دیا جائے۔ ان کے علاوہ ایک خط مصر کے صوبہ دار اور صدر پادری مقوقس کو بھی بھیجا گیا۔

آخر الذکر دو خطوں کے اصول، جیسا کہ عرض کیا گیا حال میں دستیاب ہو گئے ہیں۔ چنانچہ مقوقس کے خط کے سلسلے میں مشہور فرانسیسی شرقیاتی موسیو جیلوریئے نور (Reinaud) نے پاریس کے سہ ماہی رسالے ژورنال آزیاتیک بابتہ ۱۸۵۴ء (سلسلہ پنجم جلد چہارم) میں ایک خط شائع کرایا جو اس کے نام قاہرہ سے موسیو بے لیس (BELIN) نے ۱۰ مارچ ۱۸۵۲ء کو لکھا تھا۔ یہ خط رسالہ مذکورہ کے کوئی پندرہ بیس صفحوں میں آیا ہے۔ اس کے ضروری اقتباسات کا یہاں لفظی ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

---

[1] خاص اس خط پر میرا ایک مضمون رسالہ معارف اعظم گڈھ جون ۱۹۳۵ء میں چھپا ہے۔ یہ اس کتاب میں بھی درج ہے۔

(۴۸۲) ایک فلمی دستاویز جو میں نے حال میں دیکھی اور جس کے متعلق مجلس مشرقیات فرانس (سوسی اے ڈی آزیاتیک) کو بھی اس کے اجلاس منعقدہ ۱۳ دسمبر ۱۸۵۱ء میں اطلاع ملی ہے یہ دستاویز جس کے متعلق میں یہاں کچھ کہنا چاہتا ہوں، موسیو اے ٹی۔ این بارتل می (Etienne Barthelemy) نے دریافت کی ہے۔

"موسیو بارتل می قاہرہ میں ایک نوجوان فرانسیسی مشرقیانی ہیں۔ وہ عربی کے جتنے بڑے ماہر ہیں اتنے ہی زیادہ منکسر المزاج بھی ہیں۔ وہ کچھ عرصے سے مصر کی قدیم زبان کا مطالعہ کرنے لگے ہیں اور خاص کر قبطی زبان کے مخطوطات تلاش کر رہے ہیں جو مصر کے تنہائی پسند راہبوں کے قبضے میں موجود ہیں اور عہد سلف کے متعلق قیمتی آثار پر مشتمل ہیں۔

(۴۸۳) گذشتہ سال کے ایک سفر میں موسیو بارتل می نے بہت سی رقم خرچ دی اور مالی مشکلات میں مبتلا ہو گئے۔ پھر بھی بہت کم چیزیں دستیاب ہوئیں۔ آخر ایک دن جب وہ تھکن سے چور چور ہو چکے تھے، اخمیم کے قریب ایک راہب خانے کو پہنچے۔ اس راہب خانے میں ایک عربی مخطوطہ دستیاب ہوا جو صورت سے

---

[1] یہ ہندسے جو دائروں کے اندر ہیں، رسالہ ڈورنال آزیاتیک کے صفحے ہیں۔

بہت معمولی نظر آتا تھا۔ اس کی جلد سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اصل میں کسی ایسی کتاب کے لئے تیار کی گئی تھی جو خاصے بڑے حجم کی ہوگی۔ یہ جلد کناروں پر خراب ہو گئی تھی اور اس کے اندر سے کچھ قبطی حروف دکھائی دے رہے تھے۔ ہمارے سیاح نے کوشش کی کہ اس پہلے ورق کو الگ کرے جو متعدد لکھے ہوئے اوراق کو لپٹا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ جب احتیاط کے ساتھ اسے علیحدہ کیا گیا تو فی الحقیقت اندر سے کوئی دس اوراق برآمد ہوئے جن پر قدیم خط میں قبطی زبان میں انجیل لکھی ہوئی تھی۔ ان اوراق کو اس غرض سے جوڑ دیا گیا تھا کہ ایک مضبوط قوے کا پٹھا بن جائے۔

اس کتاب کی جلد جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں تین حصوں پر مشتمل تھی۔ دو پشت اور دو پہلو۔ دونوں پہلوؤں پر چمڑا جڑا ہوا تھا اور ان پہلوؤں پر جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، دس قبطی اوراق لگے ہوئے تھے۔ [illegible] ان اوراق کو ایک موٹے کاغذ میں لپیٹ گیا تھا اور سب کو جوڑ دیا گیا تھا۔ وسطی حصہ جو باہر سے دونوں پہلوؤں کو ملاتا تھا، سیاہ چمڑے کے ایک ٹکڑے سے بنا ہوا تھا۔

"میں ان توضیحات پر معافی کا خواستگار ہوں۔ اگرچہ وہ شائد ضرورت سے زیادہ تفصیلی سمجھے جائیں لیکن وہ ہماری دستاویز کی اصلی حالت کو واضح کریں گے۔

"چنانچہ موسیو بارتیلمی نے دونوں پہلوؤں سے ان قبطی اوراق

کو پہلے بعد دیگرے جدا کیا جو کتاب کی جلد کے داخلی حصے (parois) پر مشتمل تھے۔ اس پر انھیں ان اوراق کے اندر بیچ میں دونوں پہلوؤں پر چمٹا ہوا کھال یا جھلی (parchemin) کا ایک ٹکڑا نظر آیا جسے کیڑوں نے دو جگہ سے چاٹ دیا تھا موسیو بارتیلمی کو اس پر کوئی خط میں کچھ عربی حروف سے نظر آئے۔ ہزار کوشش کے بعد انھوں نے لفظ محمد کو پڑھ لینے میں کامیابی حاصل کی۔ اب اس میں کوئی شبہ نہ رہا کہ یہ دستاویز خاص دلچسپی کی حامل ہے۔ اس لئے انھوں نے جتنی احتیاط ممکن تھی برت کر اس کھال کو پوری طرح علاحدہ کرنے کی کوشش کی۔ چاہے وہ کتنی ہی کوشش کرے وہ اسے بھگونے اور نم کرنے پر مجبور تھے۔ اس کارروائی میں چند الفاظ جو پہلے ہی سے مٹ چلے تھے پوری طرح غائب ہو گئے۔۔۔

(اس کے بعد متعدد لوگوں کی مدد سے اس تحریر کو پڑھنے اور عربی تاریخوں سے اس متن کو برآمد کرنے کا ذکر ہے) حل شدہ عبارت موسیو بیلیس کے بموجب یہ ہے گو اس میں بعض خفیف غلطیاں بھی ہیں۔

۴۸۸ بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسولہ الی المقوقس عظیم القبط سلام علی من اتبع الھدی اما بعد فانی اد

۴۸۹

مکتوب نبوی بنام منزر

Marfat.com

Marfat.com

عوری بدعایۃ الاسلام فاسلم
تسلم۔ یؤتک اللہ اجرک مرتین
فان تولیت فعلیک اثم القبط
یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ
سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ
ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا
بعضا اربابا من دون اللہ فان
تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون

الرسول محمد

(نوٹ) موسیو ہو تیلی سے بعض قبطیوں نے بیان
کیا کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مصر میں مقوقس
کے نام اپنے خط کی چار نقلیں بھیجی تھیں۔ مورخ اس
ادعا کی مطلق تائید نہیں کرتے پھر یہ بھی میری سمجھ
میں نہیں آتا کہ اس کا روانی سے کیا فائدہ ہو سکتا
تھا۔ کیونکہ اگر (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے
سفیر اس خط کو کھو دیتے جسے وہ لے جا رہے تھے

تو ایسی صورت میں ان کا کام بہت آسان تھا اور وہ پیام کو زبانی پہنچا سکتے تھے۔ قبطیوں کا دعویٰ ہے کہ ان نقلوں میں سے ایک اب تک قاہرہ میں ان کے بطریق کے گرجا (کنیسہ انبا مارقس) میں محفوظ ہے۔ میں اس واقعے کی توثیق نہ کرا سکا۔ قبطی یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے پاس (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک اور خط بھی ہے جو مقوقس کے جواب کے جواب میں آیا۔۔۔

(۲۰۰۰) "مجھے شروع ہی سے اس کا کم امکان نظر آتا ہے کہ یہ دستاویز کسی جعلسازی کا نتیجہ ہو کیونکہ اس فریب سے کوئی بھی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔ وجہ ظاہر ہے کہ اس دستاویز میں قبطی قوم کے لئے کسی قسم کی بھی رعایت کا کوئی حکم نہیں ہے۔ اس دستاویز سے اس طرح کا کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا تھا جس طرح مثلاً غیر متحدہ ارمنی عیسائیوں کی دستاویز ہے۔ ان ارمنوں کا ادعا ہے کہ (۲۰۰۰) ایبٹیلیٹ کوچک میں ان کے ایک راہب خانے کے کتب خانے میں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک عہد محفوظ ہے۔ اس دستاویز کو انہوں نے ایک یا دو سال ہوئے خدیو مصر کی حکومت کے پاس پیش کیا تاکہ ان حقوق و مراعات کا مطالبہ کریں جو جناب رسالت مآب نے اس عہد کے ذریعے سے انہیں عطا کئے تھے۔۔۔۔۔"

یہ اس خط کی دریافت کے حالات ہیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

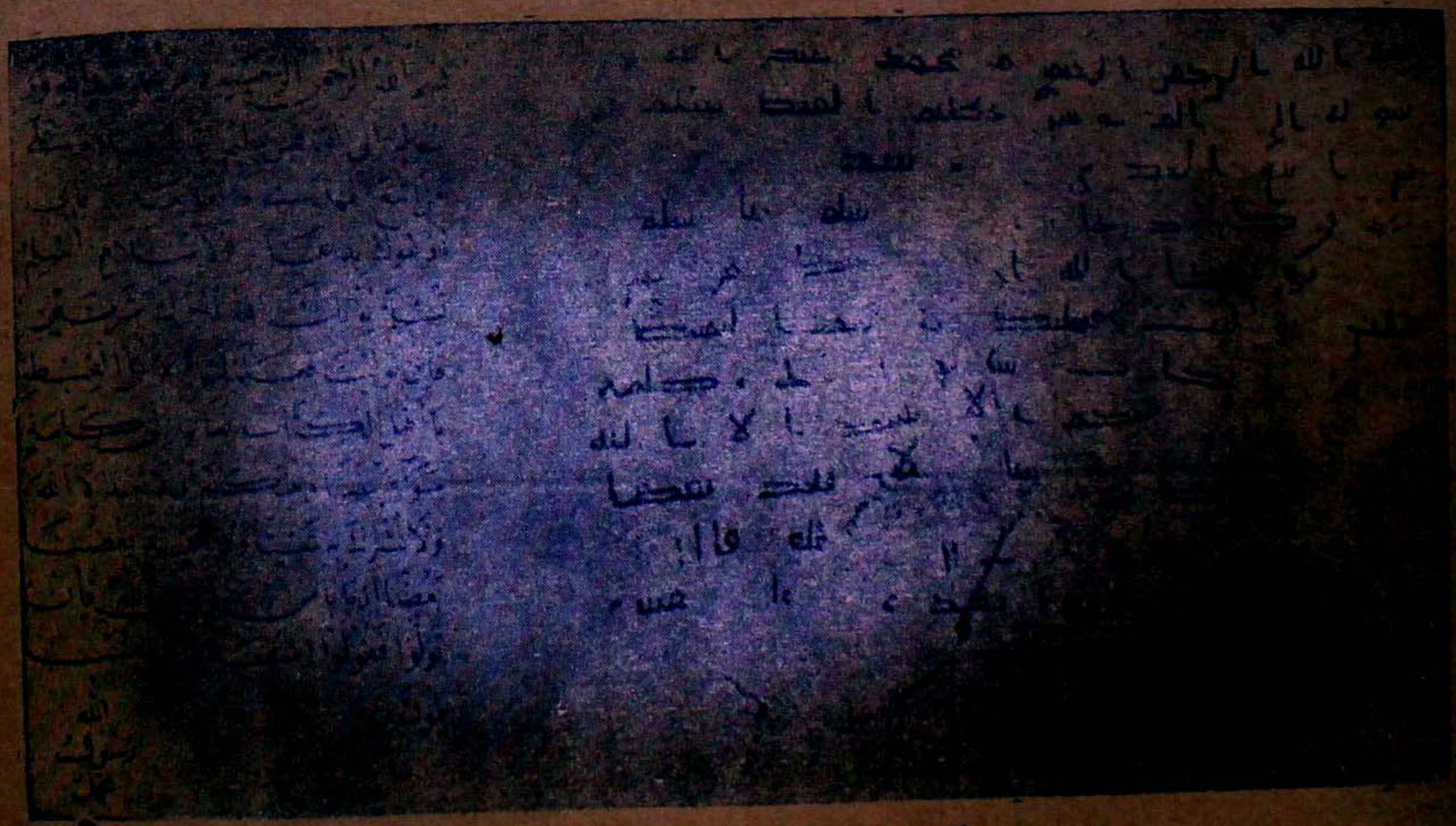

مکتوب ابوی بنام مقوقس (مطبوعه مصر)

نے مقوقس کے نام بھیجا تھا۔ فوٹو کے دیکھنے سے واضح ہے کہ دریافت شدہ اصل پر مہر موجود ہے۔ اسی لئے اسے نقل قرار دے سکنے کا امکان باقی نہیں رہتا کیونکہ نقل میں الفاظ لکھے جاتے۔ مہر کا نشان نہیں بنایا جاتا۔ اصل خط کچھ دنوں بعد موسیو بارتھی نے سلطان عبدالمجید خان اول کے ہاتھ تین سو اشرفی میں فروخت کر دیا۔ پھر یہ خط تبرکات نبوی کے ساتھ قصر شاہی کے خزانے میں داخل ہو گیا موسیو بے لین نے ژورنال آزیاتیک میں اپنے مضمون کے ساتھ اس خط کا ایک چربہ (traced copy) شائع کرایا پھر ۱۹۰۴ء میں جرجی زیدان نے اپنے ماہوار عربی رسالے "الہلال" (قاہرہ) میں اس کی استانبول سے حاصل کردہ نقل کا فوٹو شائع کیا۔ غالباً اسی کی نقلیں ہندوستان میں آئیں اور ۱۹۱۷ء میں رسالہ اسلامک ریویو (ووکنگ) میں بھی اس کا فوٹو چھپا مگر یہ نقل بھی اصل خط کا فوٹو نہیں بلکہ مرمت شدہ نقل (restored copy) کا فوٹو ہے۔ موسیو بے لین کی نقل اور جرجی زیدان کی نقل کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ اگر فوٹو کی جگہ ٹریس لیا جائے تو مختلف ہاتھوں کی نقلوں میں کتنا بڑا فرق ہو جاتا ہے۔ بدقسمتی سے اصل خط اب تقریباً لاپتہ ہو چکا ہے اور ۱۹۳۲ء میں قیام استانبول کے زمانے میں باوجود کوشش اور تلاش کے مجھے اس کا سراغ نہ چل سکا۔

جیسا کہ ابھی عرض ہوا اس خط کی دریافت بعض فرانسیسیوں نے کی اور اس کا ذکر ۱۸۵۴ء میں رسالہ ژورنال آزیاتیک میں کیا لیکن جرجی زیدان کے رسالہ

الہلال (مصر) نے نومبر ۱۹۰۴ء کے پرچے میں (۱۰۴ پر) اس واقعے سے ہی انکار کر دیا اور لکھا:

| | |
|---|---|
| وزد علی ذالک اننا لم نر | مزید یہاں اس دریافت کا |
| لہذا الاکتشاف ذکرا فی کتب | علمی (یورپی) کتابوں میں مطلق |
| العلم علی الاطلاق مع عظیم | کوئی ذکر نہیں حالانکہ مستشرقین اس |
| اہمیتہ لدی علماء الآثار | کو بڑی اہمیت دیتے۔ |
| الشرقیۃ۔ | |

البتہ دوسرے مہینے آکسفورڈ کے پروفیسر مارگولیوٹ کے توجہ دلانے پر مجبوراً اس کو ماننا پڑا (الہلال دسمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۶۰) یہ رسالہ مجھے حیدرآباد میں مل نہ سکتا تھا۔ میں اپنے دوست راحت اللہ خاں صاحب (ریسرچ اسکالر جامعہ عثمانیہ) کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنے قیام مصر کے زمانے میں ازراہ عنایت یہ مضمون مجھے نقل کر کے بھیج دیا۔

اس خط کی اصلیت پر جو اعتراض ہو سکتے یا ہوئے ہیں ان کا یہاں ذکر بے محل نہ ہوگا۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (لفظ مقوقس) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خط پر مختصر بحثیں کارا باچک اور آمے لینو نے کی ہیں۔ بدقسمتی سے ان کی کتابیں باوجود کوشش کے حیدرآباد میں دستیاب نہ ہو سکیں مگر جہاں تک انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے اشارے سے واضح ہوتا ہے ان مولفوں کے شبہے کا واحد باعث یہ ہے کہ اس خط کی تحریر اتنی قدیم نہیں معلوم

ہوتی بلکہ کافی عرصہ بعد کی ہے۔

ہم نے ابھی اوپر بیان کیا ہے کہ اس خط کا ایک چربہ ۱۸۵۴ء میں موسیو بے لین نے ژورنال آزیاتیک میں شائع کیا اور دوسرا چربہ ایک مرمت شدہ نقل تھی جو غالباً استانبول سے حاصل کر کے رسالہ الہلال (مصر) نے شائع کی اور اسی ماخذ سے ہندوستان وغیرہ بھی نقلیں آئیں۔ ہمارے سامنے مضمون کے ساتھ یہ دونوں نقلیں بھی موجود ہیں۔ ان کا مقابلہ دلچسپی سے خالی نہیں اور بہ ظاہر کوئی شخص یہ ماننے پر مشکل سے آمادہ ہوگا کہ یہ دونوں ایک ہی اصل کے چربے ہیں جب دو مختلف ہاتھوں میں ایک ہی چیز کے چربے اتنے مختلف ہو جاتے ہیں تو پھر ان نقلوں کی بنا پر کسی صحیح رائے کا قائم کرنا ستم ظریفی ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ بدقسمتی سے اصل مکتوب کا کوئی مستند عکس فوٹو کے ذریعے سے ہم تک نہیں پہنچا ہے اور نہ ہی موسیو بے لین کے سوائے اصل پر رائے زنی کرنے والوں میں سے کسی نے بھی اس خط کو دیکھا ہے۔ موسیو بے لین نے اس خط کی تحریر پر کوئی رائے زنی اپنے مضمون میں نہیں کی ہے۔ غالباً اسے اس فن کی مہارت بھی نہ تھی۔ ان حالات میں اس اعتراض کی کوئی بڑی اہمیت نہیں رہتی۔

جرمنی کے مشہور شرقیاتی پروفیسر ڈاکٹر بیکر

(C. H. Becker) (فوت ۱۹۳۳ء) نے بھی اپنی کتاب
(Papyri Schott-Reinhardt) (جلد اول صفحہ ۳)

نوٹ (۳) میں اس مکتوب نبویؐ کو جعلی قرار دیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"غالباً وہ حدیث کی کسی یادداشت (یا کتاب) کا ورق (Traditionszettel) ہوگا۔"

جرمنی کے اس سابق وزیر تعلیم کی قابلیت اور علم کا پورا اعتراف کرتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ شائد اس نے اس خط کے شائع شدہ فوٹو کو دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔ میں نہیں سمجھتا کہ حدیث کی کتابوں یا بیاضوں میں جہاں یہ خط نقل ہو سکتا ہے، نقل نویس خط کے آخر مہر کی بھی ہو بہو نقل اُتارنے کی کوشش کریگا۔ مہر کی جگہ یا تو توضیح ہوگی کہ مہر میں فلاں الفاظ تھے یا زیادہ سے زیادہ ایک سادہ دائرہ بنا کر مہر کے الفاظ کی نقل اس میں لکھی جائیگی اس کے برخلاف شائع شدہ خط کے متعلق بیانات سے اور خود ہر دو فوٹوؤں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مہر کچھ اس طرح کی ہے کہ اسے صرف نقل نویس یا کاتب کے قلم سے بنی ہوئی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

کائتانی (فوت کرسمس ۱۹۳۵ء) نے اپنی کتاب
(Annali dell'Islam) (دیکھئے حالات ۶ھ فقرہ ۴۹)

Marfat.com

میں اس خط کے بے اصل ہونے کی اور ہی دلیلیں پیش کی ہیں۔
خط کے ڈھنگ سے کوئی خاص بحث کئے بغیر اس لئے اعتراضات
کئے ہیں جو یہ ہیں:۔

۱۔ اسلامی تاریخی بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ مقوقس
نے آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں دو حبشی لونڈیاں
بھیجیں۔ مقوقس اسکندریہ کا بطریک یعنی بڑا پادری تھا۔ یہ بات
قرین قیاس نہیں کہ ساتویں صدی عیسوی کا کوئی بطریک عرب کے
کسی بے دین کو دو حبشی لونڈیاں تحفہ دے۔

۲۔ مقوقس کا نام بعد کے اسلامی مؤرخ کچھ اور بیان
کرتے ہیں اور عہد نبوی کے مقوقس کا نام حقیقت میں کچھ اور تھا۔
مگر پہلے اعتراض کے سلسلے میں اس کے زمانے کا بھی
خیال رکھنا چاہئے۔ ۶۲۸ء میں عیسائیوں میں جس کثرت سے
فرقے پیدا ہو رہے تھے وہ سب جانتے ہیں اور تاریخ عیسائیت بھی ہر
کسی کتاب میں اس کا قدرے تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ اس وقت اسکندریہ
کے بطریک کو اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اس سے زیادہ
کچھ بھی معلوم نہ تھا جتنا مکتوب نبوی میں اسے لکھا ہوا ملا یا جو
سلمان سفیر نے اسے بیان کیا ہوگا۔ اسلام کو ابھی اصلی وطن
یعنی مدنی دور شروع ہوئے بہ مشکل چھ سال گزرے تھے

Marfat.com

اور عرب سے باہر اس سے کوئی واقف نہ تھا۔ موتہ اور تبوک کی لڑائیاں ابھی پیش نہ آئی تھیں اور اسلام ابھی تک صرف اندرون عرب بدوی قبائل میں پھیل سکا تھا۔ اس کے ساتھ مقوقس مانو فزائٹ فرقے کا عیسائی تھا اور باور کرتا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ میں دو نہیں صرف ایک طبیعت تھی۔ ان حالات میں وحدانیت کی تعلیم دینے والے عربی نبیؐ کو اگر مقوقس ایک نئے عیسائی فرقے ہی کا بانی خیال کرتا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ماریہ[1] اور شیریں (یا سیرین) عیسائی تھیں تو اس کا منشاء شائد سوائے اس کے کچھ نہ ہوگا کہ نبیؐ عربی کو فرقہ طبیعت واحدہ کا راسخ العقیدہ عیسائی بنا لینے میں ان لونڈیوں سے کام لے۔ زمانہ حال کے اس سب سے بڑے یورپی مورخ اسلام (کائتانی) نے حالت جوش میں اپنا اعتراض قلم بند کرتے وقت غالباً یہ نہیں سوچا ہوگا کہ عیسائی عورتوں کا غیر عیسائیوں میں سیاسی اغراض اور تبلیغ عیسائیت کے لئے

---

[1] اٹلی کی مستشرقہ ورجینیا وا کانے جو غالباً ایک یہودن ہے اس مسئلے سے بھی سطحی بحث کی ہے مگر وہ اس نام کو بجائے "ماریہ" کے "مریم" لکھتی ہے جو غلط ہے اس کا مضمون آں حضرتؐ کے سفیر بادشاہوں کے پاس اٹلی کے شرقیاتی رسالے (Rivista degli Studi Orientali) جلد ۱۰ سنہ ۱۹۲۳ء صفحہ (۸۷ تا ۱۰۹) میں چھپا ہے۔

بھیجا جانا نہ صرف ایک عام روزمرہ کا واقعہ ہے بلکہ نہایت قدیم بھی۔ صلیبی لڑائیوں کے دوران میں تو یہ ایک مقدس اور بڑے ثواب کا کام سمجھا جاتا تھا اور کہتے ہیں کہ خود پوپوں نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ یوروپ کی خوبصورت عورتیں مسلمان مجاہدوں کو اپنے پر فریفتہ کرنے کی کوشش کریں اور مسلمانوں میں رہ کر عیسائیت کی ہر ممکنہ طریقے سے خدمت کریں۔

دوسرا اعتراض بھی کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ یہ صحیح ہے کہ عہد نبوی (۷ھ) کے مقوقس کا نام بنیامین تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ فتح مصر کے وقت قیروس (Cyrus) وغیرہ متعدد مختلف لوگ تھے اگر ابتدائی عرب فاتحوں نے کسی غلط فہمی سے یہ سمجھ لیا کہ قیروس صرف سپہ سالار و گورنر تھا (قیصر روم نے اسے آگسٹالیس یعنی صدر پادری و گورنر دونوں کے اختیارات عطا کئے تھے) اور صدر پادری حقیقت میں بنیامین ہی تھا جس نے عرب فاتحوں کو مدد بھی دی تھی، تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ کیونکہ بنیامین کو خسرو پرویز نے فتح مصر کے بعد اسکندریہ کا پادری بنایا تھا اور یہ قبطی شخص تھا۔ دس سال بعد جب قیصر روم نے مصر سے ایرانیوں کو نکال باہر کیا تو قبطی صدر پادری بھی مارے ڈر کے بھاگ گیا تھا کیونکہ اس نے مقامی بیزنطینیوں (رومیوں) پر اختلاف عقائد کی بنا پر اپنی بطریرکی کے زمانے میں بڑی

سختیاں کی تھیں[1] یہ ظاہر ہے کہ مصر کے پادریوں اور عیسائیوں کے مذہبی معاملات میں ابتدائی مسلمان فاتحوں نے کوئی علمی دلچسپی بہت کم لی۔ ان کے معلومات کا واحد ذریعہ مقامی عیسائیوں کے بیانات تھے۔ کوئی تعجب نہیں کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری نیز بعد کے مسلمان مورخ ان چیزوں اور ناموں میں غلطی یا خلط ملط کریں اور بالکل ممکن ہے کہ یہ بعد کے مورخ کسی صوبے کے پادری کو پورے ملک کا پادری لکھ دیں یا ایک زمانے کے پادری کو دوسرے زمانے میں بیان کر دیں۔ اس لئے مسلمان مورخوں کے ان بیانات کو غلط قرار دیا جا سکتا ہے، مکتوب نبویؐ کی ارسال کو فرضی قرار دینا کسی بہتر استدلال کا محتاج رہے گا۔

موسیو ویٹ (Wiet) ایک یہودی النسل مشرقیاتی جو پاریس کے مدرسۃ السنۃ مشرقیہ میں عربی کے مدرس ہیں اور قاہرہ کے "عربی عجائب خانہ" کے مہتمم بھی۔ انہوں نے مصری حکومت کے صرفے پر خطط مقریزی کا ایک نہایت خرچیلا اڈیشن بھی شائع کرنا شروع

---

[1] مذکورہ بالا تفصیلات کے مکمل حوالے میری فرانسیسی تالیف "روکیومال سیورلاد پلوماسی" مسلمان" جلد اول صفحہ (۶۳ تا ۶۵) میں ملیں گے۔ میرے معلومات کا ماخذ زیادہ تر (Dict. d'Hist. et de Geog Eccles.) اور (Dict. de Theol. Cath.) دو مستند فرانسیسی کتابیں رہی ہیں۔

کیا ہے۔ اس کی جلد اول صفحہ (۱۱۹) پر اس مکتوب نبوی بنام مقوقس کا بھی ذکر ہے۔ ایک طویل فرانسیسی نوٹ میں، جو کئی صفحوں میں آیا ہے، موسیو وئیٹ نے اس خط کے متعلق کئی پہلوؤں سے بحث کی ہے۔ اس شائع شدہ خط کے نوٹ کے متعلق ان کے دو اعتراض قابل ذکر ہیں:۔

۱۔ مکتوب نبویؐ بنام مقوقس کی عبارت، مکتوب الیہ کے نام کو چھوڑ کر لفظ بہ لفظ وہی ہے جو مکتوبات نبویؐ بنام نجاشی و قیصر روم کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں خط فرضی ہیں۔

۲۔ اگرچہ بیان کیا جاتا ہے کہ مقوقس کا یہ خط سلطان عبدالمجید خاں اول کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا اور وہ استانبول میں آثار نبویہ کے ساتھ رکھا گیا ہے، لیکن مصر میں آج بھی ایک صاحب کے ہاں کہتے ہیں کہ یہ خط موجود ہے۔

پہلے اعتراض کے متعلق کسی حیرت کی ضرورت نہیں۔ یہ تینوں خط عرب مورخوں کے بیان کے مطابق ایک ہی دن لکھے گئے تھے۔ تینوں کا مقصد بھی ایک ہی تھا اور تینوں عیسائی حکمرانوں کے نام تھے۔ کوئی تعجب نہیں جو کاتب بھی ایک ہی رہا ہو۔ ان حالات میں یہ بالکل معمولی بات ہے کہ تینوں کی عبارت ایک ہی سی رہی ہو۔

Marfat.com

افسوس ہے کہ موسیو وئیٹ نے دوسرے اعتراض کی زیادہ تفصیل نہیں دی ہے اور غالباً صرف وہ ایک سنی سنائی بات ہے اور اس خط کو دیکھنے کا انھیں موقع نہیں ملا جو ان کے بیان کے مطابق اب بھی مصر میں ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس موضوع پر ریسرچ کرنے کے بعد واپسی میں دوبارہ مصر ٹھہرنے کا موقع نہ ملا ورنہ میری تلاش شاید اس اعتراض کے متعلق کوئی تفصیلی معلومات فراہم کرنے میں کامیاب ہو سکتی اور ہمارے پاس کی دو نوٹوں سے اس کا مقابلہ بھی کیا جا سکتا۔

جیسا کہ دیکھا گیا، اعتراضات زیادہ تر خارجی اور قیاسی ہیں۔ خود خط پر بہت کم غور کیا گیا ہے۔ خط عہد نبوی کے رواج کے مطابق کھال پر ہے کاغذ پر نہیں۔ اور اگرچہ یہ ۱۸۵۴ء میں دستیاب ہوا، لیکن اس کا جو متن تیسری صدی ہجری کی عربی تالیفوں سے نقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہے وہ لفظ بہ لفظ وہی ہے جو اس اصل خط میں ملتا ہے۔ آخر میں مہر لگی ہوئی ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر کے متعلق جو عام روایت موجود ہے وہ کہ وہ تین سطری تھی سب سے نیچے "محمدؐ" اس سے اوپر "رسولؐ" اور سب سے اوپر "اللہ" کا لفظ لکھا ہوا تھا) یہ مہر اس کے بالکل مطابق ہے (دیکھئے فتوح البلاذری باب "ختم")

جرمنی کے ایک اور یہودی النسل شرقیات نویلڈکے (Nöldeke) نے جو اعتراضات اس خط کے صحیح ہونے کے خلاف کئے ہیں (دیکھئے

Geschicbte des Qorans. 2nd ed., p. 190. n. 3

Marfat.com

ان میں سے پہلا تو یہی ہے کہ "اس زمانے میں دستاویزیں لکھنے کا خط غالباً اتنا زیادہ کوفی نہ تھا"۔ اعتراض کے الفاظ خود ایسے ہیں کہ ہمیں اس پر کچھ زیادہ وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں۔ یوں بھی ہم اس اعتراض کا جواب اوپر دے چکے ہیں کہ اس مکتوب نبوی کا صحیح نوٹ ہمیں نہیں ملا ہے اور یہ کہ عہد نبوی کی کوئی اور مسلمہ تحریر ہمارے پاس نہیں ہے کہ اس سے طرز تحریر کا مقابلہ کر سکیں اور یہ بھی ظاہر ہے قرآن مجید لکھنے کا خط اور عام سیاسی یا کاروباری دستاویزیں لکھنے کا خط مختلف ہوگا۔

نولڈکے کا دوسرا اعتراض اسی سلسلے میں یہ ہے کہ "اسی طرح اس زمانے میں لوگ دستخط کے لیے سیاہی سے مہر نہیں کرتے تھے بلکہ (Tonsiegel) یا "طین خاتم" یعنی ایک طرح کی چکنی چٹنے والی مٹی پر مہر دباتے تھے"۔

نولڈکے نے اپنے دعوے کی تائید میں کوئی ثبوت یا حوالہ نہیں دیا ہے بے شبہ "طین خاتم" کا ذکر عربی ادبیات میں خاصا قدیم ہے لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ یہ خط کے اوپر لپٹے ہوئے کاغذ یعنی لفافے پر لگائی جاتی تھی جیسے آج کل لاکھ کا برت ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے مستند استاذ ادبیات عربی مولانا سید ابراہیم صاحب کے ریمارک سے میں بھی متفق ہوں کہ "مٹی پر مہر لفافے کے اوپر لگائی جانی چاہیئے تاکہ لفافہ کوئی کھول نہ لے۔ اصل خط پر تحریر کے آخر میں جو مہر کی جاتی ہے اس کا سیاہی سے ہونا ہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ بہر حال مجھے باوجود ذاتی تلاش اور دیگر اساتذہ سے دریافت کے اب تک اس بارے میں کوئی بیان کسی کتاب میں نہ مل سکا کہ

Marfat.com

عہد نبوی میں مہر کس طرح کی جاتی تھی۔ جو کچھ بیان اب تک مجھے مل سکا ہے وہ یہ ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسایہ حکمرانوں کو خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ بیرونی ممالک میں جب تک خط پر مہر نہ ہو اس پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چاندی کی مہر بنائی جس پر تین سطروں میں "محمد رسول اللہ" کے الفاظ کندہ تھے اور لفظ "محمد" سب سے نیچے تھا۔ اس کے اوپر "رسول" اور سب سے اوپر "اللہ" (دیکھئے طبقات ابن سعد جلد اول حصہ دوم باب مکتوبات نبوی) عہد نبوی میں لفافوں کا رواج ہوگا جیسا کہ عبداللہ بن جحش کی مہم میں پتہ چلتا ہے کہ خط دے کر کہا کہ تین دن سفر کے بعد کھولنا۔ لیکن ہمارے فوٹو میں خط پر مہر ہے لفافے کا پتہ نہیں۔

ان سب کے علاوہ ایک اور امر بھی قابل ذکر ہے وہ یہ کہ جو خط کسی حکمران وغیرہ کے نام کسی عارضی اور خاص ضرورت کے لئے بھیجا جائے، اس میں اگر "مٹی کی مہر" بھی لگائی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن جو نوشتہ کسی شخص کو کسی مستقل ضرورت کے لئے دیا جائے اور ثبوت میں اس کو اکثر دیکھنے کی ضرورت پڑتی ہو، اس پر مہر اس قسم کی ہونی چاہئے جو رفتہ رفتہ یا جلدی ہی معدوم نہ ہو جائے جیسا کہ مٹی وغیرہ کی صورت میں ممکن ہے۔ مکتوبات نبوی کے سلسلے میں چمڑے کے متعلق مورخ صراحت سے بیان کرتے ہیں کہ ان پر مہر لگائی گئی (دیکھئے میری الوثائق السیاسیہ ۳۹-۵۶-۵۷-۶۱-۱۴۱-۱۹۰) اگر کہیں مٹی کی اور کہیں سیاہی کی مہر ہوتی تو مورخ ضرور بیان کر دیتے حالانکہ ان میں سے بعض ایسے خط ہیں جو سند اور ہمیشہ کام آنے والے منشور کی حیثیت

رکھتے ہیں۔ مورخوں کی خاموشی سے یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ سب ایک ہی طرح کی مہریں تھیں۔ اس قیاس کی تائید اس سے بھی ہو جاتی ہے کہ دستاویز نمبر ۱ (اکیدر) میں ایک خاص قسم سے مہر کی گئی تھی تو اس کا ذکر کر دیا گیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "خَتَمَهُ بِظُفُرِهٖ" یعنی اس پر ناخن سے مہر لگائی گئی۔ ناخن سے ہلال کی وضع کا نشان کر دینا بابلی تمدن میں قدیم سے رائج تھا۔ دیکھئے:-

Oluf Kiuckmann, Neue babylonische Recht— und Vewaltungstexte, Text 37. Tafel 28 E. Meissner Babylonien und Assyrien I. 179. Hamidullah. Documents sur la Diplomatie Musulmane I, 98

اور اکیدر حاکم دومۃ الجندل کا (جس کے معاہدے پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخن کی مہر کی تھی) خاندان حیرہ ہی میں رہتا تھا اور ثابت ہوتا ہے کہ بابل کے قدیم رواج تب تک حیرہ میں رائج تھے (حیرہ موجودہ کوفے کے پاس تھا اور بابل موجودہ بغداد کے پاس)

نولڈکے کا تیسرا اور آخری اعتراض یہ ہے کہ "اس قسم کی سرکاری تحریروں میں نہ صرف کاتب کا نام ہونا چاہئے بلکہ خود خط لے جانے والے سفیر کا بھی نام صراحت سے ذکر ہونا چاہئے" جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ خط و کتابت کا انتظام کریں اور ابھی میں حکومت اسلامیہ کا دارالانشاء جتنا سادہ ہوگا ظاہر ہے ہمارے خیال کی تائید

Marfat.com

میں ابن عبدالبر (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۲۶ - سطر ۶-۷) کا بیان قابل غور ہے وہ کہتے ہیں کہ عہد نبوی میں ابتداءً خط کے آخر میں کاتب کا نام نہیں ہوتا تھا۔ کچھ دنوں بعد حضرت اُبی بن کعب نے جب ان سے مراسلات لکھائے جانے لگے تو آخر میں لکھنا شروع کیا کہ "بقلم فلاں"۔ یہی حال نوٹ کے اعتراض کے دوسرے جز کا بھی سمجھنا چاہیئے کہ مکتوب کے لے جانے والے کا نام کیوں نہیں بیان ہوا۔ جب ہزار ڈیڑھ ہزار برس سے تمام اسلامی مؤلف بیان کرتے آرہے ہیں کہ مکتوب نبوی کی پوری عبارت کیا تھی اور اب اس کی حرف بحرف تائید دستیاب شدہ خط سے ہوتی ہے تو پھر اس قسم کے فرضی اعتراض کتنی وقعت رکھ سکتے ہیں؟ (تتمہ مضمون کے آخر میں ملاحظہ ہو)

## دوسرا خط

دوسرا خط جیسا کہ بیان کیا گیا، منذر بن ساوی کے نام ہے۔ بلاذری (فتوح البلدان صفحہ ۷۹) اور ابن الاثیر (الکامل جلد ۲ ص ۱۷۵) نے لکھا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں منذر کے نام ایک خط لکھا اور معلوم ہوتا ہے کہ پایۂ تخت ایران کی کمزوری وغیرہ دیگر وجوہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کامیاب رہی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارت نے واپس آکر جب حالات بیان کئے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر کو ایک اور خط بھیجا جس میں اسے بحرین کی گورنری پر بحال رکھا گیا اور غیر مسلم باشندوں سے سلوک کے متعلق چند ہدایتیں دیں۔ یہی خط ہے جو حال میں

Marfat.com

دوبارہ دستیاب ہوا۔ چونکہ یہ خط مقوقس کے خط سے کم از کم چند ماہ بعد کا ہے اس لئے یہ ضروری نہیں کہ دونوں کا کاتب بھی ایک ہی رہا ہو۔

اس خط کا ذکر پہلی مرتبہ جرمن مجلس شرقیات کے رسالے (ZDMG) جلد ۱۷ سنہ ۱۸۶۳ء صفحہ ۳۸۶ تا ۸۶ ) میں ہوا اور وہیں اس خط کا چربہ بھی چھپا۔

اس چربے کا فوٹو[1] ہمارے مضمون میں شامل ہے اور متعلقہ نوٹ کا ترجمہ یہاں شائع کیا جاتا ہے:۔

"جرمن سفیر قسطنطنیہ کے اٹاچی (ملازمگار) ڈاکٹر بوش (Busch) نے سنہ ۱۸۶۲ء میں رسالہ (ZDMG) کے نام یہ خط لکھا:۔

"بالآخر میں اس بات کی اجازت چاہتا ہوں کہ ایک عجیب چیز کا ذکر کروں۔ خواہ وہ مصنوعی ہو یا نہ ہو، بہرحال ایک خاص دلچسپی رکھتی ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ موسیو بے لیں نے مصر میں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جو خط بنام مقوقس دریافت کیا تھا اور جس کو اصلی مان لیا گیا تھا وہ ترکی حکومت کے ہاتھ ایک بڑی رقم پر بیچ دیا گیا۔

"اب گزشتہ موسم خزاں میں میری ملاقات ایک اطالوی شخص سے ہوئی جس کے پاس (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک اور مکتوب تھا اور وہ مدعی تھا کہ وہ اصلی ہے اور یہ کہ اس نے یہ مکتوب نیز کوئی خطیں لکھے

---

[1] یہ فوٹو۔ نیز ژورنال آزیاتیک میں شائع شدہ مکتوب بنام مقوقس کا فوٹو مجھے جامعہ بون (جرمنی) کے صدر کلیہ شرقیات (ڈاکٹر پاول کالے) نے ازراہ کرم مہیا کیا اس کا میں شکریے کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں۔

ہوئے قرآن کے چند سورے (یعنی سورہ نمبر ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۱۱، ۱۱۳) گزشتہ موسم گرما میں دمشق میں (جہاں وہ مسلمانوں کے بھیس میں اور اپنے آپ کو مسلمان بتاتے ہوئے گیا تھا) خریدے۔

"اس نے مجھے یہ مزعومہ اصلی خط دکھایا۔ یہ خط نیز قرآن کے مذکورہ سورے ایک نہایت مہین اور سیاہی مائل بھوری (dunkelbraun) جھلی کے ٹکڑوں پر لکھے ہوئے تھے۔ اس کے ہمراہی ملفوفہ فوٹو (جو ایک ٹرکیں کی ہوگی نقل سے لی گئی ہے) اصل سے صرف اسی حد تک مختلف ہے کہ اس میں ہر کا قابل غور نشان زیادہ واضح آیا ہے۔ دیر تک مشاہدے کے بعد میں نے یہ یقین کیا کہ اصل کی ہر میں بہر حال یہی الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ جب آدمی کو معلوم ہو جائے کہ کیا پڑھنا چاہئے تو اس کی آنکھوں کا دھوکا دینا آسان ہے۔

"اس خط کو ترکی حکومت کے ہاں ایک مناسب قیمت پر بیچنے کی کوششیں سنا ہے کہ ناکام رہیں اگرچہ مذہبی طبقے نے اس میں بڑی دلچسپی لی تھی۔"

اس خط پر رسالے کے اڈیٹر فلائشر (H.L. Fleischer) نے بطور فٹ نوٹ[1] جو تنقید کی اور اپنی رائے ظاہر کی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو:-

---

[1] نولڈکے نے اپنی Geschichte des Qorans ۱۹۰۰ء میں اس تنقید کو پاش پاش کرنے والی تنقید (vernichtende Kritik) کہہ کر سراہا ہے۔ فلائشر کا یہی مضمون اس کی تالیف Kleine Schriften (جلد ۳ ص ۴۰۰ الخ) میں جو مجموعۂ مقالات ہے، نقل کر دیا گیا ہے وہ کوئی نئی یا زائد چیز نہیں۔

Marfat.com

چونکہ اس معاملے میں خود مغرب میں بھی معلوم ہوتا ہے خاص سنسنی پھیل گئی ہے اور اب تک ہر جگہ یقین کے ساتھ اس کا جعلی ہونا تسلیم نہیں کیا گیا ہے اس لئے ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا فوٹو کا ایک سنگی چربہ (لیتھوگرافی) شائع کر دیں۔ جس کو دیکھ لینے کے بعد کسی کو اس مزعومہ دریافت کے غیر اصلی ہونے کے متعلق مزید دلائل کی خواہش نہیں رہے گی۔ میں اجازت چاہتا ہوں کہ یہاں اس چیز کو دہراؤں جو میں نے اس فوٹو کے متعلق اپنے عزیز دوست پروفیسر بروک ہاؤس (Brockhaus) کو لکھا:-

[میں ذریعہ ہذا آپ کو وہ قیمتی دستاویز واپس کرتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ وہ اطالوی جس نے اس کو بنایا یا لے اڑا ہے، واقعی ایک نہایت مسعود شاعر کے تحت پیدا شدہ سمجھا جائے، اگر وہ اس بات میں کامیاب ہو کر حقیقی قابل مسلمانوں کو (جیسا کہ ترکی کے موجودہ وزیر تعلیم کمال افندی ہیں) اپنا ہمنوا بنا لے۔ اس اطالوی آدمی نے یہ دیکھنا چاہا ہے کہ آیا وہ مرغی ابھی تک زندہ ہے جس نے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مکتوب بنام مقوقس کے دریافت کرنے والے کے لئے اتنا عمدہ سونے کا انڈا دیا تھا۔ یہ خط بے لیں لئے نہیں بلکہ بارتلمی نے مصر میں دریافت کیا تھا اور مصر کے یونانی گورنر کے نام لکھا گیا تھا۔ دیکھئے زوزنال آزیاتیک بابتہ دسمبر ۱۸۵۴ء ص ۴۸۱ وما بعد) اسی لئے اس شخص نے اتفاقاً ایک دوسرے خط کو جو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بحرین کے ایرانی گورنر المنذر بن ساوی کے نام تبلیغ اسلام کے لئے تحریر فرمایا تھا اپنے ہاتھوں کا کھلونا بنانا چاہا ہے۔ اس خط کا ذکر ابن ہشام ص ۹۴۵ س ۱۳-۱۴ میں

Caussin de Perceval. Essai Sur l'Histoire des Arabes, vol. 3. p. 265, lines 6–19.

میں بھی ملے گا۔ مگر جہاں تک مجھے علم ہے اس خط کا متن کہیں بھی نہیں ملتا۔ اسی لئے اس نامعلوم رومانوی شخص نے اس خط کو پیدا کیا اور اسے خوف نہ تھا کہ کوئی آسانی سے اس کی تردید کرے گا۔ چنانچہ اس نے ہوشیاری سے اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ چند افسوس ناک طور سے خراب اور ناقابل فہم اشکال حروف کے باوجود خط کے ابتدائی حروف (جو اسے سب سے زیادہ پسند آئے) حیرت انگیز طور سے اچھی حالت میں باقی رکھے جائیں خاص کر "اللہ" اور "محمد" کے مقدس الفاظ پر زمانے سے بھی ادب کے خیال سے دست درازی کی جرأت نہ کی (چنانچہ عبارت بدل صاف پڑھی جاتی ہے۔)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد رسول اللہ الی المنذر بن ساوی سلام علیک فانی احمد اللہ الیک الذی لا الٰہ غیرہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ فاما بعد فانی۔

{اس کے خرید لینے کی خواہش کے دل میں پیدا ہونے کے لئے اس سے زیادہ جاننے کی ضرورت نہیں، اور ایک ہوشیار آدمی بہت زیادہ کی جسارت بھی نہیں کر سکتا۔ خط کی باقی عبارت ایسی ہے کہ اسے صرف وہی لوگ حل کر سکتے ہیں جو اپنے ذہانت کے ذریعے سے علم محض سے بھی کچھ نہ کچھ پیدا کر لینا جانتے ہیں۔ البتہ اس خیال سے کہ اسلام بہر حال خالی نہ چلا جائے خط کی بے پایاں تحریری ابتری میں "المسلمین ما اسلموا" کا فقرہ اچھی حالت میں آکر تبدیلی پیدا کرتا ہے

Marfat.com

"(مگر اتنی نفیس اور اچھی حالت میں محفوظ۔ ابتدا کے بعد (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کاتب کو ایک سے زائد مرتبہ عجیب بدقسمتی سے سابقہ رہا ہے۔ چنانچہ اس نے ترکی یا ترکیبے ہوئے لفظ کے مطابق "المنذر" کے عوض "المنزر" لکھ دیا ہے اور "غیرہ" کی جگہ "غیبرہ" اس کے علاوہ (شاید کسی دیہاتی بولی کی بنا پر غلطی ہی) بجائے "اشہد" کے "اشھد" لکھ دیا ہے اور ایک درجۂ اول کی عجیب و غریب چیز یہ ہے کہ "فاما" کو "فعما" لکھا ہے۔

"(میں سمجھتا ہوں کہ اتنا آپ کے لئے کافی ہوگا" (فلائشر)

ناظرین نے دیکھ لیا کہ "مہذب" ممالک کی علمی تحریروں کا طرز بیان کیسا ہوتا ہے۔ اس کو نظر انداز کر کے اعتراضوں کی تحلیل کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس فاضل ایڈیٹر کی رائے میں یہ خط جعلی ہے کیونکہ:-

(۱) المنذر بن ساویٰ کے نام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خط بھیجنے کا ذکر تو ملتا ہے۔ لیکن خط کی عبارت کہیں نہیں ملتی۔

(۲) پیش نظر فوٹو میں مرسل و مرسل الیہ کا نام تو صاف ملتا ہے لیکن اس سے آگے جعل سازنے عربی نما شکلیں بنا دی ہیں۔ وہ کوئی عبارت نہیں ہے۔

(۳) ان بے معنی شکلوں میں کہیں کہیں عربی الفاظ پڑھے جاتے ہیں لیکن ان میں املا کی ایسی غلطیاں ہیں کہ کسی عرب کاتب کی جانب منسوب نہیں کی جا سکتیں۔

پہلا اعتراض محض لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ منذر کے نام ایک نہیں میرے علم تک نصف درجن سے بھی زائد خط آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھے تھے (دیکھئے میری فرانسیسی تالیف ( Corpus ) دستاویزات نمبر (۴۴ تا ۵۱) وجہ ظاہر ہے

کہ مندز مسلمان ہو چکے تھے اور ایک اہم اسلامی صوبے کے راسخ العقیدہ، اطاعت شعار اور مخلص گورنر تھے۔ ان کے اسلام کے بعد کوئی چار سال تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے۔ ان خطوط میں جو مجھے مختلف قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی ورق گردانی پر منتشر حالت میں ملے، ایک وہ خط بھی ہے جس کی عبارت زیر بحث خط سے متفق ہے۔ یہ خط مجھے حسب ذیل کتابوں میں ملا ہے۔

۱۔ اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین مؤلفہ ابن طولون۔ تیسرا خط

۲ صبح الاعشیٰ مؤلفہ القلقشندی جلد ششم صفحہ ۳۶۸ بحوالہ سہیلی۔

۳۔ زاد المعاد مؤلفہ ابن القیم جلد سوم ص ۶۱ تا ۶۲

۴۔ المواہب اللدنیہ مؤلفہ القسطلانی جلد دوم صفحہ ۲۹۴

۵۔ رسالات نبویہ مؤلفہ عبدالمنعم خاں خط نمبر (۱۰۱)

نیز بعض اور کتابوں میں بھی یہ خط کاملاً یا جزءً ملتا ہے۔ اس کی عبارت[1] یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی المنذر بن ساوی سلام علیک۔ فانی احمد اللہ الیک الذی لا الٰہ

---

[1] ہمارے ماخذوں میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے شلاً "احمد اللہ الیک" کی جگہ مواہب لدنیہ میں "احمد الیک اللہ" ہے "وانہ من یطع" زاد المعاد میں ہے لیکن ابن طولون وغیرہ میں صرف "ومن یطع" ہے۔ اسی طرح "فاقبل منہم" کی جگہ صبح الاعشیٰ میں "فاقبل لہم" ہے یا "محمدا عبدہ ورسولہ" کی جگہ زاد المعاد میں "محمد رسول اللہ" ہے۔

Marfat.com

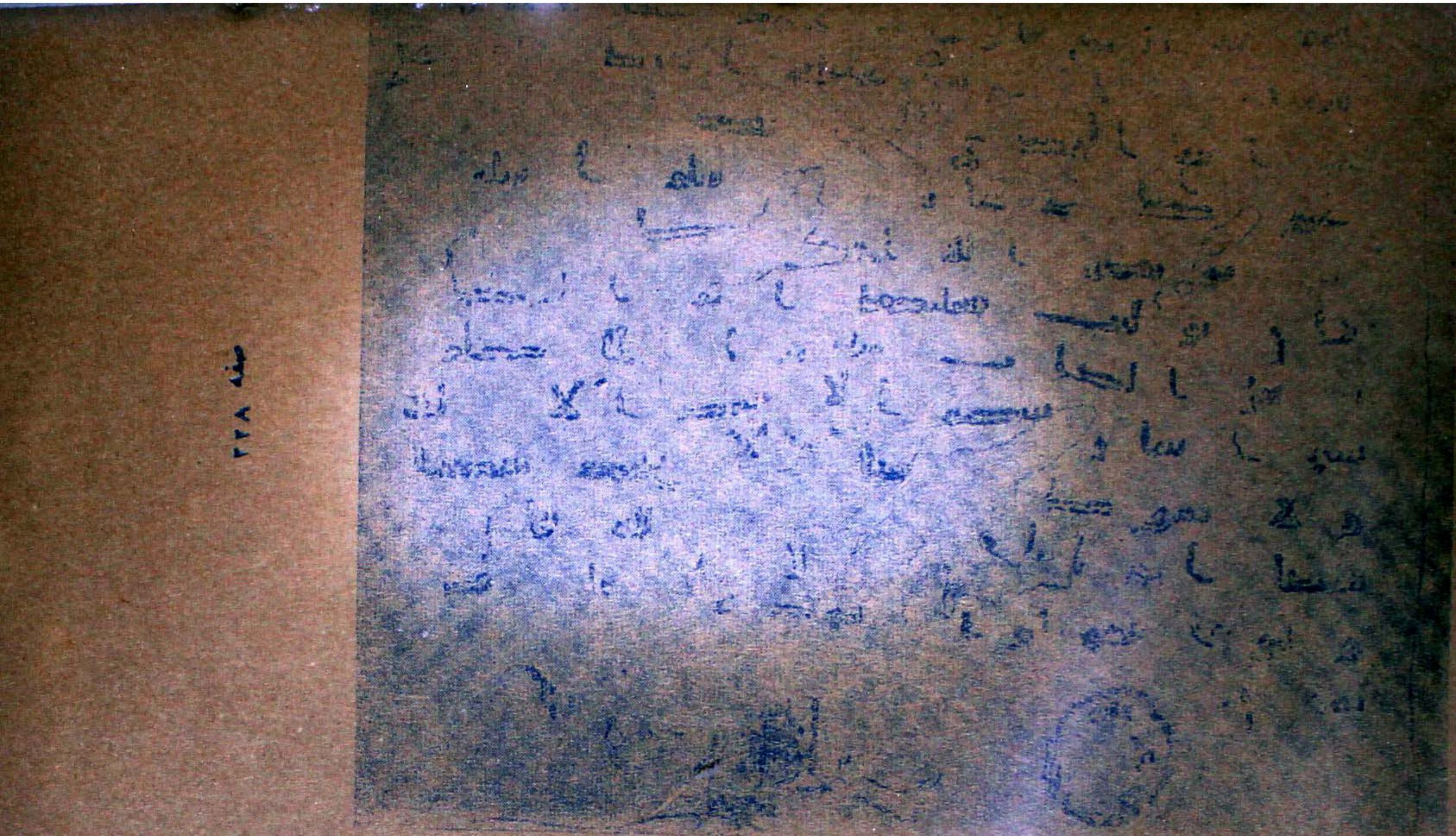

صفحه ۲۲۸

مکتوب نبوی بنام مقوقس (مطبوعه فرانس)

Marfat.com

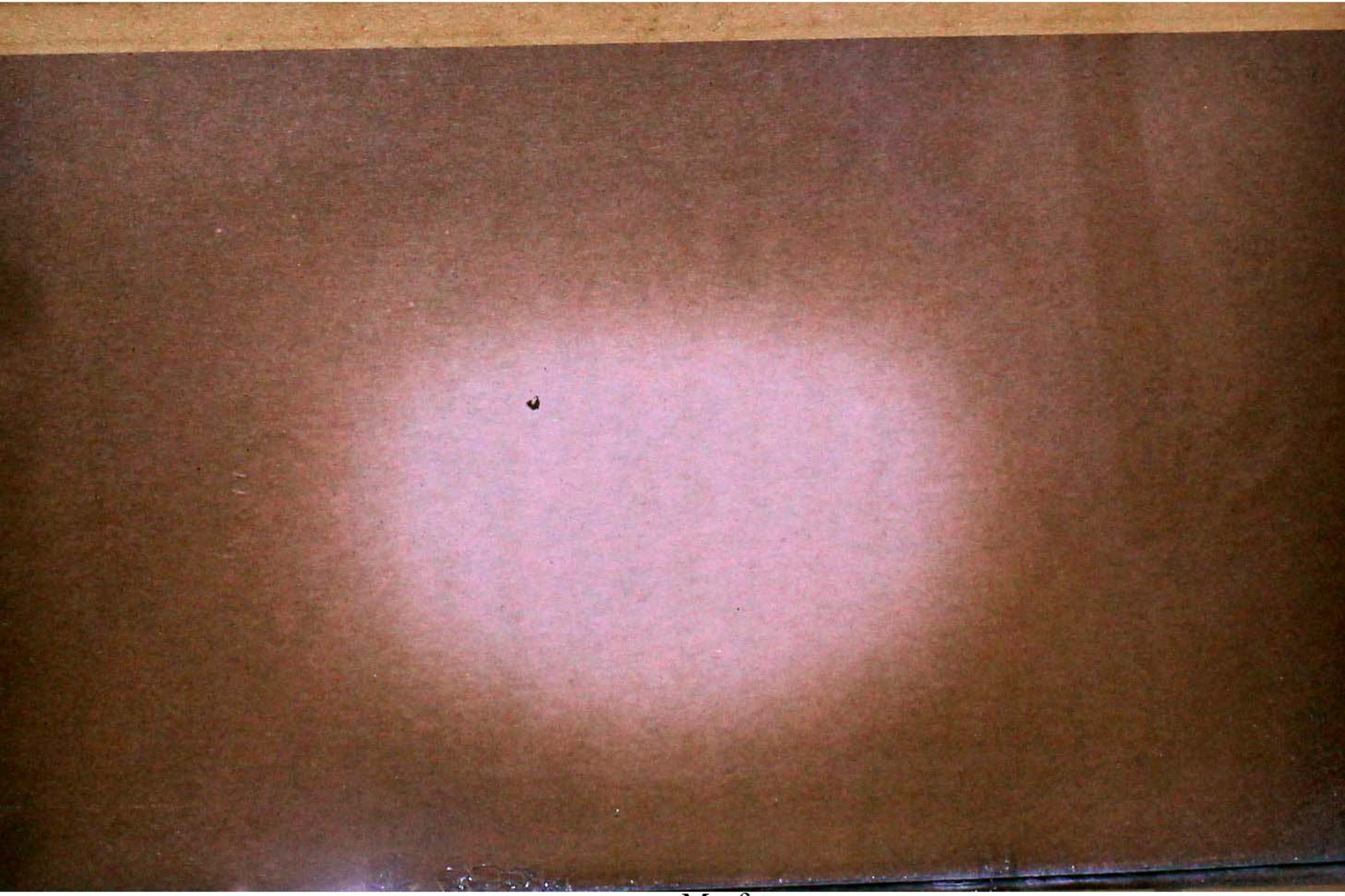

Marfat.com

الا ھو واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہ
اما بعد فانی اذکرک اللہ عز وجل فانہ من ینصح فانما ینصح
لنفسہ وانہ من یطع رسلی ویتبع امرھم فقد اطاعنی ومن
نصح لھم فقد نصح لی وان رسلی قد اثنوا علیک خیراً وانی
قد شفعتک فی قومک فاترک للمسلمین ما اسلموا علیہ و
عفوت عن اھل الذنوب فاقبل منھم وانک مھما تصلح
فلن نعزلک عن عملک ومن اقام علی یھودیتہ او مجوسیتہ
فعلیہ الجزیۃ۔

اس عبارت میں اور پیش نظر فوٹو کی عبارت میں صرف ایک جگہ خفیف فرق ہے یعنی فوٹو کی تیسری سطر میں "لا الٰہ غیرہ" ہے لیکن ہمیں جن قدیم کتابوں میں اس عبارت کی نقل ملی ان میں "لا الٰہ الا ھو" ہے۔ معنوں میں کوئی فرق نہیں اور یہ ابتدائی راوی یا کاتب کے ذہن کا سہو ہے۔ اس ایک قابل نظر انداز فرق کے علاوہ دونوں متن بالکل ہی یکساں ہیں۔

دوسرا اعتراض کا جواب دینا فضول ہے۔ جب خود سے نہ پڑھا گیا تو ناقابل فہم قرار دے دینا شان علمیت سے بعید تھا۔

تیسرے اعتراض کے متعلق بھی کسی کاوش کی ضرورت نہیں۔ ساڑھے تیرہ سو سال پہلے لکھا ہوا خط ہے۔ اگر کہیں کہیں سے سیاہی اڑ گئی ہے یا اس کے دھبے پھیل گئے ہیں یا خود ٹریس کر کے نقل لینے والے کے قصور سے شکلیں بگڑ گئی ہیں تو اس میں عہد نبویؐ کے کاتب کا کیا قصور۔

Marfat.com

عہد نبویؐ میں نقطے اور اعراب نہیں تھے۔ ان سے ہمارا یہ مکتوب بھی خالی ہے اور "غیرہ" کی جگہ غیبرہ نظر آنا یا "ر" کا "و" ہو جانا بلا شبہہ امتداد زمانہ کا اثر ہے کہ سیاہی پھیل گئی یا اُڑ گئی یا کسی خارجی اثر سے شوشے کی شکل کا دھبہ آ گیا۔[1]

"اشھد" کی جگہ فلائشر کو "اشعد" نظر آنا محض ستم ظریفی ہے یا ناواقفیت۔ اس زمانہ میں ھ کو اس طرح لکھتے تھے جس طرح کہ علامت "ر" چنانچہ ناظرین دیکھیں گے کہ اس فوٹو میں نہ صرف تیسری سطر میں [illegible] (اشھد) بلکہ چھٹی سطر میں [illegible] (امرھم جس میں "م" اڑ گیا ہے) اور اسی سطر میں [illegible] (لھم) اور آٹھویں سطر میں [illegible] (اھل) اور نویں سطر میں [illegible] (منھم جو سہواً منہم لکھ دیا گیا ہے) اور اسی سطر میں [illegible] غرض ہر جگہ ھ کو [illegible] لکھا گیا ہے۔

تعجب ہے کہ فلائشر جب اشھد میں [illegible] کو ع پڑھا تو فععا میں فععا کی جگہ فعما پڑھا ہے حالانکہ اس لفظ میں یا تو دونوں ع ہوتے یا دونوں "م"۔ یہ اصل میں ٹریس کنندہ کا سہو ہے کہ "رسولہ" کے ٹکڑے

---

[1] غیرہ کی جگہ عسرہ ہونا تردید کی جگہ توثیق ہی کرتا ہے۔ قرآن مجید میں والسماء بنینھا بأیید دو شوشوں سے ہے۔ بعض قدیم کتبوں میں آمین کو امس لکھا گیا ہے۔ یہ سب اصل میں قدیم طرز کتابت ہے اور ہماری دستاویز کی قدامت ہی کی دلیل۔

Marfat.com

لہ کو "اما بعد" میں ناقص طور سے ملا کر فما کر دیا ہے۔

میرے علم میں فلائشر کے علاوہ کسی اور نے اس خط پر کچھ نہیں لکھا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ فلائشر کے مطابق اس مکتوب کو ۱۸۶۲ء میں دمشق سے ایک اطالوی لے اڑا تھا مگر ۱۹۱۷ء میں خواجہ کمال الدین نے دمشق میں یہ خط اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا د ملاحظہ ہو اسلامک ریویو (Woking) بابتہ ۱۹۱۷ء) دمشق میں ۱۹۳۲ء میں میری ذاتی تحقیقات پر اتنا پتہ چلا تھا کہ اس طرح کا ایک خط سلطان صلاح الدین کے رشتہ داروں کے ہاں موجود ہے گو عام طور سے اہل شہر اس سے ناواقف ہیں۔ میری پہلی کوشش اس کے دیکھ سکنے کے متعلق اس لئے ناکام رہی کہ جس وقت میں وہاں گیا مکان پر کوئی آدمی نہ تھا۔ اس کے بعد میرا قیام دمشق میں نہ رہ سکا۔ اب میرے ایک سابق فرانسیسی ہم جماعت موسیو رائش نے اس کا پتہ لگایا ہے اور دمشق سے ایک ابتدائی اطلاع بھی بھیجی ہے۔ لیکن تادم تحریر ان کے موعودہ مفصل خط کا انتظار ہے۔ ممکن ہے کہ جو رسے مالکوں نے خط بعد میں واپس حاصل کر لیا ہو۔ اس سلسلے میں ایک بات یہ قابل ذکر ہے کہ مکتوب مقوقس اور مکتوب منذر دونوں کی ہر باوجود نقل کرنے والوں کے فرق کے یکساں ہے۔ جو کافی اہم شہادت ہے۔

آخر میں ایک بات یہ عرض کی جاسکتی ہے کہ کچھ دنوں پہلے عربی اخباروں کے حوالے سے ہندوستانی اخباروں نے یہ خبر شائع کی تھی کہ موجودہ نجاشی حبشہ کے پاس اب

Marfat.com

تک مکتوب نبوی بنام نجاشی اصحمہ محفوظ ہے۔ اس بارے میں مستند معلومات حاصل کرنے کے متعلق میری کوششیں اب تک ناکام رہیں۔

یہ چند سرسری باتیں ہیں جو عزیزم نائب مدیر صاحب مجلہ عثمانیہ کی خواہش پر عجلت میں قلم بند کی گئیں۔

**تتمہ** اوپر مضمون کی ابتدا، نیز وسط میں دو جگہ نوٹلڈ کے کا ذکر آیا ہے مضمون لکھتے وقت صرف اس کا جدید تر یعنی طبع دوم کا نسخہ پیش نظر تھا جو مؤلف کی وفات کے بعد شوالی نے من مانے حذف و اضافے کے ساتھ شائع کیا ہے۔ مضمون چھپنے کے بعد طبع اول دیکھنے کا موقع ملا تو نظر آیا کہ غریب نوٹلڈ کے نے تو مکتوب مقوقس کے اصلی ہونے کی صراحت سے رائے لکھی تھی۔ اس مضمون میں جتنی اعتراضی باتیں نوٹلڈ کے کی طرف مکتوب نبویؐ کے سلسلے میں درج ہیں وہ سب اصل میں شوالی کے قلم سے نکلی ہیں۔ فتنبہ ۱۲۔

Marfat.com

# آنحضرت صلعم کا خط (قیصر روم کے نام)

آغازِ اسلام کے وقت شام کا زرخیز علاقہ بیزنطینی سلطنت کے ماتحت تھا۔ اس کے جنوب میں جزیرہ نمائے عرب کی سرحد پر بہت سے بدوی قبائل بستے تھے، جو آزاد تو تھے لیکن بیزنطینی اثرات ان پر کارفرما تھے۔ انھیں قیصر روم کی جانب سے معقول معاش مقرر تھی[1]۔ اس کے معاوضے میں وہ حاجز کا کام دیتے اور خانہ بدوش عربوں کو بیزنطینی علاقے پر چھاپہ مارنے سے روکتے تھے۔

عرب بہت قدیم زمانے سے شام کے ساتھ تجارتی تعلقات رکھتے تھے اور ہر سال گرمی کے موسم میں ان کے کاروان اور قافلے شام پہنچتے تھے۔ ایرانی اور بیزنطینی سلطنتوں میں نسلہا نسل سے برابر جنگ کا سلسلہ جاری تھا۔ اور آنحضرت صلعم کی بعثت کے وقت تو اس میں اور تیزی پیدا ہو گئی تھی۔ اس سے متحاربین میں سے کسی کو بھی کیا فائدہ پہنچتا دونوں روز بروز کمزور ہی ہوتے چلے گئے۔ ہجرت نبوی سے کچھ پہلے ۷۱۳ء تا ۷۱۷ء میں ایرانی فوجوں نے دمشق بیت المقدس اور اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ مگر ہجرت کے پانچویں سال ۷۲۷ء میں نینوی کے مقام پر ایرانیوں کو کچھ ایسی زبردست اور مکمل شکست ہوئی کہ لڑائی کا پانسہ ہی پلٹ گیا۔ اور بیزنطینیوں نے نہ صرف اپنا کھویا ہوا سب علاقہ واپس لے لیا بلکہ حریف سے من مانی شرطیں بھی منوا لیں[2]۔

مسلمان مورخ[3] بیان کرتے ہیں کہ ۶ھ کے اواخر میں آنحضرت

---

[1] جملہ حوالے مضمون کے آخر میں درج ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے "بیزنطینوں کے سردار" (عظیم الروم) کے نام ایک نامہ بھیجا۔[۴]
اور سفیر کو حکم دیا کہ شہر بصریٰ (علاقہ حوران) کے حاکم کے حوالے وہ خط کر دے۔
گورنر بصریٰ نے اس کا انتظام خود کیا کہ وہ[۵] خط قیصر ہرقل کے پاس جو ان دنوں
ایشیائے کوچک میں مقیم تھا بھیج دے۔

اگرچہ گولٹ سی ہر جیسے[۶] مولفوں کو اس واقعے کی صداقت کے تسلیم کرنے
میں تامل نہیں لیکن ہم یہاں ان اعتراضات کی چھان بین کریں گے جو مختلف یورپی
فضلاء کی طرف سے اٹھائے گئے ہیں۔

چنانچہ سویڈن کے مشہور مولف بول[۷] نے آنحضرت صلعم کی سیرت لکھتے
ہوئے ان خطوط کا بھی ذکر کیا ہے جو ہمسایہ فرماں رواؤں کے نام تبلیغ اسلام
کی غرض سے بھیجے گئے تھے مگر اسے اس واقعے کی صحت میں شبہ ہے چنانچہ
وہ لکھتا ہے کہ مسلمان مورخوں کی روایت کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے فرستادہ سفیر معجزانہ طور سے ان ممالک کی زبانیں بولنے لگ گئے جہاں
انھیں بھیجا گیا تھا۔ یہ قصہ اصل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے متعلق
مشہور ہے کہ انھیں دنیا کے مختلف حصوں میں جانے کے لئے نامزد کیا گیا اور
ان کے عذر پر کہ انھیں ان ملکوں کی زبانیں نہیں آتیں حضرت عیسیٰ نے دعا کی اور ہر
حواری خود بخود اس ملک کی زبان بولنے لگ گیا جہاں اسے بھیجا جا رہا تھا۔ دوسرے
الفاظ میں مسلمان مورخوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایہ ممالک میں
سفیروں کے بھیجنے اور ان سفیروں کے نئی زبانوں کے خود بخود سیکھ جانے کے
قصے کو محض اس لئے گھڑ لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات میں حضرت

Marfat.com

عیسیٰ علیہ السلام سے کم نظر نہ آئیں۔

لیکن یہاں کو غلط فہمی ہوئی ہے اگرچہ اس سلسلے میں اُس نے اپنے کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ لیکن کوئی تعجب نہیں ہے کہ ابن سعد نے واقدی کی کسی افسانہ نگاری سے استفادہ کیا ہو۔ چنانچہ ابن سعد نے بھی طبقات (جلد اول حصہ دوم صفحہ ۱۹) میں واقدی کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں واقعے کے بعض اہم جزئیات کو نظر انداز کر دینے سے مطلب خبط ہو گیا۔ یہ واقعہ پوری تفصیلوں کے ساتھ ہمیں ابن ہشام کی سیرۃ رسول اللہ صفحہ ۹۷۱ میں اور طبری کی تاریخ (سلسلہ ۱۔ ل صفحہ ۱۵۶۰ میں ملتا ہے وہاں تو کچھ اور ہی ذکر ہے چنانچہ لکھا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد ایک دن آنحضرتؐ نے یہ طے فرمایا کہ متعدد ہمسایہ فرماں روا دؤں کے پاس تبلیغ اسلام کے لئے سفارتیں بھیجی جائیں۔ سفیروں کو نامزد کرنے سے پہلے آپ نے احتیاطاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے اور فرستادہ حواریوں کا قصہ بیان فرمایا اور ارشاد کیا کہ اگر میں بھی کچھ سفیر بھیجنا چاہوں تو تم لوگوں کو ان حواریوں کی طرح ہچکچاہٹ اور پس و پیش نہ کرنا چاہیے۔ اس کے بعد اعلان فرمایا کہ فلاں شخص فلاں حکمران کے پاس خط لے جائے اور فلاں شخص فلاں کے پاس۔

اس روایت میں نہ تو کوئی خارق العادۃ واقعہ ہے اور نہ کوئی خلاف عقل یا غیر قرین قیاس امر جو حواریوں کا قصہ بیان کئے جانے کی ضرورت بھی واضح ہے کہ کسی صحابی کو ذرا بھی تردد نہ پیدا ہو۔

اس واقعے سے شاید ہم یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمسایہ ممالک میں مبلغ بھیجنے کا خیال کس طرح پیدا ہوا۔ وہ کون شارع مذاہب

ہو گا جو حضرت عیسیٰ کی بیان کردہ فرستادگی حواریین کی اقتدا کا خیال نہ کرے فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ لو خود قرآنی حکم ہے۔

اب کچھ کاظمانی کے اعتراضات بھی سنئے۔

۱- مسلمان مورخ سفراء کے بھیجنے کا واقعہ ۶ھ کے اواخر کا قرار دیتے ہیں اور پھر یہی مورخین دکاظمانی نے واقدی، ابن ہشام، یعقوبی، طبری جیسے متقدمین کے نام اس تذکرے کے آخر میں بطور ماخذ واقعہ گنائے ہیں ہم کہتے ہیں کہ حضرت دحیہؓ کے مال و متاع پر قیصر کی غارت سے واپسی پر جو ڈاکہ پڑا وہ ۶ھ کے وسط میں پیش آیا ۶ھ کے اواخر میں روانگی اور اسی سال کے وسط میں واپسی بدیہی طور پر ناممکن ہے۔

۲- حضرت دحیہؓ کا قیصر کے پاس جانا بیان کیا جاتا ہے اور وہ خیبر کی مہم میں بھی شریک رہتے ہیں۔ یہ مہم سفارت کی روانگی کے بعد ہی پیش آئی اور یہ غیر قرین قیاس ہے کہ حضرت دحیہؓ سفارت کو سرانجام دے کر اس قدر جلد واپس ہو گئے ہوں۔

۳- مسلمان مورخ بیان کرتے ہیں کہ اسلامی سفیر نے قیصر سے بیت المقدس میں ملاقات کی جبکہ وہ (قیصر) صلیب مقدس کے ایرانیوں سے واپس مل جانے کی خوشی میں وہاں آیا ہوا تھا۔ قیصر کی آمد ۶۲۹ء کی ابتدا یعنی ۷ھ کے اواخر میں ہوئی نہ کہ ۶ھ کے اوائل میں جیسا کہ مسلمان مورخین کے بیان سے مترشح ہوتا ہے۔

۴- سیرت ابن ہشام حقیقت میں سیرت ابن اسحاق کی تہذیب دادہ

Marfat.com

صورت ہے مگر ان سفارتوں کی روانگی کا واقعہ ابن اسحاق کی اصل کتاب میں نہیں ہے کیونکہ روایت کی ابتدا میں ابن ہشام نے ابن اسحاق کا نام نہیں لیا ہے (یعنی یہ واقعہ ابن ہشام نے خود گھڑ لیا ہے)

۵۔ سفیروں کی روانگی اگرچہ اتنا اہم واقعہ ہے کہ لیکن عربی تاریخوں اور حدیث کی کتابوں میں جملہ روایتیں صرف ایک ابن عباس ہی سے منقول ہیں دیگر صحابہ کے بیانات بالکل مفقود ہیں۔ لیکن:۔

## کائتانی کا پہلا اعتراض

کچھ ٹھیک نہیں سیرۃ ابن ہشام (صفحہ ۹۷۶) اور تاریخ یعقوبی (جلد دوم صفحہ ۷۴) میں جہاں حضرت دحیہؓ کا مال لٹنے وغیرہ کی مہم کا ذکر ہے، بلا تعین تاریخ واقعہ بیان کیا گیا ہے جیسے اور بہت سے واقعات کا ان میں تذکرہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخ طبری میں (صفحہ ۱۵۵۵ پر) بے شبہ ۶ھ کے وسط کا ذکر ہے مگر یہ واقدی کی روایت ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ طبری نے خود اس کو قبول نہیں کیا ہے۔ کیونکہ تھوڑی دور آگے چل کر طبری نے (صفحہ ۱۷۴۱ پر) اپنی تاریخ میں مکرر اس مہم کا اس کے موقع پر ذکر ہے۔ اگرچہ اس جگہ طبری نے تاریخ نہیں بیان کی ہے۔ لیکن واقعات اپنی ترتیب سے بیان ہوئے ہیں۔ طبری کا واقدی کی روایتوں کے متعلق جو رجحان ہے وہ معروف ہے ان روایتوں کے ساتھ اکثر زعم الواقدیؒ کا ایک حد تک طنزیہ فقرہ ضرور ہوتا ہے۔ اب رہی ہے ایک واقدی کی روایت سو واقدی کی حیثیت ایک تاریخی سانہ نگار سے بڑھ کر نہیں اس بیان کو بے پس و پیش رد کر دیا

Marfat.com

جا سکتا ہے[۱۱]۔ واقدی کی توقیتی غلطی کو مصری مورخ زینی دحلان نے محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ سیرت نبوی لکھتے ہوئے اس واقعے کے تذکرے میں واقدی کی روایت کو اساس بنا پر رد کر دیا ہے کہ سفیروں کی روانگی سے پہلے واپسی ناممکن ہے[۱۲]۔

عرب مورخ یہ ضرور بیان کرتے ہیں[۱۳] کہ حضرت دحیہؓ جب قیصر روم کو مکتوب نبوی پہنچا کر شام سے واپس آ رہے تھے تو ان پر چند بدوی قبائل نے ڈاکہ ڈالا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ مورخین کو ایک غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیونکہ حضرت دحیہؓ ۶ھ کے اواخر میں شام کو روانہ ہوئے اور جب وہ قبیلہ جذام کے علاقے میں سے تھے تو اس قبیلے کے چند زہزنی پیشہ افراد نے ان پر حملہ کیا۔ اس قبیلے میں چند خاندان مسلمان ہو چکے تھے۔ جب انھیں اطلاع ملی تو وہ دوڑے اور حضرت دحیہؓ کا مال جو وہ تجارت کے لئے[۱۴] لے جا رہے تھے (نہ کہ وہ جو قیصر نے بطور انعام و اکرام دیا تھا، جیسا کہ کاتانی نے واقدی کے افسانے سے اخذ کر کے لکھا ہے) ڈاکوؤں کے ہاتھ سے چھڑایا۔ حضرت دحیہؓ غضبناک ہو کر مدینہ منورہ واپس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ اس کو بعض افراد عوام نے یہ سمجھ لیا کہ وہ سفارت پوری کر کے واپس آ گئے اور انھیں کی روایت مسلمان مورخین کے پاس جگہ پا گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ایک تنبیہی مہم روانہ فرمائی اور چند دن بعد خود بھی خیبر کی جنگ پر روانہ ہو گئے۔ جہاں حضرت دحیہؓ ساتھ رہے۔ اور خیبر کی فتح کے بعد وہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ شام کو روانہ

Marfat.com

ہو گئے تاکہ قیصر کو نامہ مبارک پہنچا ہیں یہ یاد رہے کہ اس واقعے کے جزئیات سب حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت سے ماخوذ ہیں۔ حضرت ابن عباس کی عمر اس واقعے کے وقت دس سال سے زیادہ نہ تھی انھیں یہ حالات بعد میں اور لوگوں کی زبانی معلوم ہوئے ہوں گے۔ اس لئے واقعے کے جزئیات میں بعض کوتاہیوں یا غلطیوں کا امکان ضرور رہتا ہے گو اس کے ذمہ دار وہ خود نہیں۔ اس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ فرستادگی سفارت کا واقعہ حضرت ابن عباس رضؓ کے زمانے میں بھی ملک میں مشہور تھا گویا ایک سرکاری اور حکومتی معاملہ ہونے کے باعث اس کے تمام جزئیات سے عوام کو واقفیت نہیں ہو سکتی تھی۔ خاص کر سفیر کا مال لٹ کر حکومت اسلامیہ کی توہین ہونے کے۔

حضرت دحیہ رضؓ پر روم کے سلسلے میں جو مہم بھیجی گئی تھی وہ حسمیٰ نامی تاریخی مقام پر پہنچی۔ حسمیٰ کا مقام وادی القریٰ کے پرے مدینے سے آٹھ دن کے فاصلے پر واقع ہے۔ بلغار کے آس تو بعض وقت اونٹ یہاں سے مدینے کو تین ہی دن میں پہنچ گئے ہیں۔ بعض حالیہ یورپی سیاح بھی تبوک کے اطراف میں اس نام کے ایک پہاڑ کا ذکر کرتے ہیں تو بعض اسلامی حجاج اس نام کے ایک علاقے اور قبائلی دیار کا معاملے کا بدیہی اسباب کے بنا پر زیادہ چرچا خود رسول کریم نے پسند نہ فرمایا۔ خبر کی مہم بھی درپیش تھی۔ لوگوں کی توجہ اللہ یکسوئی کو بٹانا کسی طرح قرین مصلحت نہ تھا۔ غرض یہ مقام مدینے سے اتنا قریب ہے کہ حضرت دحیہ رضؓ کی سفارت پر روانگی و واپسی اور تبلیغی مہم سب اس مدت کے اندر وقوع میں آ سکتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح حدیبیہ سے واپسی اور خیبر

Marfat.com

کی روانگی کے مابین پائی جاتی ہے۔ ابن ہشام[۱] کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے ذی قعدہ ۶ھ کے آخر دنوں میں مدینہ واپس آئے اور محرم ۷ھ میں خیبر روانہ ہوئے ابن سعد[۱۹] کے مطابق خیبر کو روانگی اور چند ماہ بعد عمل میں آئی۔ غرض حدیبیہ اور خیبر کو روانگی کے مابین کم از کم پانچ ہفتوں کا وقفہ پایا جاتا ہے۔ اور یہ مدت حضرت دحیہؓ کی روانگی اور عمیؓ کی تبلیغی مہم کے پیش آنے کے لئے کافی ہے۔

## کاشانی کا دوسرا اعتراض

بھی مذکورہ بالا توضیح کے سامنے ٹھیر نہیں سکتا۔ کاشانی کو حضرت دحیہؓ کی جنگ خیبر میں شرکت صرف واقدی میں ملی ہے۔ مگر یہ واقعہ ابن ہشام، طبری اور بخاری[۲۰] نے بھی بیان کیا ہے۔ تاہم جیسا کہ ہم دکھا چکے ہیں حضرت دحیہ کا مہم خیبر میں شریک ہونا ناممکن نہیں اور نہ ہی وہ اس بات کے لئے کوئی ثبوت بن سکتی ہے کہ سفارتِ شام کا واقعہ من گھڑت ہے۔

## تیسرا اعتراض

بھی برقرار نہیں رہ سکتا کیونکہ سفیر مذکور کا شام کے اواخر میں بیت المقدس میں رہنا کسی طرح بھی غیر قرین قیاس نہیں علاوہ برآں یہ امر قابل ذکر ہے کہ واقعات زیر بحث کے اسلامی ماخذوں میں امام بخاری کی شخصیت سب سے ممتاز ہے اور انھیں بہر حال واقدی پر ترجیح دینی ہوگی۔ خاص کر اس لئے کہ دونوں نے واقعات کو حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ امام بخاری کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفیر کو حکم دیا تھا کہ خط گورنر بصریٰ کے حوالے کرے اور اس خط کو گورنر بصریٰ نے قیصر کے پاس حمص خود بھیجا۔ قیصر بیت المقدس جا رہا تھا تاکہ وہاں صلیب مقدس

کی واپسی کے شکرانے کی تقریب میں حصہ لے۔ چنانچہ گورنر بصریٰ کا خط ملنے پر قیصر نے جو اسلام اور بانی اسلام کے متعلق کوئی معلومات نہ رکھتے تھے، حکم دیا کہ رومی علاقے میں اگر حجازی تاجر آئے ہوئے ہوں تو انھیں حاضر کیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان تاجروں کو بیت المقدس میں باریابی کا موقع حاصل ہوا (بخاری)

رہا قیصر کا سفر سو ۶۲۹ء کی روایت یونانی مورخ تیوفان نے بیان کی ہے مگر مورخ نقیفورد (Nicephore) لکھتا ہے کہ قیصر ہرقل ۶۲۸ء میں بیت المقدس آیا۔ وہاں کے گرجے کی یادداشت بھی اس کی تائید میں ہے اندلسی سے یہاں تک تعیین ہوتی ہے کہ ۶۲۸ء میں وسط ستمبر میں ہرقل نے عید واپسی صلیب میں شرکت کی۔

## چوتھا اعتراض

۲۲ھ بھی درست نہیں کیونکہ گو ابن ہشام نے سفیروں کے واقعے کو بیان کرتے وقت شروع میں ابن اسحاق کا نام نہیں لیا ہے لیکن اس روایت کے سلسلے میں ذرا نیچے اس نے دو مرتبہ ابن اسحاق کا حوالہ دیا ہے ابن ہشام نے یہ بھی لکھا ہے کہ عین اور بحرین کی سفارتوں کا حال اس کی ذاتی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ جس کے معنی دوسرے الفاظ میں یہ ہیں کہ باقی دیگر سفارتیں خود ابن اسحاق کی بیان کردہ ہیں۔ مزید برآں اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ ابن اسحاق نے قیصر و نجاشی کے پاس بھیجے ہوئے سفیروں اور خطوں کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے، کیونکہ اگرچہ ابن ہشام نے اپنی کتاب میں ان خطوط کے متن حذف کر دیئے ہیں لیکن طبری اور بیہقی اور قلقشندی نے ان خطوط کے متن ابن اسحاق کے حوالے ہی سے درج کئے ہیں۔

Marfat.com

## کاشانی کا پانچواں اور آخری اعتراض

یہ تھا کہ سفارت کا اہم واقعہ صرف حضرت ابن عباس رضؓ نے بیان کیا ہے، اگرچہ اس سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا مگر یہ اعتراض بھی کاشانی کی تحقیقات کا سطحی ہونا ثابت کرتی ہے کیونکہ علاوہ دیگر مولفین کے بلاذری اور احمد بن حنبل نے قیصر کی سفارت حضرت انسؓ کی روایت کی بنا پر بھی بیان کی ہے کنز العمال جلد پنجم ص ۵۶۸ میں یہ حضرت خالد بن سعید بن العاص سے بھی مروی ہے۔ طبرانی میں تو خود حضرت دحیہ کلبی کی روایت محفوظ ہے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ جو ہمارے بڑے ماخذ معلومات ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص صحابہ میں سے ہیں۔ ایک آپ کے چچازاد بھائی ہیں تو دوسرے شخصی خادم۔ ان دونوں نے شام و مصر کے فتوحات اپنی آنکھوں سے دیکھے ان کے متعلق اس بات کا کس طرح گمان ہو سکتا ہے کہ ان میں اپنے آپ کو حقیر سمجھنے کا جذبہ پایا جاتا ہو، جس کے تحت انھوں نے اپنے بانی مذہب کی بڑائی دکھانے کے لئے قیصر روم سے خط و کتابت کا واقعہ گھڑ لیا ہو۔ ان دونوں بڑی عمر پانے والے صحابیوں کی نوجوانی ہی میں قیصر ہرقل کی فوجوں کو مسلمان متعدد فاش شکستیں دے چکے تھے اور اس کی سلطنت کے چند نہایت زرخیز صوبے چھین چکے تھے۔ رہے خالد بن سعید، سردہ فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص کے بھتیجے ہیں۔ ان لوگوں میں تو اپنے آپ کو برتر سمجھنے کا ہی جذبہ ہونا چاہیئے۔

یہ تو جواب تھے اعتراضوں کے انھوں نے عدم امکان کو رفع کرنے کی

Marfat.com

کوشش کی ہے ان کے علاوہ بعض اور وجوہ ہیں جو ہمیں ارسال سفیر کے واقعہ کی صحت کا یقین دلاتے ہیں:-

اوّل یہ واقعہ ہے کہ ہرقل بیزنطینی تاریخیں موجود نہیں ہیں۔ بیزنطینی حکومت کے دربار میں بھی سرکاری وقائع نگار رہا کرتے تھے مگر ایک زمانے میں ایک صدی تک ان میں فصل پڑ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دور بھی اس وقفے سے متعلق رکھتا ہے اگر بعد کے بیزنطینی مورخوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا تذکرہ نہ کیا ہو تو کوئی حیرت نہیں کیونکہ وہ عیسائی تھے اور ان کے بادشاہ کو اگر کسی نئے مذہب کے بانی نے تبلیغ کی ہو تو ان کی نظروں میں اس خط کو کیا اہمیت ہو سکتی ہے مسلمانوں سے بعد میں ان کی لڑائیاں رہیں اس لئے بیزنطینی مورخ جنگ موتہ کا ضرور ذکر کرتے ہیں بس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روانہ کردہ فوجوں کو بیزنطینی فوجوں نے شکست دی تھی۔

دوسرے یہ کہ جملہ مسلمان مورخ جن میں امام بخاری جیسی محتاط شخصیت شامل ہے، اس سفارت کا ذکر کرتے ہیں۔

تیسرے خود نفسِ معاملہ میں کوئی امر غیر قرینِ عقل نہیں۔ ایک بانی مذہب اپنی کامیابیوں سے حوصلہ و ہمت پا کر اپنے ایک ہمسایہ حکمران کو تبلیغ دین کرنے کی خواہش کرتا ہے اور اس حکمران کے ایک صوبہ دار کے توسط سے جس سے اس کے ہم وطن تجارت کے سلسلے میں اچھی طرح واقف تھے اس حکمران کے نام ایک خط روانہ کرتا ہے کیونکہ حکمرانِ مذکور کا قیام اکثر سمندر پار قسطنطنیہ میں رہتا ہے اور اس کے عرب سے قریب بیت المقدس آمد آمد کی شہرت تھی۔

Marfat.com

اس سے مخاطب کا اس سے بہتر موقع نہیں ہو سکتا تھا۔ آداب کے سلسلے میں اس کی کہاں توقع کی جا سکتی ہے کہ نبی حجازی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرسلہ خطوط میں ان ظاہری اور رسمی امور کی پابندی ہو جو سلاطینِ عظام اپنی خط و کتابت میں ملحوظ رکھتے ہیں۔ قیصر ہرقل کا نام عرب میں ہر شخص جانتا تھا کہ یہ وہی بادشاہ تھا جس نے اکتیس سال (۶۱۰ء تا ۶۴۱ء) حکومت کی اور عربوں کی گرمانِ تجارت گاہ شام و فلسطین و مصر کو ایرانیوں کے ہاتھوں سے دوبارہ چھین لیا تھا۔ یہ بات نہ بھلائی جائے کہ خط گورنر بصریٰ کے پاس بھیجا گیا تھا سفیر کے ذمے یہ فریضہ بالاصل نہ تھا کہ وہ قیصر سے بھی ملاقات کرے۔

چوتھے خود اصل خط کی موجودگی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے چھٹی صدی ہجری کے مراکشی مورخ ہیلی[۳۱] نے چشم دید گواہوں کی شہادت پر یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ان کے زمانے میں اسپین (قسطیلہ) کے حکمران الفونسو[۳۲] نے جس کے قبضے میں آنحضرت صلعم کا خط بنام ہرقل موجود تھا ایک مسلمان سپہ سالار عبدالملک بن سعید کو دکھایا نیز یہ کہ الفونسو کی وفات کے بعد یہ نامہ مبارک اس کے نواسے کو وراثت میں ملا۔ اس سے ایک صدی بعد علامہ عینی کا زمانہ آتا ہے وہ مصر کے ملوک سلاطین کے دربار میں بڑا رسوخ رکھتے تھے اور اعلیٰ سرکاری خدمت پر مامور[۳۳] تھے وہ بھی لکھتے ہیں[۳۴] کہ ملوک سلطان قلاؤون نے اسپین کے عیسائی بادشاہ کے پاس ایک سفارت بھیجی تھی اور اس بادشاہ نے سلطان کے سفیر سیف الدین قلیج کو نامہ مذکور بتایا تھا یہ سفارت ۶۸۲ھ میں بھیجی گئی تھی۔ ابن فضل اللہ العمری (وفات ۷۴۸ھ) مصر کے میر منشی کا زمانہ اس کے بعد آتا ہے۔ اس نے بھی اپنی

کتاب میں سلاطین عالم کے القاب کے سلسلے میں شاہ اسپین کا ذکر کیا ہے[۳۶]۔
اور بتایا ہے کہ شاہ اسپین کے سفیر نے اس سے گفتگو کی اور کہا کہ شاہ
اسپین قیصر ہرقل کی اولاد[۳۷] میں سے ہے اور یہ کہ نامہ نبوی بنام ہرقل اس وقت
تک شاہ اسپین کے پاس محفوظ و موجود ہے۔

مراکش کے مشہور ایرد عالم شیخ عبدالحی کتانی نے حال میں ایک دلچسپ[۳۸]
کتاب شائع کی ہے جس میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ سیاسی، اجتماعی
اداروں اور پیشوں کے متعلق کتب حدیث و تاریخ وغیرہ کا مواد اکٹھا کر دیا ہے۔
اس کتاب کی جلد اول صفحہ ۵۶ تا ۸۰ میں خاص اس خط کے متعلق ایک باب
باندھا ہے انھوں نے خفاجی (وفات ۱۰۶۹ھ) کی کتاب شرح شفاء جلد سوم
صفحہ (۱۴، ۱۱) طبع اول پر یہ عبارت ڈھونڈ نکالی ہے:

"کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب تک اسپین کے بادشاہوں
کے پاس موجود ہے۔ وہ اس کی عزت کرتے ہیں اور ایک سنہری صندوق
میں حفاظت سے رکھتے ہیں اور نسلاً بعد نسل اس کی نگہداشت
کی وصیت کرتے آتے ہیں"۔

اسی طرح شیخ کتانی کی تحقیقات[۳۹] سے مراکش کے ایک مشہور مولف شیخ ابوراس
بن احمد بن ناصر الراشدی العسکری (وفات ۱۲۳۸ھ) کی کتاب الجزالمعرب عن
الامر المغرب الحال بالاندلس و ثغور المغرب میں بھی اس خط کے وجود کا
ذکر پایا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کتانی کو اس خط سے خاص دلچسپی رہی
ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ[۴۰] جب وہ ۱۳۲۱ھ میں اسپینی مراکش کے پایہ تخت

تطوان گئے تو وہاں کے اسپینی ریسیڈنٹ جنرل و مقیم عام اسے اس بارے میں گفتگو کی مگر جب سے مسلمان اسپین سے جا چکے ہیں اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ چنانچہ مقیم عام مذکور کو بھی اس بارے میں کوئی علم یا اطلاع نہیں تھی۔ مراکش کے سلطان مولائی اسمٰعیل جن الشریف نے بھی اپنے ہمعصر شاہ فرانس سے اس بارے میں خط و کتابت کی تھی، کیونکہ سنا جاتا تھا کہ وہ خطاب فرانس میں ہے مگر ۱۳۳۲ھ میں جب فرانس جمہوریہ فرانس مراکش کے دورے پر آیا تو اس نے مقامی مسلمان علماء کی دریافت پر کہا کہ فرانس میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے اور یہ میں نے اس سے پہلے اس بارے میں کچھ سنا ہے۔ شیخ کتانی نے چند اور مسلمان مؤلفوں کے حوالے دیئے ہیں جنھوں نے اس خط کی موجودگی کا ذکر کیا ہے مگر ان کے بیانات سے کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوتی۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسلامی مورخوں کے بیان کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ تبوک کے وقت قیصر ہرقل کو ایک اور خط بھیجا تھا۔ بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی دفعہ بھی حضرت دحیہ رضی ہی سفیر تھے۔ بعض متاخر مسلمان مؤلف قیصر اور ہرقل میں فرق کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ ہرقل شام کے گورنر کا نام تھا، اور قیصر قسطنطنیہ کے بادشاہ کا لقب تھا۔ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط قیصر کے نام نہیں بلکہ ہرقل گورنر شام کے نام تھا مگر شاید اسے غلط فہمی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سلطنت روم خود مختار ملکوں پر مشتمل تھی ایک کا پایہ تخت روما تھا دوسرے کا قسطنطنیہ۔ قیصر عموماً روما کے بادشاہ کا لقب

ہوتا تھا۔ مگر اسلامی مورخ قسطنطنیہ کے بادشاہ کو بھی قیصر ہی کہتے آئے ہیں اور قسطنطنیہ کی بیزنطینی حکومت بھی شام کی مالک تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وہاں ہرقل ہی حکمران تھا۔ اس لئے قیصر اور ہرقل کا امتیاز کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

اس بحث کے بعد اب شاید کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم کا بیزنطینی شہنشاہ ہرقل کو تبلیغی خط لکھنا ناممکن نہیں ہے بلکہ حالات اس کی تائید ہی میں ہیں۔

## حوالے

(1) De Goeje, Memoire sur la Conquete de la Syrie, 2nd ed., p. 29. Nicephore Cpolitane, De rebus post mauritium gestis, p. 27

(2) Noldeke, Encyclopaedia Britannica. s. v. Persia.

(۳) مثلاً تاریخ طبری صفحہ (۱۵۵۹)

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مکتوب کا متن حسب ذیل کتابوں میں ملتا ہے:-

صحیح بخاری کتاب نمبر ۱ باب نمبر ۷۔ کتاب نمبر ۵ باب نمبر ۲-۱۔ کتاب نمبر ۶۵ باب نمبر ۳ حدیث نمبر ۴۔ تاریخ طبری صفحہ ۱۵۶۵۔ مسند احمد بن حنبل جلد نمبر (۱) صفحہ ۲۶۳۔ جلد نمبر ۳ صفحہ ۴۴۲۔ تاریخ یعقوبی جلد دوم صفحہ ۸۰۔ صبح الاعشیٰ مولفہ

Marfat.com

قلقشندی جلد نمبر ۷ صفحہ ۳۷۶ تا ۳۷۷ - مفید العلوم و مبید الہموم مؤلفہ قزوینی باب ہشتم نمبر ۱ - زاد المعاد مؤلفہ ابن القیم جلد نمبر ۳ صفحہ ۶۰ رسالات نبویہ مؤلفہ عبد المنعم خاں - مکتوب نمبر ۱۱۶ وغیرہ وغیرہ -

(۵) صحیح بخاری کتاب نمبر ۱ باب نمبر ۶ نیز کتاب نمبر ۵۶ باب نمبر ۱۰۲

(۶) Goldziher, Die Religion des Islams (Kultur der Gegenwart, 1906), p. 245

(۷) Buhl, Das Leben Mohammeds. p. 245

(۸) نیز دیکھئے تاریخ مصر مؤلفہ ابن عبد الحکم (طبع لائڈن) صفحہ ۴۵

(۹) قرآن مجید سورہ ۶ آیت ۷۰

(۱۰) Caetani, Annali dell'Islam, anno 6. p. 50.

(۱۱) اصل میں واقدی نے واقعات کے وقت کے ذکر میں سہواً اس بات کا لحاظ نہیں کیا ہے کہ حجاز میں سنہ کبیسہ رائج تھا اور ہر تین سال میں ایک مہینہ بڑھایا جاتا تھا - پھر بعض وقت سنہ ہجری سے وقت مقرر کیا ہے اور بعض وقت تاریخ ہجرت سے (دیکھئے کائتانی کی تاریخ انالی سنہ ۱ھ ف ۱۳ نوٹ نمبر ۱) سب جانتے ہیں کہ ہجرت نبوی اور سنہ ہجری میں دو ماہ کا فرق ہے اور سنہ ۶ھ میں حجاز کے مروجہ سنہ اور ہجری سنہ میں دو ماہ کا فرق ہو جاتا ہے - اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ واقدی نے حضرت دحیہؓ کی مہم کا وقت بیان کرتے وقت مروجہ عربی سنہ کی جگہ سنہ ہجری بیان کر دیا اور کبیسہ مہینوں کے بڑھانے

کا خیال نہ رکھا تو پھر اس پانچ چھے ماہ کے فرق کا اصلی باعث معلوم ہو جاتا ہے۔

(۱۲) السیرۃ المحمدیہ مؤلفہ زینی دحلان جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۳۰۔

(۱۳) مثلاً سیرۃ ابن ہشام (طبع یورپ) صفحہ ۹۷۱

(۱۴) ایضاً " " "

(۱۴) الف۔ مغازی واقدی مخطوطہ برٹش میوزیم ورق (۱۲۸) میں حضرت زید بن حارثہ کی تبیہی مہم کے ذکر میں بیان ہوا ہے کہ ورد معہ دحیۃ ۔۔۔

۱۴ ب ابن حبیب نے کتاب المحبر صفحہ ۲۶۲ میں لکھا ہے بقی الماء بعد ما غاض (بن طوفان) نوح) فی ارض جذام وھی حسمی اربعین سنۃ

(۱۵) معجم البلدان مؤلفہ یاقوت لفظ حسمی

(۱۶) سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۹۷۸

(۱۷) Jausse et Savignac, Mission archeologique en Arabie (Paris 1909), vol. I, n. 67.

ابراہیم رفعت پاشا نے اپنی تالیف مرآۃ الحرمین (جلد اول ع ۳۶) میں لکھا ہے واھم تھوڑ الواقعۃ علی البحر الاحمر الوجہ والحوراء وسبع ورابغ وجدۃ وکلھا محطات الحجاج المصریین وبین زمن الناس العربیۃ الان عرب الحویطات فی الاقلیم الشمالی المسمی حسمی

(۱۸) سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۷۸۵ تا ۷۵۶ نیز تاریخ طبری ۶ھ کے واقعات کا آخری حصہ

(۱۹) طبقات ابن سعد جلد دوم حصہ اول صفحہ ۷۷

Marfat.com

(۲۰) صحیح بخاری کتاب نمبر ۶۴ باب نمبر ۳۸ حدیث نمبر ۶ نیز کتاب نمبر ۳۴ باب نمبر ۱۰۸ حدیث نمبر ۲

(۲۱) Sprenger, Das Leben und die Lehre des Mohammed. III, 261, n. 1.

(۲۲) سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۹۷۱ تا ۹۷۲

(۲۳) تاریخ طبری صفحہ ۱۵۶۵ - ۱۵۶۹ تا ۱۵۷۰ -

(۲۴) منقول از رسالات نبویہ مؤلفہ عبد المنعم خاں نمبر ۱۰۹ -

(۲۵) صبح الاعشیٰ جلد ۶ صفحہ ۳۷۹ و ۴۶۶ -

(۲۶) ابن حیان و منقول از السیرۃ المحمدیہ مؤلفہ زینی دحلان جلد دوم صفحہ نمبر ۲۴۵

(۲۷) فتوح البلدان مؤلفہ بلاذری (طبع یورپ) صفحہ ۴۶۱ -

(۲۸) مسند احمد ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۳۳

(۲۹) زوناراس (Zonaras) بارھویں صدی عیسوی کا مشہور یونانی مورخ ہے۔ وہ قسطنطنیہ میں حکومت کا میر منشی تھا۔ پھر سیاسیات سے کنارہ کشی کر کے راہبانہ زندگی اختیار کر لی۔ اور اس سلسلے میں ایک تاریخ عالم لکھی۔ اس نے بعض اہم اور ایسی کتابوں کے اقتباسات اپنی تاریخ میں دیے ہیں جو آج مفقود ہیں۔ اس ایک مؤلف نے البتہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم قیصر سے ملنے کے لئے خود تشریف لائے تھے اور یہ کہ قیصر نے آپ کو کچھ زمین جاگیر میں دی۔ زوناراس کے متعلق دیگر معلومات کروم باخر کی کتاب تاریخ ادبیات یونان

Krumbacher Geschichte der byzantinischen Literatur p. 340 44

میں ملیں گے۔ زوناراس کی کتاب کا یونانی متن مع لاطینی ترجمے کے شہر بون ہا
جرمنی میں ۱۸۹۷ء میں چھپا ہے۔ اس کتاب کے متعدد یورپی زبانوں میں ترجمے
ہوئے مگر میرے پیش نظر صرف لاطینی ترجمہ تھا۔ جس کا ضروری اقتباس دیا جاتا ہے

".....In eodem regis triumphali ex Persia reditu
regem convenit Maometus. Saracenorum princeps
.... is igitur ex Aethribo progressus regem convenit
et regionem ad habitandum petiram accepit"

(Ioanes Zonaras. Epitomae Historiasum,
Epit XIV, 17, 12-27. p. 214).

Dictionnaire d'Histoire et de Geographie
Ecclesiastique (Paris 1914ff.) vol. III, s v, Arabie
col. 128 a

(۳۰) دیکھئے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لفظ محمد بحوالہ:

Theophane, Chronographie. ed. De Boor, vol I, p. 33

Marfat.com

(۳۱) روض الانف مؤلفہ سہیلی جلد دوم صفحہ ۳۲۱

(۳۲) اس نام کو عرب مؤلفوں نے معرب کرکے اذفونش بنالیا ہے۔

(۳۳) ان کے حالات کے لئے دیکھئے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

(۳۴) عمدۃ القاری مؤلفہ عینی جلد اول صفحہ ۱۱۶ نیز دیکھئے فتح الباری مؤلفہ ابن حجر عسقلانی شرح صحیح بخاری کتاب نمبر ۱ باب نمبر ۶ المواہب اللدنیہ مؤلفہ قسطلانی جلد ۲ صفحہ ۲۹۱ - السیرۃ النبویہ مؤلفہ دحلان جلد دوم صفحہ ۲۴۲

(۳۵) قلاؤدن کے خارجہ سیاسی تعلقات کے لئے دیکھو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ خاص اس سفارت کے مزید حالات کے لئے دیکھئے تشریف الایام والعصور لسیرۃ السلطان الملک المنصور (مخطوطہ کتب خانہ عام پاریس کتاب عربی نمبر ۱۷۰۴) ورق ۲۲۱ ب تا ورق ۲۳۴ ب۔

(۳۶) التعریف بالمصطلح الشریف صفحہ ۱۶۲ مطبوعہ مصر ۱۳۱۲ھ

(۳۷) اس کی تائید میں دیکھئے نفح الطیب مؤلفہ مقری جلد دوم صفحہ ۵۸۱

(۳۸) التراتیب الاداریہ والعملات والصناعات والمتاجر والحالۃ العلمیۃ التی کانت علی عہد تاسیس المدینۃ الاسلامیۃ فی المدینۃ المنورۃ العلیۃ" مطبوعہ شہر رباط وغیرہ دو جلدیں جلد دوم کا نام نظام الحکومت النبویہ رکھا ہے

(۳۹) بحوالہ کتانی جلد اول صفحہ ۱۶۰ - ۱۶۱

(۴۰) بحوالہ کتانی جلد اول صفحہ ۱۶۱

(۴۱) بحوالہ کتانی جلد اول صفحہ ۱۶۰ تا ۱۶۲

(۴۲) الکواکب الدراری مؤلفہ الکرمانی - نور العیون اس مؤلفہ ابرہان الحلبی -

حاشیۃ الصحیح مؤلفہ ابن غازی۔ تنقیح المسامع مؤلفہ ابو زید الفاسی۔
سمط اللآل مؤلفہ شیخ قویسم التونسی۔ روض القرطاس مؤلفہ ابن ابی زرع
حواشی العارف الفاسی علی الصحیح وغیرہ۔

ابن ابی زرع کی کتاب کے صفحہ ۱۶۸ میں البتہ لکھا ہے کہ ۶۰۶ھ میں ملک الناصر لدین اللہ محمد بن یعقوب المنصور الموحدی نے جب اسپین پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو شاہ الفونسو (ذونش) نے خود حاضر ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ بنام ہر قل ملک الناصر کے ملاحظے میں پیش کیا اور اس کی وساطت سے رحم کی درخواست کی۔

(۴۳) صبح الاعشی مؤلفہ قلقشندی جلد نمبر ۶ صفحہ ۳۷۷۔ ابو عبید صفحہ ۲۰۔ التنبیہ والاشراف مؤلفہ مسعودی صفحہ ۲۷۱۔ السیرۃ النبویہ مؤلفہ دحلان جلد دوم صفحہ ۲۴۵۔ روض الانف مؤلفہ سہیلی جلد دوم صفحہ ۳۲۰۔

۴۴۔ مسند احمد بن حنبل جلد سوم صفحہ ۴۴۱

۴۵۔ التعریف بالمصطلح الشریف مؤلفہ ابن فضل اللہ صفحہ ۶۱۔

Marfat.com

# عربوں کے تعلقات بزنطینی سلطنت سے

## زمانۂ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں

جزیرہ نمائے عرب تین براعظموں کے بیچ میں واقع ہوا ہے۔ اسی لئے قدیم زمانہ سے اس کو بین الممالک اہمیت حاصل رہی ہے۔ جب تک راس اُمید کی راہ ہندوستان اور یورپ میں راست تعلقات نہیں قائم ہو گئے، مشرق کا تجارتی مال بڑی حد تک عرب ہی کی راہ مغرب کو پہنچتا تھا[1] اور عرب خود بھی تجارت کے سلسلے میں دور دور تک نکل جاتے تھے۔

ایک طرف اس تجارتی کاروبار نے عربوں کو مصر و شام اور چین و ہند تک پہنچایا تو دوسری طرف ان کے بے آب و گیاہ سرزبوم کی غیر مہمان نوازی انھیں قدیم سے ترکِ وطن پر مجبور کرتی رہی ہے ایک طرف قبیلہ طی نے عراق و ایران میں "تازی" بن کر چینیوں سے پورے عربوں کے لئے

---

[1] Lexd. Histoire du commerce du Levant, vol I, P. 25.

Heffening. Das islamische Fremdenrdcht, sec 47, p 101.

رسالہ ویدۂ آصفی حیدرآباد دکن ۱۳۲۳ھ رجب شعبان تجارت العرب قبل الاسلام از حکیم شمس اللہ قادری۔ ارض القرآن مؤلفہ سلیمان ندوی اور عربی جہازرانی مؤلفہ ایضاً کے متعلقہ ابواب بھی دیکھیے۔ نیز تمدن عرب مؤلفہ لیبان (لوبون؟ Le Bon)

Marfat.com

تاشی" (Tazhi) کا لقب حاصل کیا[1] تو دوسری طرف سنہ عیسوی کی ابتدا میں جب سینٹ پاول کا دمشق سے گذر ہوا تو اسے وہاں ایک عرب بادشاہ حارث[2] نامی سے سابقہ پڑا۔ عربوں کی نوآبادیاں حلب جیسے شمالی مقام تک میں اپنے سلطنتیں قائم کرا چکی تھیں[3]۔ جب بزنطینی رومیوں کو عروج اور فروغ حاصل ہوا تو ان میں سے اکثر حکومتیں مٹ کر ناپید ہو گئیں یا بزنطینیوں کی ماتحت اور آلہ کار بن گئیں۔ بزنطینیوں اور ایرانیوں میں باہم مسل ہانسل سے بیر تھا تو خانہ بدوش عرب ان دونوں کے مستقل اور روایتی دشمن تھے اور عراق اور شام کے مرغزاروں پر ہمیشہ حملے کرتے اور لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔ ان خانہ بدوشوں کی روک تھام کے لئے انھوں نے عربوں سے ہی کام لیا۔ اور ان کی حاجز مملکتیں (Buffer-State) عربی سرحد پر قائم کر دیں۔ ایرانیوں نے حیرہ (حال کوفہ) کی ایک عربی ریاست سے اپنی رعایا کی حفاظت کا سامان کیا[4] تو

---

[1] Bretschneider, Knoweldge possessed by the Ancient Chinese of the Arabs p 6

[2] لفظ حارث بعد میں لقب بن گیا اور اس سے مراد بزنطینی سلطنت کا باجگذار حکمراں ہوتا ہے۔ دیکھئے۔ Desveiger, L'Arabic p 88 note

[3] الجمل II Co. XI, 32

[4] Encyclopaedia of Islam s v Sha'in

[5] التنبیہ والاشراف مؤلفہ مسعودی صفحہ (۱۸۶)

نیز Noldeke, La Perse ancienne p 160 note

بیزنطینیوں نے دمشق میں ایک ایسی ہی ریاست قائم کی۔ ایرانی اور بیزنطینی جنگوں میں حیرہ اور دمشق کے عرب اپنے اپنے حامیوں کا ساتھ دیتے اور ان کے جھنڈوں کے نیچے بہادر کشی میں روزافزوں حصہ لیا کرتے تھے۔

دمشق میں ابتداءً قبیلہ ضجعم برسراقتدار تھا مگر جب یمن کے سدمارب کے ٹوٹنے سے ہزاروں اہل قبائل بے خانماں اور بیروزگار ہوکر ترک وطن پر مجبور ہوئے تو قبیلہ غسان بھی گھومتا گھماتا یمن سے شام آپہنچا۔ یہاں کے ہلہلاتے مرغزار جن کو دیکھ کر جنّات تجری من تحتہا الانہار کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہو انھیں اس قدر پسند آئے کہ وہاں رہنے بسنے کی اجازت کے لیے ہر قیمت کے اپنے پر آمادہ ہو گئے۔ ضجعمی ریاست نے بیزنطینی سلطنت کی جانب سے ان پر فی کس سالانہ حسب حیثیت ایک ڈیڑھ یا دو دینار مقرر کئے۔ غسانی کچھ دن تو یہ محصول ادا کرتے رہے پھر اس سے انکار کر دیا اور مقابلے پر اتر آئے۔ آخر ایک گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں قبیلہ ضجعم بالکل تباہ و برباد ہو گیا۔ روم کے شہنشاہ دیقیوس[1] Decius نوت ۲۵۱ء نے اس صورت حال کو دیکھا

---

[1] جیسا کہ آگے حوالے میں بیان کیا گیا ہے یہ مواخ محمد بن حبیب کا بیان ہے اس کو بڑی تاریخی اہمیت حاصل ہے اور سدمارب کے ٹوٹنے کی تاریخ کو متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اب تک محققین کا خیال یہ تھا دیکھئے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام تحت عنوان غسان و مارب) کہ یہ واقعہ شہنشاہ انسطاس کے زمانے میں ہوا جس کا ۵۱۸ء میں انتقال ہوا۔ مگر محمد بن حبیب کے مطابق سدمارب کا ٹوٹنا چھٹی صدی عیسوی میں نہیں، بلکہ تیسری صدی عیسوی میں ہوا ہے۔

Marfat.com

تو راضی برضا ہو گیا اور غسانی سردار کو کہلا بھیجا کہ تم بڑے بہادر معلوم ہوتے ہو کہ عربوں کے بہادر ترین اور تعداد میں بھی کثیر ترین قبیلے کو یوں آسانی سے نیست و نابود کر دیا۔ بہتر ہو کہ ہم آپس میں دوست رہیں۔ میں تمھیں منجمیوں کی جگہ مقرر کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم پر کوئی عرب قبیلہ حملہ آور ہو تو چالیس ہزار مسلح رومیوں سے تمھاری مدد کروں گا۔ اور اگر ہم پر کوئی عرب قبیلہ حملہ آور ہو تو ہمیں بیس ہزار مسلح مقاتلوں ( Combatant ) سے مدد دو۔ نیز ہمارے اور ایرانی تعلقات میں کبھی دخل نہ دو۔ غسانی سردار ثعلبہ نے اسے منظور کر لیا تو شہنشاہ دیقیوس نے اسے ایک تاج شہریاری سے سرفراز کیا۔[1]

غسانیوں نے ہمیشہ عربی وفاداری کی لاج رکھی اور کڑے سے کڑے وقت میں بھی اپنے حامی رومیوں کا ساتھ نہیں چھوڑا بلکہ رفتہ رفتہ ان کے اثر سے خود عیسائی مذہب بھی اختیار کر لیا۔[2]

بیزنطینی اثرات رفتہ رفتہ پھیلتے ہی گئے اور شام سے گزر کر فلسطین اور پھر خود شمالی عرب تک حاوی ہو گئے۔ معان، أذرح، جربا، آیلہ۔ مقنا، دومۃ الجندل وغیرہ مقامات کے علاوہ قبائل کلب، تنوخ، لخم، جذام، قین، بلی، بہراء، قضاعہ

---

[1] یہ پورا بیان محمد بن حبیب کی کتاب المحبر سے لیا گیا ہے جو دائرۃ المعارف حیدرآباد میں چھپی ہے دیکھئے ورق (۱۳۰) وما بعد نیز دیکھئے براجرمن مضمون ZDMG جلد (۹۰) میں۔

[2] Encyclopaedia of Islam, s. v. Ghassan

وغیرہ پر بھی یہی اثرات کارفرما تھے اور ان قبائل کو اکثر حالات جنگ میں ہم بیزنطینی جھنڈے کے نیچے جمع دیکھتے ہیں[۱]۔ ان قبائل کو "قیصر روم" کی طرف سے سالانہ پندرہ سیر سونا بطور وظیفہ مقرر تھا اور یہ رقمی امداد ان کو قابو میں رکھنے کا بڑا ذریعہ تھی جیسا کہ ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر قیصر ھند کی حکومت کرتی رہی ہے۔

بیزنطینی سلطنت نے مصر اور اسکندریہ پر بھی تسلط جما لیا تھا۔ اور حبش یعنی ابی سینیا تک اس کے زیر نگیں آچکا تھا۔ حبش نے آخرین (جنوبی عرب) پر قبضہ کر کے ایک اہم تجارتی راہ پر قابو پا لیا۔ مصر اور حبش سے عربوں کے تجارتی تعلقات مستقل اور قدیم تھے جیسا کہ آئندہ مزید تفصیل سے واضح ہوگا۔

یہ بیان ہو چکا ہے کہ قبیلہ غسانہ قیصر روم کے زیر اثر تھا۔ شجرہ خانوادہ بھی اسی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا کے دادا قصی نے جو اسی قبیلہ غسانہ سے تعلق رکھتے تھے، اپنے اہل قبیلہ اور حلیفوں کی مدد سے مغربی عرب کے سب سے اہم مرکز اور تجارتی راہوں کے ایک بڑے جنکشن یعنی شہر مکہ پر قبضہ کر لیا تھا[۲]۔ اس وقت جنوبی عرب کے ایک قبیلے

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام طبع یورپ صفحہ (۹۲۷) حالات جنگ موتہ

[۲] De Goeje, Memoire sur la Conquete de la Syrie, 2nd ed., p. 29.

Nicephore Cpolitane De rebus mauritium gestis, p 27.

[۳] ابن ہشام۔ طبری وغیرہ۔

Marfat.com

(خزانہ) کا تسلط تھا۔ اگر ابن قتیبہ کے بیان[1] پر اعتماد کیا جائے تو قصی کو خود قیصر روم نے مدد دی تھی جس کے ذریعے مکے پر قبضہ حاصل ہوا۔

قصی نے مکے میں ایک شہری مملکت (city-state) قائم کی جس میں علاوہ اور ضروریات مملکت کے ایک دارالندوہ بھی (جس کا لفظی ترجمہ ہوگا ہاؤز آف پارلیمنٹ) تعمیر کیا گیا اس میں شہر کے وہ سب مرد مشورے کے وقت جمع ہوتے تھے جن کی عمر کم از کم چالیس سال کی ہو۔ خود قصی کے بیٹے البتہ عمر کی اس قید سے مستثنیٰ تھے۔[2] قصی کے بعد وہاں ایک طرح کی اعیانیت یا امرا کی حکومت (aristocracy) قائم ہوگئی جس میں عہدے موروثی ہو گئے۔ مثلاً قومی معبد (کعبہ) کی تولیت، حج اور حاجیوں کا انتظام، سپہ سالاری، علمبرداری، سفارت و خطابت (یا ایک طرح سے وزارت خارجہ) عشر (یعنی محصول درآمد کی وصولی)، رفادہ (یعنی حجاج کی خدمت و ضیافت وغیرہ کے نام سے اہل شہر پر سالانہ ٹیکس اندازی وغیرہ[3]۔ فینیقی اور اس سے زیادہ یونانی شہری مملکتوں سے مکے کی یہ شہری مملکت غیر معمولی مشابہت رکھتی تھی۔ یہ تقابلی مطالعہ گو بہت دلچسپ ہے مگر ایک علیحدہ مضمون کا محتاج ہے۔

---

[1] کتاب المعارف۔ طبع یورپ صفحہ (۳۱۳)

[2] اخبار مکہ للازرقی صفحہ ۶۴-۶۵-۲۶۵)

[3] التنبیہ والاشراف للمسعودی صفحہ ۲۸۲ تا ۲۸۴۔ سیرت ابن ہشام صفحہ ۸۰-۸۳-۸۵-۷۲۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ حصہ ۱ صفحہ ۳۹۔ العقد الفرید لابن عبد ربہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۴ جلد ۲ صفحہ ۴۵-۴۶۔ ازرقی صفحہ ۶۳-۶۹۔

عبد مناف بن قصی کے چار بیٹے مشہور ہیں۔ عبد شمس۔ ہاشم۔ نوفل اور المطلب۔ کہتے ہیں کہ ان میں سے پہلا نجاشی حبش سے ملا۔ دوسرا قیصر روم اور شاہ غسان سے۔ تیسرا کسریٰ ایران سے اور چوتھا حمیر یعنی یمن کے بادشاہ سے ملاقی ہوا۔ اور اس بات کے پروانے حاصل کئے کہ وہ بے خوف، امن و حفاظت کے ساتھ ان کے ملکوں میں تجارت کے لئے آیا جایا کریں گے۔[1] کہتے ہیں کہ قیصر روم نے نجاشی کے نام سفارشی خط دیا تھا۔ اسے دیکھ کر نجاشی نے ان لوگوں کو اپنے علاقے میں تجارت کے لئے آمد و رفت کا عام پروانہ عطا کیا تھا۔[2]

اب مکے والے ہر سال "رحلۃ الشتاء" اور "رحلۃ الصیف" کے نام سے سردیوں میں یمن اور گرمیوں میں شام و مصر وغیرہ علاقوں میں آنے جانے لگے تھے۔[3] مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ بزنطینی حکومت آزاد تجارت کی حامی تھی چونکہ شام پر بدوی قبائل کی غارت گریوں کا سلسلہ غیر منقطع چلا آرہا تھا اس لئے بزنطینی حکومت ہر صحرا نشین کو شبہ کی نظر سے دیکھنے میں شاید حق بجانب بھی تھی۔ عرب تاجروں کیلئے چند منڈیاں مقرر تھیں۔ ان کے علاوہ دیگر مقامات پر وہ آزادانہ نقل و حرکت نہیں کر سکتے تھے[4]

---

[1] یعقوبی جلد ۱ صفحہ ۲۸۰۔ نیز لسان العرب (ایلاف) نیز سورۂ ایلاف کی تفسیریں۔

[2] تاریخ طبری سلسلہ ۱ جلد ۱ صفحہ ۱۰۸۹ Lammens La Mecque p. 123, etc

[3] ابن سعد جلد ۱ حصہ ۱ صفحہ ۴۵۔ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ ایلاف قریش میں ایک کی جانب اشارہ ہے اور ایلاف کے معنی بھی یہی ہیں یعنی امن تامے حاصل کرنا۔

[4] Lammens. La Mecque a la veille de l Hegire. p. 129-30 d'apres Gutesback

اسی طرح انھیں ہتھیار اور سونا اور اسی قسم کی بعض چیزوں کے برآمد کرنے کی قطعی ممانعت تھی۔ اور سرحد پر ان کی بڑی سختی سے جانچ پڑتال کی جاتی تھی۔ ان کا اسباب کھولا جاتا تھا[1] اور کوئی دقیقہ نگرانی کا فروگذاشت نہیں کیا جاتا تھا۔ مزید براں ان سے متعدد ٹیکس وصول کے جاتے تھے۔ عربوں کو مجبوری تھی۔ یمامہ[2] یمن اور دیگر اندرونی علاقوں کے غلوں کی پیداوار ضروریات کے لئے ناکافی ہوتی تھی اور بہر طور عرب شام سے غلے اور دیگر مایحتاج کے خریدنے کے لئے ہر قسم کی پابندیاں اور شرطیں گوارا کرتے تھے۔ اسی سلسلے میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مصر پر قبضے کے بعد سے رومیوں نے بحر احمر میں سمندری حمل و نقل شروع کر دی تھی جس کے باعث بین الممالک کاروانوں کا مغربی عرب سے گذرنا کم ہو گیا تھا اور وادی غیر ذی زرع مکہ والے اس سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ کوئی تعجب نہیں جو عبد مناف کے چاروں بیٹے انھیں حالات سے مجبور ہو کر باہر نکلے ہوں اور اپنے ہاں کی خام پیداوار (جس میں جانوروں کے پوست سب سے اہم تھے) باہر کی منڈیوں میں نکالنے کی جانب متوجہ ہوئے ہوں۔

یمن میں نجران ایک زرخیز علاقہ ہے۔ اسلام کے تقریباً سو سال پہلے

---

[1] حوالہ بالا۔

[2] تاریخ طبری صفحہ ۱۹۱۹

[3] ابن ہشام وغیرہ میں قریش کی سفارت نجاشی کا ذکر دیکھئے۔ طائف کا چمڑا عربی میں ضرب المثل ہے۔ صلح حدیبیہ سے قبل بھی آنحضرت نے ابوسفیان کو طرف کی کھجوریں بھیجکر معاوضہ میں کھالیں طلب کی تھیں۔

یہ خطہ بڑی حد تک عیسائی مذہب اختیار کر چکا تھا۔ یمن کے بادشاہ ذونواس نے جب یہودیت اختیار کی تو تبلیغی غلو کے باعث یا دیگر نامعلوم وجوہ کے تحت نجرانیوں کو عیسائیت کے ترک کرنے کا حکم دیا۔ اور اس کے نہ ماننے پر زندہ آگ میں جھونک کر بڑی بے رحمی سے قتل عام کیا[1] نیز حیرہ کے حاکم کو بھی دوستانہ ترغیب دلائی کہ اپنے ملک میں بھی عیسائیوں کا قتل عام کرے۔ چند بچے کسی طرح قسطنطنیہ پہنچے اور قیصر سے فریاد کی۔ قیصر نے نجاشی حبش

. . . . . ۔ کو جو عیسائی بھی تھا اور قیصر کے زیر اثر بھی، مدد کی جانب توجہ دلائی اور حمل و نقل کے لئے بہت سی کشتیاں بھی مہیا کیں[2]۔ خود حبش میں سات سو کشتیاں تیار ہوئیں اور حبشی بندرگاہوں میں آئی ہوئی ایرانی اور دیگر تاجروں کی کئی سو کشتیاں بھی ضبط کر لی گئیں[3]۔ ان میں حبشی فوج سوار ہو کر یمن پر حملہ آور ہوئی۔ معرکہ آرائیوں کے بعد ذونواس مارا گیا اور حبشیوں نے یمن پر پوری طرح تسلط حاصل کر کے آبنائے باب المندب کے اہم تجارتی راستے پر اپنا اثر قائم کر لیا۔ اور رومیوں کو ہندوستان تک پہنچنے اور ریشم وغیرہ خریدنے کے لئے ایرانی سرزمین سے گزرنے

---

[1] کہتے ہیں کہ آیت اصحاب الاخدود والنار ذات الوقود میں اسی کا ذکر ہے

[2] دیکھئے مصادر سریانی وغیرہ! Desverger L Arabie, P, 83, n 1.

[3] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۲-طبری صفحہ ۹۲۶-ابن سعد-صفحہ ۶۵ تا ۶۵-

[4] طبری صفحہ ۹۲۶

[5] Desvergber, L'Arabie P, 70

کی حاجت نہیں رہی۔[1] اب ین کا تعلق اسکندریہ کے بطریرک سے ہو گیا اور اس نے گرے جن یتوس نامی ایک اطالوی پادری کو وہاں بھیجا جس نے ملک میں (۲۳) دفعات کا ایک قانون بھی مرتب کر کے نئے بادشاہ کے نام سے شائع اور نافذ کیا۔[2] اس کا ایک مخطوطہ اب بھی دیانا کے سرکاری کتب خانے میں محفوظ ہے) ین نے اگرچہ جلد مستقل اور خود مختار ہو کر حبش کی ماتحتی سے آزادی حاصل کر لی مگر بیزنطینی حکومت سے اس کے خاص مراسم رہے۔

۵۷۰ء میں پیغمبر اسلام کی شہر مکہ میں ولادت ہوئی۔ اگرچہ آپ کی ذات کے باعث تاریخ عالم کے متعلق بہت سے سابقہ پیش اندازے بعد کو غلط ثابت ہو گئے۔ لیکن آپ کے حالات زندگی کو آپ کی یتیمی کے باعث نبوت سے پہلے بہت کم کسی نے یاد رکھنے کی کوشش کی ہو گی۔ اتنا سیرت کی کتابوں سے ضرور پتہ چلتا ہے کہ بارہ سال کی عمر میں آپ اپنے چچا کے ساتھ ایک کارواں کی معیت میں بصریٰ تک گئے جو شمالی فلسطین سے۔ پھر پچیس سال کی عمر میں خود بھی مال تجارت لے کر وہاں گئے۔ بعض حوالوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کم از کم دو مرتبہ یمن[3] اور ایک مرتبہ بحرین و عمان[4]

---

[1] Desvergers, L Arabe, p. 70

[2] ایضاً صفحہ ۱۷۱

[3] ان تمام مشہور واقعات کو ابن ہشام، طبری، ابن سعد وغیرہ میں دیکھ سکتا ہے۔ میں نے ان سے غیر ضروری سمجھ کر ترک کر دیئے ہیں

[4] شبلی جلد اول حالات قبل نبوت [5] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۰۶

Marfat.com

بھی ضرور تشریف لے گئے تھے۔ اگر وہ خط صحیح[1] ہے جو اپنے مندرجات کے مطابق آں حضرت نے اپنے چچازاد بھائی کو ترک وطن کر کے حبش جاتے وقت بطور تعارف دیا تھا اور جس میں نجاشی سے نہایت واقعانہ اور بے تکلفانہ انداز میں ان تارکین وطن کی مہمان نوازی کی خواہش کی گئی تھی، تو شاید یہ گمان بے جا نہ ہو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نجاشی سے پہلے ہی سے تعارف رکھتے تھے۔ ممکن ہے کسی تجارتی سفر کے سلسلے میں آپ فلسطین سے خشکی کی راہ مصر اور وہاں سے حبش تشریف لے گئے ہوں۔ عمرو بن العاص[2] وغیرہ متعدد مکی تاجروں کا بیان ہے کہ نجاشی سے ان کی شخصی ملاقاتیں بھی ہوتی تھیں۔ ممکن ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی قبل نبوت ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہو اور آپ بحری راہ سے یمن ہو کر مکہ واپس ہوئے ہوں احادیث میں آں حضرت کی زبان سے گفتگو میں بعض حبشی الفاظ کا مروی ہونا بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ مگر قدیم سیرت نگاروں کی خاموشی اس بارے میں کسی زیادہ اذعانی بیان کی اجازت نہیں دیتی۔

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۱۵۶۹۔ صبح الاعشیٰ جلد ۶ صفحہ ۳۷۹۔ ابن القیم زاد المعاد جلد ۳ صفحہ ۶۰۔ اس خط کو مورخ ۷ھ کے اواخر سے متعلق کرتے ہیں جو صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اس وقت ان مہاجرین کو حبش آئے ہوئے پندرہ سال ہو چکے تھے اور وہ اب مدینہ واپس جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ ایسے وقت خط کی یہ عبارت میں اپنے چچازاد بھائی جعفر کو چند مسلمانوں کی ہمراہ تیرے پاس بھیج رہا ہوں۔ جب وہ تیرے پاس آئے تو ان کی مہمان نوازی کر رمل نہیں ہو سکتی۔ [2] تاریخ طبری صفحہ ۱۶۰۔ ابن ہشام ۱۶۰ و مابعد

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ بیزنطینی علاقے میں عرب تاجروں سے بڑی سختی کا سلوک ہوتا تھا۔ اور خاص کر جنگی کے افسر بڑی تکلیف دیتے تھے۔ کوئی تعجب نہیں جو اس کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود ذاتی تجربہ رہا ہو۔ احادیث میں عشار اور ماکس (عشر اور مکس وصول کرنے والے افسروں) کے متعلق جو بڑی سخت وعید آئی ہے[1] اس سے بھی مراد غالباً یہ اور ایسے ہی لوگ ہوں گے۔ گو آپ رومیوں کو بہرحال ایرانیوں پر ترجیح دیتے تھے۔ کی آیت کسی تفسیر میں ملاحظہ ہو۔)

لیکن آنحضرت کے جو جذبات ایرانیوں اور بیزنطینیوں کے متعلق تھے وہ ہجرت سے بھی پہلے واضح ہو چکے تھے۔ چنانچہ ابن ہشام[2] کی روایت ہے کہ ہجرت سے چار پانچ سال قبل ہم وطنوں نے مصالحت اور یکسوئی کی ابوطالب کے توسط سے جب آخری کوشش کی تو آپ انھیں یہی فرماتے تھے کہ مجھے مدد تو قیصر و کسریٰ کی بستیوں کے تمہارے زیر نگیں آنے میں کچھ دیر نہیں درکار ہوگی۔

ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ کی شہری مملکت اپنے دامن کو پھیلانے لگی تو ان جذبات کے لئے کام کرنے کا موقع ملا۔ مدینے کی روز افزوں ضرورت

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحدود رحیم المائدیہ لقد تابت توبۃ لو قاہا صاحب مکس لغفر لہٗ اس بارے میں بہ کثرت دیگر حدیثیں اسلامی فینانس کی مشہور کتاب الاموال مؤلفہ ابو عبید (وفات ۲۲۴ھ) طبع مصر قفرہ ۱۶۲۴ تا ۱۶۲۷ میں بھی ملیں گی۔

[2] سیرۃ رسول اللہ صفحہ ۲۶۸ سطر ۷ تا ۸۔

رسد کو پورا کرنے کے لئے نبطی تاجر سرگرمی سے حصہ لیا کرتے تھے [۵۱] جب دومۃ الجندل کے (جو حجاز سے شام اور عراق جانے کے راستوں کے پھٹنے کی جگہ واقع ہے [۵۲] اور خود بھی ایک بڑے میلے کا مقام رہا ہے [۵۳]) حاکم اکیدر نے جو قیصر روم کے زیر اثر تھا، ان کاروانوں کی راہ میں روڑے اٹکانے شروع کئے اور ان کو ستانے کا آغاز کیا [۵۴]، تو ۵ھ میں رسول کریم نے اس علاقے کا رُخ کیا۔ گو ابن سعد [۵۵] (بحوالہ واقدی) کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی آمد پر اکیدر بھاگ گیا اور شہر خالی کر گیا۔ لیکن ابن ہشام [۵۶] (بحوالہ ابن اسحاق) کی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ راستے میں چند قبائل ملے جو اسلامی فوج سے ڈر کر منتشر ہو گئے، لیکن رسول کریم دومۃ الجندل نہیں پہنچے بلکہ اثنائے راہ ہی سے مدینہ واپس ہو گئے۔ رسول کریم کا اس مہم کو ادھوری چھوڑ کر علاوہ نہ مدینے واپس ہونا غالباً اس وجہ سے ہو گا کہ آپ کو قریش، غطفان اور مدینے کے یہودی قبائل وغیرہ کی سازش کی اطلاع ملی ہو گی کہ آپ کے غیاب سے فائدہ

---

۵۱ کتاب الاموال لابی عبید فقرہ ۱۳۹۷۔ المواہب اللدنیۃ جلد ۱ صفحہ ۲۲۳ نبطیوں کا مسکن بھی اس میں معاون بھی کیونکہ وہ عرب کے شمال میں عراق سے فلسطین تک پھیلے ہوئے تھے۔

۵۲ صبح الاعشیٰ جلد ۴ صفحہ ۲۹۲۔ بلگریس ہسٹری آف بائبل باب ۴ فصل ۲ فقرہ ۴ (بحوالہ شمس اللہ قادری دبدبہ آصفی بابت شعبان ۱۳۲۳ھ)

۵۳ کتاب الازمنہ والامکنہ للمرزوقی جلد ۲ صفحہ ۱۶۱

۵۴ البدایۃ المسعودی صفحہ ۲۴۸ ۵۵ طبقات ابن سعد ۲۔ اصفحہ ۴۴ ۵۶ صفحہ ۶۶۸

Marfat.com

اٹھا کر مدینے پر ہلہ بول دیں۔ چنانچہ آں حضرت کی مدینے میں واپسی کے چند ہی ہفتوں بعد خندق کی جنگ ہوئی جس میں مدینے کا بہت دن تک محاصرہ رہا۔

دومۃ الجندل کی اہمیت اور اس علاقے کی مؤثر نگرانی کے لئے ایک زیادہ مفصل کارروائی کی ضرورت تھی۔ دومۃ الجندل کے اطراف بہت سے خانہ بدوش قبائل بستے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو توڑ لینا چاہا۔ چنانچہ مذکورہ مہم کے ایک ہی سال بعد ۶ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو ایک فوج دے کر روانہ کیا گیا کہ قبیلہ کلب کے سردار الاصبغ سے دوستی کی بنیاد ڈالیں۔ وہ مسلمان ہوگیا اور اپنی بیٹی حضرت عبدالرحمٰن کو بیاہ دی[1]۔ اس طرح اکیدر کو حلیفوں سے بچھڑا دینے اور گھیر لینے کی کارروائی شروع ہوگئی۔ الاصبغ کے علاوہ بعض دیگر کلبی سردار بھی اسلام لائے[2]۔ اس سے بھی مسلمانوں نے اپنی جگہ مضبوط کی ہوگی۔ غرض جب ۹ھ میں تبوک کے پڑاؤ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو سواروں کا ایک دستہ حضرت خالد بن الولید کی سرکردگی میں دومۃ الجندل روانہ کیا تو اکیدر گرفتار ہو کر آں حضرت کے سامنے لایا گیا۔ اسلحہ اور قلعے کی ضبطی سے آں حضرت نے اس علاقے کو ہتھیا کر دیا اور اکیدر کے معاہدے اور دومۃ الجندل کی غیر مقبوضہ

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۹۹۱ تا ۹۲۔ الاصابہ لابن حجر حالات الاصبغ

[2] الاصابہ لابن حجر نمبر ۱۵۳۰، رسالت نبویہ مؤلفہ عبدالمنعم خان نمبر ۷، طبقات ابن سعد ۱/۲ صفحہ ۳۴-۶۹۔ الاستیعاب لابن عبدالبر نمبر ۳۹۶۔ عقد الفرید جلد ۱ صفحہ ۱۳۴ تا ۳۵۔

Marfat.com

آراضی کی حوالگی پر یہ کشمکش اختتام کو پہنچی۔ ابن سعدؒ نے لکھا ہے کہ اس معاہدے پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ناخن سے مہر لگائی (ختمہ بظفرہ) یہ ایک بہت قدیم سامی طریقہ تھا چنانچہ حال میں چند پرانی بابلی اصل دستاویزیں دستیاب ہوئی ہیں۔ ان کے آخر میں ایک یہ جملہ ہے "اور بہ طور توثیق اس پر اپنے ناخن کا نشان کیا" اس کے بعد نیچے بجائے دستخط کے ایک ہلال کی وضع کی لکیر نظر آتی ہے جو ناخن کی مہر تھی۔

مگر اس اثنا میں قیصر روم اور مدینے کے تعلقات کی کشیدگی۔ جنگ پر منتج ہو چکی تھی۔ چنانچہ ۶ھ کے اختتام پر جب مکے سے صلح ہو گئی اور ادھر سے یکسوئی ہو گئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد ہمسایہ حکمرانوں کو تبلیغی خط بھیجے۔ ان میں سے ایک ہرقل عظیم الروم کے نام تھا۔ جب قیصر سے کوئی آس نہ رہی تو آں حضرت نے قیصر کے باجگذار عرب رئیسوں اور صوبہ

---

لہ یہ معاہدہ کوئی بارہ کتابوں میں ملتا ہے۔ سب سے بہتر متن المواہب اللدنیۃ جلد ۲ صفحہ ۲۹۸ میں ہے۔ گو ابو عبید بلاذری ابن سعد، قدامہ بن جعفر وغیرہ نے بھی اس متن کو محفوظ کیا ہے۔

۲ جلد ۲ - ۱ صفحہ ۱۲۰

۳

۴ ابن ہشام۔ طبری وغیرہ ۵ خاص اس خط پر میرا تحقیقی مقالہ رسالہ معارف اعظم گڈھ بابت جون ۱۹۳۵ء میں چھپا ہے (جو ابھی اس سے پہلے کے باب میں درج ہوا۔)

داروں سے براہ راست تخاطب فرمایا۔ ان میں سے ایک سفیر بصریٰ کے حاکم کے پاس گیا مگر اس کو موتہ کے مقام کے قریب غالباً جاسوس سمجھ کر یا یہ خیال کر کے کہ وہ غداری کی سازش میں کام کر رہا ہے، قبیلہ غسان کے ایک سردار شرحبیل بن عمرو نے قتل کر دیا[۲] سفیر کا قتل بین الممالک رسم و رواج کی شرمناک خلاف ورزی تھی۔ اس لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ میں ایک فوج روانہ کی جس میں زید بن حارثہ جعفر طیار اور خالد بن الولید جیسے افسر شامل تھے۔ یہ لڑائی ایک مقامی حادثہ ہو کر رہ جاتی اگر قیصر اپنے ماتحت اور زیر حمایت قبیلہ غسان کی حفاظت کے لئے فوجیں نہ بھیجتا۔ اور بہت سے عرب سرحدی قبائل کو بھی ہموار نہ کر لیتا[۳]۔ اس نئی صورت حال کے لئے مسلمان فوج تیار نہ تھی مگر اس نے پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا۔ اور گو وہ خالد بن الولید کی کوشش اور موقع شناسی سے زندہ سلامت واپس آ گئی مگر بہت سے افسروں کو کھونے کے بعد[۴]۔

جب یہ فوج پسپا ہو کر واپس آئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے فوراً حضرت عمرو بن العاص کو بھیجا کہ عرب کے شمال میں قبیلہ قضاعہ کو جس سے عمرو بن العاص کی رشتہ داری بھی تھی، بیزنطینیوں سے توڑ کر مسلمانوں کا حلیف بنا لیں[۵] مگر یہ ظاہر اس کوشش

---

[۱] مثلاً غسانی سرداروں، معاون کے حاکم، داریوں اور لخمیوں کو خطوط لکھے گئے یا ان سے معاہدے ہوئے (دیکھئے میری فرانسیسی کتاب Documents II. Nos 52

[۲] ابن سعد ۲ - ۱ صفحہ ۹۲ -

[۳] ابن ہشام صفحہ ۷۹۲ [۴] ایضاً ۷۹۱ ومابعد

[۴] تاریخ دمشق میں ابن عساکر نے لکھا کہ موتہ کے سلسلے میں ایک بحری مہم ایلیہ بھیجی گئی۔

[۵] ابن ہشام صفحہ ۹۸۴ تا ۸۵ - طبری صفحہ ۱۶۰۴ -

Marfat.com

میں کامیابی نہیں ہوئی اس پر بڑے ساز و سامان سے جس میں بحرین و عمان کی اطاعت کے باعث وہاں کی آمدنی سے بڑی مدد ملی، دوسرے سال ۹ھ میں خود آنحضرت تیس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ روانہ ہوئے اور تبوک میں آخری پڑاؤ ڈالا۔ یہاں سے قیصر ہرقل کے نام ایک نہایت[1] یہ بھیجا کہ یا تو اسلام لائے یا جزیہ دے کر سیاسی ماتحتی قبول کرے ورنہ کم از کم اس میں آڑے نہ آئے کہ اس کی رعایا ایسا کرے۔ اگر کچھ بھی منظور نہ ہو تو جنگ ہوگی۔ قیصر کا جواب جو یعقوبی نے محفوظ کیا ہے اور جس میں قیصر کے اسلام کا اعلان ہے، صریحاً فرضی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ بعد کے واقعات اس کی تائید نہیں کرتے۔ علاوہ برآں قیصر کا خط بیزنطینی اسلوب میں ہونا چاہئے۔ حالانکہ یہ جواب خالص عربی بلکہ بدوی انداز میں ہے۔ قیصر نے جو بھی جواب دیا ہو، بہرحال اسلامی فوجوں نے جرباء، اذرح، ایلہ، مقنا، اور دومۃ الجندل کو مطیع کر لیا تو قیصر نے کوئی حرکت نہ کی۔ غرض تبوک سے مختلف دستے آس پاس کے اہم شہروں پر روانہ کئے گئے۔ خالد بن الولید نے دومۃ الجندل کے حکمران اکیدر کو گرفتار کیا اور جب اس نے آں حضرت کی اطاعت قبول کی تو اس کو گدی پر بحال کیا گیا۔[3] دومۃ الجندل کے آس پاس رہنے والے بعض قبائل سے بھی معاہدات اطاعت[5] لئے گئے جو غالباً اس سے کچھ دنوں بعد کے ہیں۔

---

[1] ابن سعد ۱۔ صفحہ ۲۸ - [2] متن خط کے لئے دیکھئے کتاب الاموال فقرہ ۵۵ نیز صبح الاعشی جلد ۶ صفحہ ۳۷۷ [3] جلد ۲ صفحہ ۸۴ منشات السلاطین مؤلفہ احمد فریدون یک جلد ۱ صفحہ ۳۰۰ [4] بلاذری صفحہ ۶۱۔ ابن سعد ۱۔ ۲ صفحہ ۳۶ روض الانف للسہیلی جلد ۲ صفحہ ۳۱۹ تا ۳۲۰ وغیرہ - [5] جیسا کہ ابھی اوپر ذکر ہوا۔

Marfat.com

ایک دوسرا فوجی دستہ ایلہ (حال عقبہ) کے اہم تجارتی مرکز کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک تحریری پیام لے کر گیا[1]۔ یہاں کے حاکم یُحنّہ بن رؤبہ نے جو مقامی پادری بھی تھا مناسب یہ خیال کیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہہ معاملت کرے۔ چنانچہ ایک معاہدہ لکھا گیا[2] جس میں ایلہ نے اسلامی ممالکت کی باجگذاری اور دیگر تمام ممالک سے آزادی و بے تعلقی منظور کی۔ وہاں کے لئے چند اصول عدل گستری بھی معاہدے میں لکھے گئے۔ اور یہ امر طے کیا گیا کہ بندرگاہ ایلہ میں جو تجارتی جہاز یا کارواں آئیں (خواہ وہ شامیوں ہی کے کیوں نہ ہوں، جن سے اسلامی مملکت اس وقت حالت حرب میں تھی) امن میں رہیں گے۔ اور ایلہ والے اسلامی سرزمین میں آزادانہ تجارت کے لئے آسکیں گے نیز دیگر ممالک سے بھی تجارت کرسکیں گے۔ (خواہ وہ ممالک اسلامی مملکت سے برسرپیکار ہی کیوں نہ ہوں)۔

غالباً جرجاء اور اذراح کے گاؤوں کو بھی (جو معان کے قریب فلسطین میں جبل سراۃ کے جنوب میں ایک دوسرے سے چند گھنٹوں کے فاصلہ پر واقع تھے[3]) کوئی فوجی دستہ بھیجا گیا تھا، کیونکہ یہاں کے بھی وفد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تبوک میں آکر ملے اور جزیے کے ادائی کے وعدے کے ساتھ معاہدۂ اطاعت کیا[4]۔

---

[1] ابن سعد ۱-۲ صفحہ ۲۸ تا ۲۹ - ابن حدیدہ (المصباح المضیی) یختہ"

[2] ابن ہشام صفحہ ۲-۹ - ابن سعد ۱-۲ صفحہ ۳۷ - فارسی ترجمہ سیرۃ ابن اسحاق (مخطوطہ پیرس) ۱۹۹ و مابعد۔

[3] دیکھئے معجم البلدان مؤلفہ یاقوت میں یہ نام۔

[4] ابن سعد ۱-۲ صفحہ ۳۷ - مواہب جلد ۲ صفحہ ۲۹۷ -

Marfat.com

یہ بہت چھوٹے گاؤں تھے جن کی آبادی بہ مشکل سو، سوا سو نفوس پر مشتمل تھی جیسا کہ ان کے جزیے کی مقدار سے واضح ہوتا ہے۔

اس مہم کے دوران میں بندرگاہ مقنا کے باشندے بھی مطیع ہو گئے۔ ان کے معاہدے کے سلسلہ میں بہت سے مسائل تحقیق طلب رہتے ہیں۔ یہاں میں اپنی تحقیقات کے نتائج کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

معلوم ہوتا ہے کہ مقنا پر جو ایلہ کے قریب تھا، ایلہ کے حاکم نے قبضہ کر لیا تھا اور یہاں کے یہودی باشندوں کو ان کے کسی خونی جرم کی پاداش میں ملک بدر کر دیا تھا۔[1] تبوک میں یہ لوگ آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوروں سے پہلے ملے اور معاہدۂ اطاعت کیا اور استدعا کی کہ انھیں ان کے ملک میں دوبارہ بسایا جائے۔ اس استنباط کا باعث ایک فقرہ ہے جو ایلہ کے حاکم کے نام ابتداءً بھیجے ہوئے خط کے آخر میں درج ہے کہ اہل مقنا کو سامان دے کر ان کے وطن بھیجو۔ نیز خود معاہدۂ مقنا کے شروع میں بھی اس خواہش کی تکمیل کا ذکر ہے۔

معاہدۂ مقنا کا متن ہمیں تین جگہ ملتا ہے۔ طبقات ابن سعد[2] فتوح بلاذری اور کنیزۂ مصر[3] کی ایک قلمی کتاب[4]۔ یہاں ان کے فرق اور ان کے مندرجات پر کچھ روشنی ڈالنی ضروری ہے۔

---

[1] دیکھئے معاہدۂ مقنا جس کا حوالہ آگے آتا ہے)

[2] جلد ۱-۲ صفحہ ۲۸ - [3] صفحہ ۶۰ -

[4]

سلسلۂ اول جلد ۱۵، صفحہ ۱۷ تا ۹۱ میں اصل کتاب کے فوٹو ہیں۔

نیز دیکھئے۔

کسی کتاب یا تاریخ میں یہ نہیں بیان کیا گیا ہے کہ مقنا والوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فوجی مقابلہ کیا ہو اس کے باوجود ان کے معاہدے کی ایک شرط جو ابن سعد اور بلاذری دونوں کے متن میں ہے) ایسی ہے جو صرف بزور مطیع بنائے ہوئے قبائل پر عہد نبوی میں عائد کی جاتی تھی یعنی جملہ ہتھیاروں، غلاموں، جانوروں اور پہننے کے کپڑوں کی حوالگی۔ ہم تبوک میں جملہ مفتوح علاقوں سے جزیہ طلب کیا گیا تھا۔ لیکن مقنا والوں کو جزیے سے معاف کر دیا گیا اور صرف ان کے کھجور کی پیداوار، مچھلی پکڑنے کی کشتیوں اور عورتوں کے کاتے ہوئے سوت کا پانچواں پانچواں حصہ اسلامی حکومت کے حوالے کرنے کا معاہدہ ہوا۔

اسی معاہدے میں مندرج ہے کہ اہل مقنا بیگاری (مُنحرہ) سے مستثنیٰ رہیں گے بشرطیکہ وہ مطیع اور فرماں بردار رہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا عہد نبوی میں مسلمانوں میں بیگاری کا رواج تھا؟ اگر یہ کہا جائے کہ برطانوی حکومت میں بیگاری کا رواج تھا اور آں حضرت نے ان لوگوں کو آزاد کر دیا تھا تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ عہد نبوی میں اسلامی مملکت کا اقتدار شمالی عرب میں خلیج عقبہ تک جہاں مقنا واقع ہے مضبوطی کے ساتھ قائم ہو گیا تھا۔

ابن سعد کی روایت میں آں حضرتؐ نے وعدہ فرمایا ہے کہ مقنا والوں کے مغززین کا آپ احترام فرمائیں گے اور ان کے مجرموں کو معاف کر دیں گے اور یہ کہ ان کا حاکم یا تو انہیں میں سے ہوگا یا اہل رسول اللہ[1] میں سے۔

---

[1] یہ محاورہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور خطوط میں بھی ہے۔ مثلاً ابن ہشام صفحہ ۹۷۰ میں اس سے مراد حضرت معاذ بن جبل ہیں۔

Marfat.com

بلاذری کا انتقال ابن سعد کے کچھ دنوں بعد ہوا۔ بلاذری کو ایک شخص نے جس نے مقنا والوں کے ہاں ان کا معاہدہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس معاہدے کو لفظ بہ لفظ نقل کر کے لا دیا تھا۔ اس میں ابن سعد کے متن پر متعدد اضافے ملتے ہیں مثلاً ان کا حاکم یا تو ان میں سے ہو گا یا "اہل بیت رسول اللہ" میں سے ... جملہ بہائے ہوئے خون سے مقنا والوں کو بری کیا گیا ... مقنا کے مالک مقنا والے ہوں گے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرستادہ کوئی شخص ... وہ اپنے ہتھیار، غلام، جانور اور کپڑے مسلمانوں کے سپرد کر دیں گے بجز اس کے جو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کا کوئی فرستادہ مستثنیٰ کر دے ... و کتبہ علی بن ابو (کذا) طالب فی سنۃ ؟" تاریخیں بتاتی ہیں کہ حضرت علیؓ اس مہم میں شریک نہ تھے۔ مدینے ہی میں رہ گئے تھے۔ "اہل رسول اللہ" کو "اہل بیت رسول اللہ" بنا دینا اور آخر میں سنہ کا ذکر کرنا جبکہ سنہ کا رواج عام تاریخی بیانات کے مطابق ۱۶ھ سے پہلے مسلمانوں میں نہ تھا اور "علی بن ابو طالب" لکھنا جو نحوی حیثیت سے غلط ہے، قابل غور ہے۔

مگر قبل اس کے کہ ہم اپنی رائے کا اظہار کریں اس معاہدے کی ایک تیسری روایت کا ذکر ضروری ہے۔ مصر کے گنیزے میں ایک عبرانی قلمی کتاب ملی جو اب کیمرج میں ہے اس میں عربی عبارتوں کو عبرانی ... رسم الخط میں (TRANSCRIPTION) لکھ کر محفوظ کیا گیا ہے اس میں اس معاہدے کی بھی نقل ہے مگر اس کا متن ابن سعد اور بلاذری کے متن سے ڈھائی گنا زیادہ ہے۔ اس میں بہت سی زائد چیزیں ہیں جن میں سے اہم کا ذکر کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

معاہدہ نہ صرف اہل مقنا بلکہ اہل خیبر سے بھی متعلق ہے اور ان کی اولاد سے بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے... مراعات کی وجہ بھی معاہدے میں لکھی ہے کہ بی بی صفیہ (خیبر والی) سے آں حضرت نے نکاح فرمایا ہے۔ اہل مقنا و خیبر پر ہتھیارہ غلام اور دیگر سامان حوالے کرنے کی شرط نہیں۔ وہ سب انھیں کے رہیں گے... یہ معاہدہ عہد نبوی کا ہے مگر پھر بھی اس میں لکھا ہے کہ ان یہودیوں کو رسم "جنگی ٹیکس" سے مستثنیٰ اور معاف کیا جاتا ہے.... نیز انھیں خاص قسم کے کپڑے پہننے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ تسمہ کاٹے ہوئے چپل پہننے پر مجبور کیا جائے گا۔ ان کو اجازت ہوگی کہ اچھے کپڑے پہنیں۔ ہر قسم کے ہتھیار رکھیں اور گھوڑے پر سوار ہو سکیں.... اگر کوئی یہودی کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دے تو اس کی قانونی حیثیت وہی ہوگی جو کسی مسلمان قاتل کی ہوتی... دیگر تمام ذمیوں سے یہ اہل معاہدہ زیادہ محترم سمجھے جائیں گے... وہ اپنے جنازے شہر کی بڑی سڑکوں پر سے لے جا سکیں گے... وہ مسجدوں میں داخل ہو سکیں گے... اگر ان میں سے کوئی مسلمان ہو جائے تو وہ اہل بیت رسول اللہ میں (بطور مولیٰ؟) داخل سمجھا جائیگا۔ اور اہل بیت کے لئے جو وظیفہ مقرر ہے اس کے چوتھائی یعنی پچاس دینار کا مستحق ہوگا۔ اور یہ اسی وقت عطا ہوگا جب دوسرے قریشیوں کو... تاریخ معاہدہ ۳ رمضان ۵ھ لکھی گئی ہے۔ حالانکہ مہم

Marfat.com

تبوک و مقنا ۹ھ میں ہوئی اور جنگ خیبر ۷ھ میں. اور کاتب کا نام بلاذری ہی کی طرح علی بن "ابو" طالب لکھا گیا ہے گو جیسا کہ بیان کیا گیا، وہ تبوک کی مہم میں شریک نہ تھے. آخر میں بطور گواہ تین ایسے صحابہ کا نام ہے جو اہل شیعہ کے نزدیک خاص احترام سے دیکھے جاتے ہیں. یعنی عمار بن یاسر، سلمان فارسی مولی رسول اللہ اور ابوذر غفاری "

اگرچہ ہرش فیلڈ (Hirschfeld)[۵۱] اور لے شنس کی (Lessynsky)[۵۲] نے اپنی قابلیت اور علمیت سے انتہائی کام لے کر اس دستاویز کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ (یہ دونوں مولف یہودی ہیں) مگر اس میں قبل از وقت چیزوں (anae Hionism.) کا اتنا بڑا عنصر ہے کہ اس کا جعلی ہونا پہلی نظر ہی میں ظاہر ہے۔ اس کے ثابت کرنے میں کسی تفسح اوقات کی مطلق حاجت نہیں. اور غالباً یہ وہی دستاویز ہے جس کے شائع ہونے کا یاقوت[۵۳] اور ابن القیم[۵۴] نے بھی ذکر کیا ہے اور اس کی صحت کو ماننے سے انکار کیا ہے۔ ابن القیم نے تو بڑی تفصیل سے اس پر بحث کی ہے اور دس وجوہ سے اسے غلط ثابت کیا ہے۔

---

۵۱ Jewish Quarterly Review. XV. P 152 FF

۵۲ Die Juden in Arabien) P 107 FF بحوالہ (MSOS) برلن مذکورۂ بالا صفحہ ۵۵)

۵۳ معجم الادباء جلد ۱ صفحہ ۲۴۷ تا ۲۴۸ - ابن کثیر کا بھی اس پر ایک خصوصی رسالہ ہے.

۵۴ احکام اہل الذمہ (مخطوط بزم ادب حیدر آباد) ورق ۴ تا ۵ -

Marfat.com

اشپربر (Sperber)[۵۱] نے گو تسلیم کیا ہے یہ دستاویز جعلی ہے دراصل یہ بلاذری کی روایت پر حذف و اضافہ کرکے تیار کی گئی ہے مگر وہ ابن سعد کی روایت کو بہرحال صحیح تسلیم کرتا ہے لیکن ان بے وقت چیزوں اور غیر معمولی برتاؤ کی کوئی وجہ نہیں بیان کرتا جن کی جانب ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔

ہم اپنی رائے بیان کرنے سے پہلے اس اہم جملے کی طرف دوبارہ توجہ منعطف کراتے ہیں جس میں اہل مقنا کو اپنے ہتھیار اور اپنے کپڑے حوالے کر دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ شرط اصل میں ۷ھ میں فتح خیبر کے وقت وہاں کے یہودیوں پر لگائی گئی تھی[۵۲] اور اس جنگ میں حضرت علی بھی شریک تھے۔ کوئی تعجب نہیں جو معاہدہ انھوں نے لکھا ہو حضرت عمر کے زمانہ میں ان یہودیوں کو جنہیں حسب معاہدہ اسلامی حکومت جلاوطن کرنے کی مجاز تھی، شام میں جا بسنے کا حکم دیا۔ گیا[۵۳] اسی بنا پر ہمارا گمان ہے کہ جب یہ خیبری شام و فلسطین پہنچے تو وہ اپنے ساتھ اپنا معاہدہ بھی لیتے گئے جو آں حضرت نے کیا تھا۔ اور مقامی یہودیوں کو جن میں اہل مقنا بھی شامل ہیں۔ اس کی اطلاع ملی۔ بعد میں ابن سعد اور بلاذری کے زمانے میں یا اس سے کچھ پہلے شیعہ یا عباسی تحریک کے زمانے میں اہل مقنا

---

[۵۱] برلن کے مذکورہ رسالے (MSOS) کا صفحہ ۵۶ تا ۵۷ ملاحظہ ہو۔

[۵۲] بلاذری صفحہ ۴۳۔ کتاب الخراج لقدامہ بن جعفر (مخطوطہ استانبول) باب خیبر۔

[۵۳] حالات جنگ خیبر کسی کتاب سیرت میں دیکھئے۔

[۵۴] ابن ہشام صفحہ ۸۰۷۔

نے اپنے اصلی اور اس خیبر کے معاہدے دونوں کو سامنے رکھ کر ایک نئی دستاویز تیار کی جس میں حسب ضرورت دونوں اصلی معاہدوں کو جملے یا فقرے داخل کئے گئے اور کچھ نئی چیزیں داخل کی گئیں اور خیبر کے معاہدے کے کاتب کی حیثیت سے (یا یوں بھی وقتی اہمیت کے باعث) حضرت علی کا نام آخر میں بڑھا دیا۔ اس کے بعد فاطمی عہد حکومت میں خاص کر الحاکم بامر اللہ کے زمانے میں جب غیر مسلم رعایا سے سخت برتاؤ ہونے لگا اور ان پر بہت ظالمانہ پابندیاں عائد کی گئیں تو مصر کے یہودیوں نے ایک تیسری دستاویز تیار کی جس میں ضروریات زمانہ کے مطابق بہت کچھ حذف و اضافہ و تبدیلی کی۔ اس دستاویز کی نقل کا مصر میں دستیاب ہونا، اس میں شیعی عنصر کا اتنی زیادہ مقدار میں پایا جانا اور فاطمیوں کا تعلق — ان تمام امور سے ہمارے گمان کو مزید تقویت ہوتی ہے —

غرض متعدد اہم مقاموں کو مطیع بنانے اور اسلامی اثر کا سکہ بٹھلانے کے بعد آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی مہم سے واپس مدینہ تشریف لائے۔ مگر مسلمانوں کو موتہ کی شکست کا ملال تھا۔ اس لئے دو سال بعد جبکہ جزیرہ نمائے عرب کی اندرونی الجھنیں سلجھ چکی تھیں اور دیگر معاملات سے یکسوئی ہو کر پورا ملک مسخر ہو چکا تھا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موتہ کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے ایک اور خاصی بڑی فوج حضرت اسامہ بن زید کی سرداری (جن کے والد زید بن حارثہ موتہ میں سپہ سالاری کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے) تیار کی، ابھی یہ فوج مدینے

سے روانہ بھی نہیں ہوئی تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین کا دوسرے ہی دن انتخاب ہو گیا
اور خلیفہ حضرت ابوبکر نے مجوزہ مہم کو روکنا پسند نہیں کیا چنانچہ حضرت اسامہ
کی فوج آبل پر[1] — جس کی جگہ بعض وقت ابنی بھی کہتے ہیں[2] مگر جغرافیائی حیثیت
سے غلط ہے — چھاپہ مار کر ستر دن میں واپس آ گئی — بعض یوروپی مؤلفوں
نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس فوج کی روانگی اصل میں اس لئے تھی کہ اس میں
معززین انصار شریک تھے اور حضرت ابوبکر چاہتے تھے کہ انتخاب خلیفہ سے
انصار میں ان کے نمائندے کی شکست کے باعث جو جوش پیدا ہوا تھا اسے
ٹھنڈا کیا جائے۔ ممکن ہے یہ اتفاقی فائدہ بھی ہوا ہو لیکن اس فوج کی روانگی
میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کی تعمیل کا جذبہ بھی بہت کچھ کارفرما تھا
حضرت ابوبکر اس کا جتنا خیال رکھتے تھے وہ اس واقعے سے بھی معلوم ہو گا کہ
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد انھوں نے اعلان کیا کہ جس
کسی سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ وعدہ کیا تھا وہ اب مجھ سے رجوع ہو[3]،

## اسلامی مملکت کو چند مرتدوں، باغیوں اور مدعیان نبوت سے پریشانی

[1] یہ طبری کی روایت ہے۔ طبری میں عموماً نام صحیح ملتا ہے۔ مثلاً قابیل کی جگہ
قابن CAiN ct

[2] یہ عام روایت ہے

[3] کتاب الخراج لابی یوسف صفحہ ۲۴۔

Marfat.com

رہی لیکن جب اس سے بے فکری ہوگئی تو حضرت ابوبکر نے قیصر روم کے پاس ایک مرتبہ اور سفارت بھیجی اور اسلام یا سیاسی اطاعت کی دعوت دی مورخ ذہبی[1] نے اس سفارت کا حال بڑی تفصیل سے قلم بند کیا ہے اور اس میں بعض عجیب قصے بھی لکھے ہیں کہ قیصر کے پاس جملہ انبیاء کی تصویریں تھیں اور مسلمان سفیروں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر کو فوراً پہچان لیا تھا۔ ارمنی مورخ سابیوس (Sabeos) نے بھی ذکر کیا ہے کہ اس زمانے میں قیصر کے پاس ایک اسلامی سفارت آئی تھی۔ اس کے بیان کا ترجمہ ہیوبش مان (Hubash man) نے اپنی کتاب میں کیا ہے:۔

انھوں (مسلمانوں) نے: تب ایک سفارت بیزنطینی شہنشاہ کے پاس بھیجی۔ اور کہا: خدا نے یہ علاقہ ہمارے جد (حضرت) ابراہیم اور ان کی ذریت کو عطا کیا تھا۔ تو اس پر بہت دنوں سے قابض ہے۔ وہ ہمیں صلح اور آشتی سے واپس کردے پھر ہم تیرے ملک میں نہیں آئیں گے۔ ورنہ ہم اصل کا سود کے ساتھ واپسی کا مطالبہ کریں گے۔"

"قیصر نے انکار کیا اور وہ جواب نہ دیا جس کی سفیر کو اس سے توقع تھی۔ کیونکہ اس نے کہا: یہ ملک میرا ہے، تیرا ورثہ تو صحرا ہے۔ جا وہاں امن سے رہ۔

قیصر کی سفارت کی ناکامی اور اتمام حجت کے بعد حضرت ابوبکر نے شام فلسطین

---

[1] تاریخ کبیر حالات ابوبکر (مخطوطہ بزم ادب حیدرآباد۔

Marfat.com

اور اردن پر الگ الگ فوجیں بھیجیں۔ ان فوجوں کو جو ہدایتیں حضرت ابوبکرؓ نے دیں وہ متعدد مؤلفوں[۱] نے محفوظ کی ہیں۔ دخویے (De Goeje)[۲] کو ان کے متعلق اعتراف ہے کہ "ان ہدایات میں معقولیت اور اعتدال کی جو روح کارفرما ہے اس کے باعث ان کی بجا طور سے داد دینی پڑتی ہے"۔

مسلمان فوجوں نے بڑی ہمت اور بہادری سے بہ یک وقت بیزنطینی اور ایرانی دونوں شہنشاہیوں سے مٹ بھیڑ شروع کر دی تھی۔ مسلمانوں کی کامیابی کا بڑا باعث ان کا طرز عمل تھا۔ چنانچہ اس بات کا ذکر کرنے کے بعد کہ فوجی مصلحتوں سے مسلمان سپہ سالار نے جب ایک مرتبہ چند شہروں کا تخلیہ کیا تو رعایا سے وصول کردہ ٹیکس یہ کہہ کر واپس کر دیئے تھے کہ یہ ٹیکس حفاظت کے معاوضے میں تھے، ہم اب تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے۔ ولندیزی مستشرق دخویے[۳] لکھتا ہے

فی الحقیقت شام میں لوگ عربوں کی جانب بہت مائل ہو گئے اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔ کیونکہ عربوں نے مفتوحوں سے جو برتاؤ کیا اگر اس کا مقابلہ وہاں کے سابق مالکوں کے بے اصول

---

[۱] مثلاً شرح السیر الکبیر للسرخسی جلد ۱ صفحہ ۳۷۔ جمع الجوامع للسیوطی (مخطوطہ بزم ادب حیدرآباد) مسند ابی بکرؓ طبری صفحہ ۱۸۲۹ تا ۵۰ کنز العمال جلد ۲ نمبر ۶۲۵۹ - ۶۲۶۱ -

[۲] Memoire sur la conquete de la Syrie, p. 22.

[۳] ایضاً صفحہ ۱۰۴، ۱۰۶ -

Marfat.com

ظلم سے کیا جائے تو بڑا ہی سخت فرق نظر آتا ہے جو عیسائی فیصلہ کالسی ڈون (Chaicedon) کو نہیں مانتے تھے۔ ان کے ناک کان قیصر ہرقل کے حکم سے کاٹے گئے۔ اور ان کے گھر ڈھائے گئے تھے (دیکھئے حوالے کے لئے Barhebraeus, Chron. Eccl., I, p. 274.) یہ لوگوں پر الزام لگایا گیا تھا کہ ایرانیوں کے حملے کی انھوں نے تائید کی تھی۔ اگرچہ ہرقل نے ان کے لئے عام معافی کا وعدہ کیا تھا لیکن ان کا سخت ظالمانہ طور سے پیچھا کیا گیا تھا (حوالہ Eutychius. II. 242.)

اس کے برخلاف عرب جو حضرت ابوبکر کی ہدایتوں پر عمل کرتے تھے، مقامی باشندوں کا دل موہ لینے کی کوشش کرنے لگے اور سب سے زیادہ اپنی بات کا پاس کرتے رہے۔۔۔

تقریباً پندرہ سال بعد ایک نسطوری پادری (حوالہ Assemani, Bibl Orient., III., 2. p. XCVI) نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ طائی (یعنی عرب) جن کو خدا نے آج کل حکومت عطا کی ہے) ہمارے مالک بھی بن گئے ہیں مگر وہ عیسائی مذہب سے مطلق برسر پیکار نہیں۔ اس کے برخلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہمارے پادریوں اور قدیسوں کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے گرجوں اور کلیساؤں کو جاگیریں (۵۵۷۶) عطا کرتے ہیں۔"

Marfat.com

اسی سلسلے میں ایک اور اہم شہادت یہاں پیش کی جاسکتی ہے مشہور پادری کارالیفش کی C. Karalevskij نے مشہور انطاکیہ کے عیسائی حالات لکھتے ہوئے فرانسسی انسائیکلوپیڈیا Dict. d'Histor. et Geographie میں اعتراف کیا ہے :-

Ecclesias. v Antioch

"مسلمان عربوں کو یعقوبی عیسائیوں (JACOBITES) نے بھی اپنے نجات دہندوں کی حیثیت سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مسلمانوں کی سب سے اہم جدّت جس کا یعقوبی عیسائیوں نے دلی خوشی سے استقبال کیا، یہ تھی کہ ہر مذہب کے پیروؤں کو ایک خودمختار وحدت قرار دیا جائے اور اس مذہب کے روحانی سرداروں کو ایک بڑی تعداد میں دنیوی عدالتی اقتدارات عطا کئے جائیں۔"

اسی طرز عمل کا نتیجہ تھا کہ پہلی صدی ہجری میں شام و فلسطین کی ادری زبان تک عربی ہوگئی۔ اور یہ علاقے آج تک ٹھوس عربی ہیں۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمان، حضرت معاویہؓ وغیرہ کے قیصران روم سے جو سیاسی تعلقات تھے اگرچہ ان کے متعلق لاطینی، ارمنی، اور سریانی تاریخوں سے بہت کچھ نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں، اور سفارتوں اور مراسلتوں کا دلچسپ تذکرہ ملتا ہے، اور ان سے عربی تاریخوں کی تائید یا تکمیل ہوتی ہے، لیکن ان سب کا ذکر اس صحبت میں ممکن نہیں۔ ان کے لئے اور دیگر بیزنطینی علاقوں مثلاً سمان، غسان، تغلب۔ مصر،

Marfat.com

آرمینیا، حبش وغیرہ کے سیاسی تعلقات عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ رہے اس کے لئے میری تالیف La Diplomatie musulmane a l' epoque du Prophete et des Khalites Orthodoxes کے ابواب متعلقہ میں مواد اور حوالے مل سکتے ہیں۔

## خطوط کے متن

(۱) "بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسولہ الی ھرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام۔ اسلم تسلم واسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فعلیک اثم الاریسیین ویا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا ارباباً من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون"۔

(۲) من محمد رسول اللہ الی صاحب الروم۔ انی ادعوک الی الاسلام فان اسلمت فلک ما للمسلمین وعلیک ما علیھم فان لم تدخل فی الاسلام فاعط الجزیۃ فان اللہ تبارک وتعالیٰ یقول قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون"۔ وإلا فلا تحل بین الفلاحین وبین الاسلام ان یدخلوا فیہا ویعطوا الجزیۃ۔

(۳) إلی احمد رسول اللہ الذی یبشر بہ عیسیٰ من قیصر ملک الروم إنہ جاء فی کتابک ومع رسولک وانی اشھد أنک رسول اللہ نجدک عندنا فی الانجیل بشر بک عیسیٰ بن مریم وانی دعوت الروم إلی ان یؤمنوا بک فأبوا۔ ولو أطاعونی لکان خیرا لھم ولوددت انی عندک فاخلص قدمیک

(۴) إلى من يحتذين رؤبة وسراوات أهل أيلة سلم أنتم فإني أحمد إليكم الله
الذي لا إله إلا هو فإني لم أكن لا قاتلكم حتى أكتب إليكم فاسلم أو اعط الجزية
وأطع الله وسوله ورسل رسوله وأكرمهم وآسو آسوة حسنة غير كسوة القزاء
وآكسو زيد آكسوة حسنة فمهما مضيت رضيت وقبلت الجزية فإن أردتم أن يأمن البر
والبحر فأطع الله ورسوله وامنع عنكم كل حق كان للعرب والعجم إلا حق الله وحق
رسوله وإنك إن رددتهم ولم ترضهم لا آخذ منكم شيئاً حتى أقاتلكم فأسبي
الصغير وأقتل الكبير فإني رسول الله بالحق أؤمن بالله وكتبه ورسله وبالمسيح بن
مريم ابن كلمة الله وإني أؤمن به إنه رسول الله وأنت قبلك يمسكم الشر فإني
قد أوصيت رسلي بكم وأعطوهم ثلاثة أوسق شعير وإن حملة شفقتكم
وإني لولا الله وذاك منكم أرسلكم شيئاً حتى ترى الجيش وإنكم إن أطعتم
رسلي فإن الله لكم جار ومحمد ومن يكون منه وإن رسلي شرحبيل وأبي
وحملة وحريث بن زيد الطائي فانهم مهما قاضوا عليك فقد
رضيته وإن لكم ذمة الله وذمة محمد رسول الله والسلام عليكم إن
أطعتم وحيزوا الحمل حقنا إلى أرضهم۔

(۵) بسم الله الرحمن الرحيم هذه أمنة من الله ومحمد النبي رسول الله ليحنة بن رؤبة
وأهل أيلة سفنهم وسياراتهم في البر والبحر لهم ذمة الله ومحمد النبي ومن
كان معهم من أهل الشام وأهل اليمن وأهل البحر فمن أحدث منهم حدثاً فإنه
لا يحول ماله دون نفسه وإنه طيب لمن أخذه من الناس وإنه لا يحل أن يمنعوا
ماء يريدونه ولا طريقاً يريدونه من بر أو بحر هذا كتاب جهيم بن الصلت وشرحبيل
بن حسنة بإذن رسول الله

# عہدِ نبویؐ کے عربی ایرانی تعلقات

## قبل اسلام

جزیرہ نمائے عرب زیادہ تر صحرا ہے۔ اس لئے وہاں کی آبادی اپنی غذا تک کے لئے قدیم سے بیرونی درآمد کی محتاج رہی ہے۔

تعدد ازدواج سے آبادی میں تیز اضافہ اور ذرائع معیشت میں خانہ جنگیوں وغیرہ کے باعث روز افزوں انحطاط عربوں کو اکثر ترکِ وطن پر قدیم سے مجبور کرتا رہا ہے۔ ایک طرف وہ خطرناک بحری راستے سے مشرقی افریقہ جاتے رہے، تو دوسری طرف شمال مشرق میں عراق کی طرف اور شمال مغرب میں فلسطین کی طرف بھی خشکی کے راستے سے ہمیشہ ان[1] کا رُخ رہا بعد میں ملاحی مہارت بڑھنے پر وہ ہند اور چین تک تجارت کے لئے آنے جانے لگے۔

جہاں تک ایران کا تعلق ہے۔ اس کو سب سے پہلے معلوم ہوتا ہے کہ قبیلہ سطے ہی سے سابقہ پڑا۔ چنانچہ اب یہ مسلمات سے سمجھا جاتا ہے کہ فارسی لفظ تازی اور اسی کا بگڑا ہوا چینی لفظ تاشی[2] (جس سے عرب مراد ہوتے ہیں) اسی لفظ تلی

---

[1] اس کی قدامت اور وسعت کے لئے دیکھئے میرا مقالہ "عربوں کے تعلقات ہندوستان سے" جو اوپر درج ہوا ۔ مختصر یہ کہ سنٹ پاول کے زمانے میں دمشق میں ایک عرب بادشاہ حارث حکمران تھا، تو حلب جیسے شمالی علاقوں تک میں عرب کی راجدھانیاں قائم ہو چکی تھیں۔

[2] برہٹ شنائڈر کا انگریزی سالہ "عربوں کے متعلق چینیوں کے معلومات" صفحہ

کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ تبت کے تاشی لاما کا بھی شاید اس لفظ سے کوئی تعلق ہو۔

ان تارکان وطن کی تعداد ایرانی صوبۂ عراق میں اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ انھوں نے عہد نبوی سے صدیوں قبل حیرہ (کوفہ) میں ایک طاقتور سلطنت قائم کر لی تھی اور لخمی قبیلے کے ان عرب حکمرانوں پر ماحول کا کچھ اتنا اثر پڑا کہ شام کی طرف جانے والے غسانیوں کے برخلاف انھوں نے خانہ بدوشی تک ترک کر دی۔ اور بستیوں میں بس کر عربی تہذیب کی عظیم الشان خدمت انجام دینے لگے۔

ایرانی شہنشاہوں نے مختلف مصلحتوں سے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ چنانچہ ایک طرف تو یہ عرب اور ایران (عراق) کے مابین حد فاصل اور حاجز مملکت (بفر اسٹیٹ) بنے اور خانہ بدوش بدویوں کی عراق میں لوٹ مار کی مہمیں خود یہ لوگ جھیلنے لگے[1]، اور ایرانی امن میں ہو گئے تو دوسری طرف ایرانی جو روز افزوں آرام طلب ہوتے جا رہے تھے، مفت کے عرب رضا کاروں سے اپنی فوج میں کثیر تعداد میں کام لینے لگے۔ اس سے عربوں میں جنگجوئی اور فوج آرائی کی روح نہ صرف تازہ رہی بلکہ صیقل پاتی اور فطرت میں رچتی گئی تو ساتھ ہی ایرانی روز بروز جنگ سے ڈرنے لگے اور بزدل ہوتے گئے۔ ایرانی بیزنطینی جنگوں میں ایک سے زیادہ مرتبہ ان عربی فوجوں نے جو فیصلہ کن اور عظیم الشان حصہ لیا اور ایرانی حکومت کے لئے صرف اپنے بل بوتے پر جو وسیع فتوحات حاصل کیں، ان سے ہر کوئی واقف ہے ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ امر البتہ نمایاں کئے جانے کے قابل ہے کہ بیزنطینی قیصروں

[1] تنبیہ مسعودی ص ۱۸۶

نے جنجعبوں اور پھر غسانیوں سے جنگی حلیفی کرلی اور ایرانی کسراؤں کے لئے بھی ناگزیر تھا کہ اسی کے مماثل طاقتور عربوں کو اپنا حلیف بنائے رکھیں۔

عرب کے جانوروں تک کی وفاداری ضرب المثل ہے۔ پھر حیرہ کے حکمرانوں پر کسرایان ایران کا اعتماد کیوں نہ بے پایان ہوتا۔ کسی اور ملک میں یہ نظیر نہ ملے گی جیسی یہاں ملتی ہے کہ کسرائے ایران اپنے ولی عہد کو اپنے جونیر حلیف بلکہ ماتحت حکمراں حیرہ کے ہاں بھیج دے تاکہ وہیں اس کی تعلیم و تربیت ہو۔ بعد میں بدوی روایات کے حامل اس شہزادے نے حکمراں بن کر دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ حیرہ کا عربی ماحول مدائن کے ایرانی ماحول سے کہیں زیادہ مفید و کردار ساز تھا۔

حیرہ والوں کی خدمات خود عرب کے لئے کچھ کم اہم نہ تھیں۔ عربی شعراء اور تاجر ہمیشہ ان کے دربار میں بھرے رہتے تھے اور غیر محسوس طور سے تاثر و تاثیر کرتے چلے جاتے تھے اور غالباً صحرانشینوں سے اس مسلسل تعلق ہی نے باوجود عیش و ترفہ کے لخمی حکمرانوں میں بہت سی اچھی بدوی صفتیں مثلاً بات کا پاس اور آن کے لئے جان تک کی پرواہ نہ کرنا بہت کچھ برقرار رکھیں۔

عربی رضاکاروں کی وفاداری اور اطاعت شعاری نے رفتہ رفتہ دربار مدائن کو یہ جھلا دیا کہ حیرہ کمزور سا رجونیر حلیف سہی، لیکن ماتحت اور غلام نہ تھا۔ مجوسی و مزدکی روایات نے عصمت و ناموس کا تصور بھی ایرانی دربار سے مٹا دیا تھا۔[1] اسی لئے انھوں نے اس میں کوئی برائی ہی نہیں سمجھی کہ انھیں اصول کا اطلاق عرب حکمراں کی بیو

[1] مزدک نے ملکۂ ایران کے متعلق بھرے دربار میں شہنشاہ سے جس بے باکانہ بے حمیتی کا اظہار کیا تھا اس سے عربی خواں بے خبر نہ ہوں گے۔

Marfat.com

بیٹیوں پر کیا جائے۔ اس کے نتیجے سے سب واقف ہیں کہ حکمران حیرہ کو مدائن طلب کیا گیا۔ اور اس وفا شعار نے جانتے بوجھتے اس کی تعمیل کی تو تحفظ عصمت کے جرم میں اس کا سر قلم کیا گیا اور نشۂ غرور میں چور شہنشاہ نے حاجز مملکت کو بھی فنا کر دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ حیرہ میں ایرانی افسر آ دھمکے اور گو برائے نام ایاس بن قبیصہ نامی ایک عرب کو بھی وہاں کے عربوں کا سردار بنایا گیا، لیکن سلطنت حیرہ کا ایران سے الحاق کر کے ایک معمولی صوبہ بنا دیا گیا۔ یہ قصہ یہیں ختم نہ ہوا بلکہ حکمران حیرہ نے اپنے پاس کا بعض امانتی مال اصل مالکوں کو پہنچانے کے لئے بعض بدوی قبائل کے سرداروں کے سپرد کیا تو شہنشاہی احکام اس کی فوری حوالگی کے لئے پہنچے اور انکار پر سزا دہی اور عربوں کی بالکلیہ تباہی کے لئے ایک عظیم الشان ایرانی لشکر روانہ کیا گیا۔ مگر اب کی دفعہ قدرت نے ایران کو ایک تنبیہ کرنی چاہی اور ذی قار کی جھیل پر ان کی فوج کو جان پر کھیلے ہوئے بدوؤں نے کاٹ کر رکھ دیا۔ مگر دریائے ایران نے بجائے سبق لینے اور اپنی اصلاح کرنے کے عربوں پر مزید ستم آرائی شروع کر دی۔ اور انھیں روز افزوں اپنا دشمن بنانا شروع کیا (اب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا مدنی دور زندگی شروع ہو چکا تھا) اور خلافت صدیقی کے آغاز پر اسی ایرانی سرحد کے ستم رسیدہ مثنیٰ شیبانی کا ایران پر حملے کے لئے اپنے رضاکارانہ خدمات کا پیش کرنا زیادہ تر ایران کی اسی عرب کش سیاست کا ردعمل تھا۔ اس واقعے سے چند ہی سال قبل یمنیوں کی دعوت اور تعاون سے ایرانیوں نے حبشیوں کو نکال کر یمن پر قبضہ کر لیا تھا اور وہرز کی فوجی گورنری کے بعد لائق باذان وہاں گورنر بنا۔ لیکن پائے تخت ایران میں کچھ ایسی تیزی سے

Marfat.com

شاہ گردی ہو رہی تھی کہ مٹھی بھر ایرانی فوج کے لئے کسی مزید کمک کی غیر موجودگی میں یمن پر قبضہ رکھنا بڑا دشوار ہو گیا تھا۔

حیرہ اور یمن کے علاوہ مشرقی اور جنوبِ مشرقی عرب کے ساحلی علاقوں یعنی عمان اور الحساء میں بھی (جسے اُس زمانے میں بحرین کہا جاتا تھا) ایرانی اثرات مستحکم ہو گئے تھے۔ عمان میں جلندی بن المستکبر کا خاندان کسریٰ ایران کی طرف سے حکمران نامزد ہوا تھا۔ جس کے کچھ حالات محمد بن حبیب (المتوفی ۲۴۵ھ) نے اپنی مشہور کتاب المحبر (مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد) میں لکھے ہیں اور بعد میں اسی جلندی کے بیٹوں جیفر اور عبد سے جناب رسالت مآب صلعم نے تخاطب فرمایا تھا۔ عمان وسیع ملک ہے۔ وہاں کے ایک اور عرب سردار ہوذہ بن علی کو کسریٰ نے ایک جواہر نگار ٹوپی عطا کی تھی۔ اسی لئے اس کا لقب ذوالتاج یا صاحب التاج مشہور ہو گیا تھا دیکھئے اشتقاق ابن دُرید ص ۲۰۹ عقد الفرید ابن عبد ربہ جلد ۲ صفحہ ۶۰) الحساء میں کسی عرب ریاست کا بظاہر پتہ نہیں چلتا اور وہاں کے صدر مقام ہجر میں ایرانی فوجی گورنر (مرزبان) رہا کرتا تھا۔ بعض غیر مورد ثی عرب افسر بھی تھے۔

عرب مؤلفوں کے ہاں اس قسم کے تذکرے کثرت سے ملتے ہیں کہ فلاں عربی شیخ نے فلاں بادشاہ (کسریٰ، قیصر نجاشی وغیرہ) کے ہاں باریابی حاصل کی۔ ابن عبد ربہ نے اس کا ایک مستقل باب (الوفادات) ہی قائم کیا ہے۔ ایسے ہی ایک شخص سے خوشنودی کے سلسلے میں کہتے ہیں کہ اس کی خواہش پر کسریٰ نے ایک مہندس (انجینیر) بھیجا جس نے وادی وَج میں ایک فصیل دار قلعہ تعمیر کیا

جسے طائف کہنے لگے۔ (کتاب الاغانی جلد ۲ صفحہ ۴۸-۴۹) اس کے استحکام کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ فتح مکہ و حنین کے بعد طائف کو اسلامی فوجوں نے آ گھیرا تھا۔ اور باوجود منجنیق اور دبابوں کے استعمال کے محاصرہ ختم ہوتا نہ نظر آیا۔ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید جانی نقصان نامناسب سمجھ کر محاصرہ اٹھا لیا تھا۔

## ابتدائے اسلام

ایران آتش پرست تھا انتہائی جنسی اباحیت رکی بھی تو حقیقی بہنوں اور صلبی بیٹیوں تک کو وہاں ازدواجی اغراض کے لئے محرمات میں نہیں شامل کیا جاتا تھا۔ غالباً اسی قسم کے معاملات ہوں گے جس نے مشرک عیسائیوں کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں مجوسیوں پر قابل ترجیح بنا دیا تھا۔ قرآن مجید کی سورۂ روم بھی انھیں جذبات کی ترجمان ہے۔

ابن ہشام صفحہ ۲۷۸ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ ابتدائے اسلام میں جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قبائل کو اسلام کی دعوت اور اسلام کی مدد کی ترغیب دیتے تو علاوہ اخروی روحانی ثواب کے وعدے کے یہ پیشینگوئی بھی فرماتے کہ کسریٰ و قیصر کی دولت تمھارے قدموں پر نچھاور ہوگی۔ جنگ خندق میں سنگ مرمر کی چٹان کو توڑتے وقت چنگاریاں اڑنے پر اسی پیشینگوئی کا اعادہ فرمایا گیا تھا۔ (دیکھو طبری وغیرہ)

میں نے ایک مستقل مضمون میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے کہ سنہ ۶ھ کی

---

لہ دیکھئے رسالہ سیاست حیدر آباد دکن، اپریل سنہ ۱۹۴۲ء نیز مجموعہ ہذا

Marfat.com

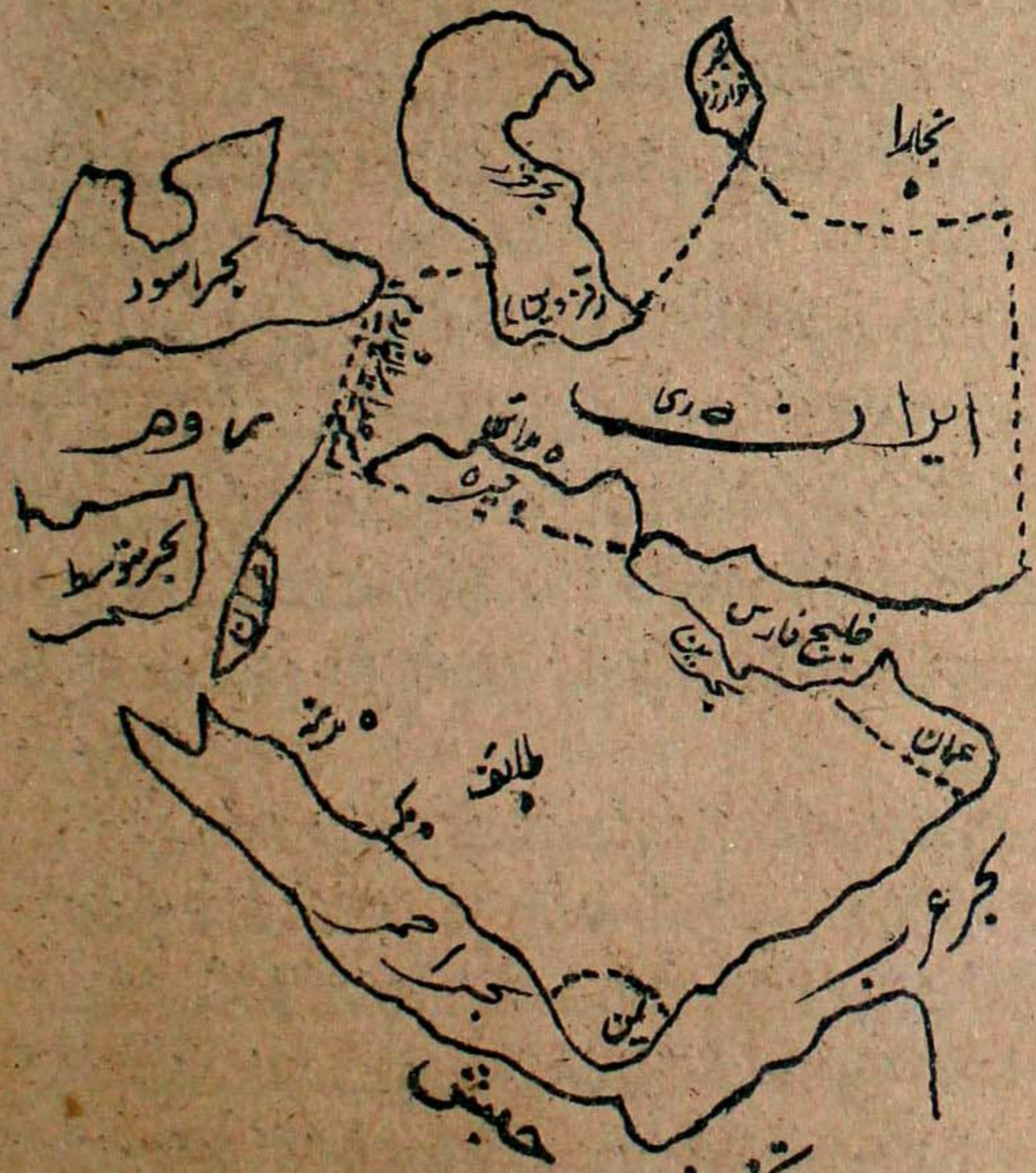


تخمینی نقشۂ سلطنت ایران

بوقت آغاز اسلام

Marfat.com

صلح حدیبیہ کو قرآن مجید نے "فتح مبین" اور "نصر عزیز" کیوں کہا ہے اور کس لئے اسے اسلام اور مسلمانوں کی سیاسی کامیابیوں کا سنگ میل سمجھا جاتا ہے (مشہور عام خیال تبلیغ کی مہولت کچھ دل کو نہیں لگتا) یہاں اس کا دہرانا غیر ضروری ہے بہرحال اس صلح سے جہاں مسلمانوں کے ہاتھ کھل گئے اور وہ خیبر کے نوپذیر خطرے کا دو ہی تین ماہ میں استیصال کرنے کے قابل ہو گئے وہیں انھیں دنیوی میں ایرانیوں کی بیزنطینیوں (رومیوں) کے ہاتھوں عہد آفریں شکست کے سلسلے میں بین الممالک صورت حال سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل گیا (نینوی کی لڑائی شعبان ۶ھ میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد صلح حدیبیہ ہوئی۔

بلاذری (فتوح صفحہ ۷۹) اور ابن الاثیر (کامل ۲/۲۲) نے بیان کیا ہے کہ ایرانی مقبوضہ بحرین کے ایک عربی النسل افسر منذر بن ساوی کو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا خط ۶ھ ہی میں روانہ کیا تھا۔ غالباً کسریٰ ایران کا خط بھی اسی نامہ بر کے ذریعے سے بھیجا گیا ہوگا، جس نے بحرین کے حاکم سے خواہش کی کہ اسے کسریٰ کے پاس مدائن بھیج دے۔

یہاں اس کی غالباً ضرورت نہیں کہ ساوہ بحرین، عمان، یمن وغیرہ عرب کے جملہ ایرانی مقبوضات سے عہد نبوی میں جو اسلامی تعلقات رہے ان کی پوری تفصیل اور ان کا ارتقا بتایا جائے۔ ورنہ ان علاقوں کے ایرانی افسروں یا عرب شیوخ کے نام لکھے ہوئے کئی درجن نامہ ہائے نبوی تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔ ایک منذر ہی کے نام کے نو خط ملتے ہیں جن میں بحرین کی سیاسیات کی پوری تاریخ محفوظ ہے۔ ان کے متن کے لئے میری حقیر تالیف "الوثائق السیاسیۃ"

دیکھی جاسکتی ہے جس کی طباعت کے بعد اوائل ۱۳۶۱ھ میں کتب خانہ خدا بخش مرحوم پٹنہ میں قبیلۂ عبدالقیس سے کیا ہوا ایک اور معاہدہ کتاب وسیلۃ المتعبدین میں دستیاب ہوا ہے۔ یہاں صرف شہنشاہ ایران سے خط و کتابت پر کچھ بحث کی جائے گی۔ جس میں متعدد گتھیاں سلجھانی ہیں۔

تمام اسلامی مورخوں محدثوں اور دیگر مؤلفوں نے متفقہ طور سے بیان کیا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد ہی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں کے نام اسلام کے تبلیغی خطوط بھیجے تو ان میں سے ایک کسریٰ ایران کے نام بھی تھا۔ اس کا متن جس میں کچھ لفظی اختلافات بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ ہے ۔

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
(۲) من محمد رسول اللہ الیٰ
کسریٰ عظیم فارس
(۳) سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ
وآمن باللہ ورسولہ
(۴) وادعوک بدعایۃ اللہ فانی
انا رسول اللہ الی الناس کافۃ
(۵) لانذر من کان حیا ویحق القول
علی الکافرین۔
(۶) فاسلم تسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
محمد رسول اللہ کی طرف سے سردار ایران کسریٰ کے نام۔
ہدایت پر چلنے اور خدا و رسول پر ایمان لانے والے کے لئے سلامتی ہو۔
میں تجھے خدا کا بلاوا دیتا ہوں کیونکہ مجھے خدا نے تمام انسانوں کی طرف بھیجا ہے، تاکہ میں ہر زندہ شخص کو ڈراؤں کافروں کے متعلق خدا کی بات پوری ہو کر رہے گی۔
اسلام لا سلامت رہے گا۔

Marfat.com

(۷) فان ابیت فان علیک اثم المجوس — اگر تو انکار کرے تو تمام مجوسیوں کا دبال تجھی پر پڑے گا۔

یہ متن تاریخ طبری صفحہ ۱۵۱۷ و صفحہ ۱۵۲۷ (دو روایتیں) صبح الاعشی قلقشندی جلد ۶ صفحہ ۲۹۶ بحوالہ کتاب الصناعتین لابی ہلال العسکری نیز جلد نمبر ۶ صفحہ ۳۷۸، اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین لابن طولون مکتوب نمبر ۳ المواہب اللدنیہ للقسطلانی جلد نمبر ۱ صفحہ ۲۹۱ تاریخ الیعقوبی جلد نمبر ۲ صفحہ ۸۳ نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ للزیلعی۔ مکتوب نمبر ۹ مفید العلوم و مبید الہموم۔ للقزوینی مکتوب نمبر ۲۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۲۲۔ المنتقی لابی نعیم ورق نمبر ۳۵ ب (مخطوطہ حیدر آباد) منشآت فریدون بک جلد ۱ صفحہ ۳۱ وسیلۃ المتعبدین لعمر الموصلی جلد ۸ ورق نمبر ۲ ب (مخطوطہ بانکی پور) میں مکمل ملتا ہے۔ اور طبقات ابن سعد اموال ابی عبید صحیح البخاری، صحیح مسلم، مسند ابن حنبل وغیرہ میں جستہ جستہ ملتا ہے اس پر کاشانی نے اپنی اطالوی تاریخ اسلام میں اور اشپرنگر نے اپنی جرمن کتاب سوانح و تعلیمات محمدی میں بحث کی ہے ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور کے اجلاس دوم کی روداد میں میرا بھی ایک انگریزی مضمون اس خط کے متعلق ملے گا۔

جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔ یہ تین مختلف تاریخوں میں لفظی اختلاف کے ساتھ روایت ہوا ہے۔ اہم تر یہ ہے۔

بعض روایتوں میں بسم اللہ الرحمن الرحیم حذف ہو گیا ہے۔ اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ کیونکہ حذف عبارت کا عام رواج رہا ہے۔

قلقشندی نے ابو ہلال عسکری سے یہ متن نقل کیا ہے، صرف اسی

Marfat.com

ایک روایت میں "کسریٰ ابرویز عظیم فارس" کے الفاظ ہیں اور باقی کسی نے بھی پرویز کا نام نہیں لیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ پرویز کا نام بعد کا قیاسی اضافہ ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۳ میں طبری کی ایک روایت میں وشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأن محمداً عبده ورسوله کے الفاظ زائد ہیں جو اصل فقرے کی صرف شرح معلوم ہوتی ہے۔

ف۴ میں دعاء الشر اور دعایۃ اللہ کی روایتیں عام ہیں۔ رسالاتِ نبویہ مؤلفہ عبدالمنعم خاں توکلی نے دعاء الاسلام کہیں سے نقل کیا ہے۔ مطلب سب کا ایک ہی ہے۔

ف۵ میں قرآنی آیت کے لحاظ سے بعض روایتوں میں "لینذر" بھی مروی ہے جو عربی کے لحاظ سے ذرا تکلف سے ٹھیک ہوگا۔

ف۶ میں "قان" کی جگہ "دان" اور اسی طرح "ابیت" کی جگہ "تولیت" نیز "اثم المجوس علیک" کی جگہ "علیک اثم المجوس" وغیرہ فرق بھی ملتے ہیں۔ جو روایت بالمعنی کا نتیجہ ہیں۔ ان سے مطلب پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

غرض یہ خط عبداللہ بن حذافہ السہمی بحرین کے حاکم کے پاس لے گئے تھے۔ یہ ٹھیک طور سے نہیں معلوم ہوتا کہ آیا عبداللہ بن حذافہ ہی مدائن گئے تھے، یا حاکم بحرین نے اپنے کسی آدمی کے ہاتھ اسے پایۂ تخت روانہ کیا تھا بہر حال تمام اسلامی مؤلف بیان کرتے ہیں کہ کسریٰ خسرو پرویز نے طرزِ تخاطب دیکھتے ہی پورا خط پڑھے بغیر چاک کر دیا۔ اور نامہ بر کو سامنے سے نکلوا دیا۔

Marfat.com

اس کے علاوہ یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسریٰ نے یمن کے گورنر باذان کو حکم بھیجا کہ دو آدمی مدینہ روانہ کرے اور نبی عربیؐ کو برضا و رغبت گرفتار کر کے مداین روانہ کرے۔ جب یہ لوگ مدینہ آئے تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے کہا کہ آج رات میرے رب نے تمھارے باپ کو قتل کر دیا۔ اس پر وہ یمن چلے آئے اور جلدی ہی بداین سے کسریٰ شیرویہ نے سرکاری اطلاع بھیجی کہ اس نے مصلحت عامہ کے تحت اپنے باپ کو قتل کر دیا اور خود تخت نشین ہو گیا۔ اور کہتے ہیں کہ شیرویہ کی پدر کشی کی تاریخ وہی تھی جو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اور اس معجزہ کو دیکھ کر باذان اور بہت سے یمنی مسلمان ہو گئے۔

یہ واقعہ سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۹۴ پر مذکور ہے اور بہ ظاہر ابن اسحاق کا بیان نہیں ہے۔ بلکہ ابن ہشام نے زہری کی روایت خود اضافہ کی ہے۔ سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۰۹ میں جہاں بادشاہوں کے نام خطوط کا ذکر ہے۔ وہاں کسریٰ کے سلسلے میں یہ قصہ بیان نہیں ہوا ہے۔ تاریخ طبری صفحہ ۱۵۲۰ تا ۱۵۲۷ میں جہاں اس سفارت کا ذکر ابن اسحاق کے حوالے سے نقل ہوا ہے، وہیں زہری کی روایت صرف اتنی بیان ہوئی ہے کہ کسریٰ کے نامہ مبارک پارہ پارہ کر ڈالنے کی اطلاع ملی تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خدا اُس کے ملک کو بھی پارہ پارہ کر دے اور طبری نے شیرویہ کی پدر کشی کا قصہ زہری کے اس قطع کلام کے بعد یزید بن حبیب کی روایت کی بنا پر نقل کیا ہے اور وہاں زہری کا اس سے تعلق نہیں ہے۔

اس اختلاف کو ہم کوئی خاص اہمیت عام حالتوں میں نہیں دیتے۔ لیکن طبری نے جہاں یہ قصہ ۶ھ کے حالات حدیبیہ کے بعد بیان کیا ہے، وہیں ایران قدیم کے حالات میں صفحہ ۱۰۰۹ پر یہ جملہ بھی مکرمہ کے حوالے سے ایک غیر مربوط قصے کے آخر میں لکھا ہے:-

فاھلک اللہ کسریٰ وجاء الخبر الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الحدیبیۃ نفرح ومن معہ۔

چنانچہ خدا نے کسریٰ کو ہلاک کر دیا اور اس کی اطلاع جناب رسالتمآب کو حدیبیہ کے دن پہنچی جس سے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو خوشی ہوئی۔

جب خسرو پرویز کے مرنے کی اطلاع حدیبیہ کے دن آ چکی تھی تو پھر بعد میں پرویز کے نام خط لکھنا اور پدر کشی کی اطلاع بطور معجزہ دینا سب بے بنیاد قصے بن جاتے ہیں۔ کثیر نویسی کی وجہ سے طبری کے ہاں بلا تنقید متضاد روایات کا آ جانا اور روایات میں بھی بے احتیاطی سے قطع و برید ہو جانا ایک معروف واقعہ ہے جس سے ہر وہ شخص واقف ہے جس نے طبری کا غور سے مطالعہ کیا ہے اسی بنا پر ابو نعیم کی دلائل النبوۃ (جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۲۴) کی یہ روایت خاص توجہ کی مستحق ہے کہ:-

"رومیوں کے ہاتھوں ایرانیوں کو اسی دن شکست ہوئی تھی جس دن حدیبیہ کی صلح ہوئی اور جب اس کی اطلاع پہنچی تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی خوشی ہوئی کہ قرآن مجید کے سورۂ روم کی کئی سال قبل کی پیشگوئی پوری ہو گئی"۔

نینوی کی لڑائی شعبان ۶ھ دسمبر ۶۲۷ء میں ہوئی تھی، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ عام طور سے اسلامی مورخ یہ بیان کرتے ہیں کہ مہم حدیبیہ کے لئے مسلمان ۶ھ میں سے ذی قعدہ ۶ھ میں نکلے۔ لیکن امام ابو یوسف نے کتاب الخراج صفحہ ۱۲۸) میں یہ روایت بیان کی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے لئے رمضان میں نکلے۔ تاریخ ابن کثیر (البدایہ والنہایہ جلد ۴ صفحہ ۱۶۴) میں حدیبیہ کے ذی قعدہ میں پیش آنے کا ذکر کر کے اس بات پر تعجب ظاہر کیا گیا ہے کہ عروہ کے بیان کے مطابق صلح حدیبیہ ماہ شوال میں منعقد ہوئی۔

آں حضرت صلعم کے ہمعصر زمانے کی تاریخیں نہ تو بیزنطینیوں کے ہاں محفوظ ہیں نہ ایرانیوں کے ہاں، اور نہ حبشیوں کے ہاں۔ ان حالات میں ایک واحد استثناء خاص توجہ کا محتاج ہے۔ وہ یہ کہ قیصر ہرقل اور کسریٰ پرویز میں جب آخری فیصلہ کن لڑائی شروع ہوئی تو قیصر میدان جنگ سے وقتاً فوقتاً اپنے بیٹے کو خط روانہ کرتا رہا۔ اتفاق سے یہ اب تک محفوظ ہیں اور انھیں میں سے ایک میں قیصر نے اپنے بیٹے کو لکھا ہے کہ خبر آئی ہے کہ خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے ۲۷ فروری ۶۲۸ء کو قتل کر ڈالا ہے[1]۔ (جو وسط رمضان ۶ھ کے مطابق ہے) قرائن

---

[1] قیصر ہرقل کی جنگوں کے متعلق بھی بڑی پیچیدگیاں ہیں اس موضوع پر سب سے مستند کتاب جرمن زبان میں گیرلانڈ (Gerland.) کی ہے۔ جس کا نام "قیصر ہرقل کی ایرانی مہمیں"

1 Persische Feldzuge des Kaisers Heraklius

ہے یہ مقالہ اس کتاب میں یونانی مورخ تیوفان کے حوالے سے نقل ہوا ہے۔

شہادت قیصر کے اس خط کی صحت کی تائید کرتی ہے۔ شعبان میں نینوئی میں فیصلہ کن شکست کھانے کے بعد وسط رمضان میں اس کا مارا جانا کوئی تعجب کا حامل نہیں اور بظاہر قیصر کو اس واقعے کے بیان کرنے میں عمداً جھوٹ پر آمادہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اسی وجہ سے واقدی کا یہ بیان کرنا کہ ؎

"شیرویہ نے اپنے باپ کسریٰ کو جمعہ کی رات ۱۰ ارجمادی الاولیٰ ۶ھ کو قتل کیا، جبکہ چھ گھڑی رات گذر چکی تھی" (تاریخ طبری صفحہ ۱۵۷۴)

اپنے اندر مقابلۃً کم کشش رکھتا ہے۔

غرض اس وقت جو گتھیاں نظر آتی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے ؎

| واقعہ | طبری فی روایہ | ابو نعیم | ابو یوسف | واقدی | ابن کثیر فی روایہ | ہرتل ماخط یونانی تاریخ میں | عام مورخین |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| نینوئی میں ایرانی شکست | ۰ | ۰ | ۰ | ۰ | یوم الجمعہ | ۰ | شعبان |
| کسریٰ پرویز کا قتل بیٹے کے ہاتھ | یوم الجمعہ | ۰ | ۰ | ۱۰ ارجمادی الاولیٰ ۶ھ | ۰ | وسط رمضان ۶ھ | |
| اس قتل کی اطلاع کا جناب سالمآب کو پہنچنا | ۰ | یوم الجمعہ | ۰ | ۰ | ۰ | ۰ | حدیبیہ کے کئی ماہ بعد تقریباً ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ میں |
| حدیبیہ کیلئے روانگی | ۰ | ۰ | رمضان ۶ھ | ۰ | ۰ | ۰ | ذیقعدہ ۶ھ |
| صلح حدیبیہ | ۰ | ۰ | ۰ | ۰ | شوال ۶ھ | ۰ | تقریباً اواخر ذیقعدہ یا اوائل ذی حجہ ۶ھ |

ان میں ممکن ہو تو باہم تطابق دینے ورنہ کسی ایک کے بیان کو ترجیح دینے کی ضرورت

ہے۔ لیکن اس طرف توجہ کرنے سے قبل دو اہم امور بطور تمہید ذہن نشین کر لینے کی ضرورت ہے۔

۱۔ واقدی اور ان کے شاگرد ابن سعد نے سیرۃ نبویہ کے واقعات کو کبھی تو ہجری سنہ[1] سے بیان کیا ہے۔ اور کبھی ہجرت کے وقت[2] سے اور سب جانتے ہیں کہ ہجرت ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی اور سنہ ہجری اس سے کوئی دو ماہ اٹھارہ دن قبل یکم محرم سے شمار کیا جاتا ہے۔ اسی لئے مثلاً جنگ بدر کا ذکر کرنا ہو تو ماہ نہم (رمضان) سنہ ۲ھ یا ہجرت سے ایک سال چھے ماہ بعد کہنا پڑے گا۔ واقدی نے کسی ایک طریقۂ شمار کا چونکہ شروع سے آخر تک لزوم نہیں رکھا ہے، (اس لئے من الہجرۃ (ہجرت کے وقت سے) او للہجرۃ (ہجری سنہ سے) کہنے میں آسانی غلط ملط ہو سکتا ہے۔ مزید براں اگر راوی کی صرف روایت پہنچی ہو اور اس سے بالمشافہہ جرح او تعیین کا موقع نہ ہو اور راوی نے ہجری سنہ مراد لیا ہو، اور واقدی نے وقت ہجرت سے مدت مراد ہونی سمجھی ہو، تو ناواقفیت تین ماہ کا بڑی آسانی سے فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ خاص کر اس لئے کہ واقدی نے مہینے کا نام لینے کے بجائے اکثر مہینوں کی گنتی دی ہے کہ ہجرت کے اٹھارہ یا بیس مہینوں بعد وغیرہ۔

(۲) جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی حجہ ۱۰ھ میں سال کبیسہ کو عربی مہینوں کے لئے ہمیشہ کے واسطے منسوخ فرما دیا اور خطبۂ حجۃ الوداع میں اس کی قرآنی

---

[1] اوائل مسلمان مہاجرین مکہ کی مدینہ روانگی یعنی ماہ محرم سے بلکہ شاید وسط ذیحجہ سے

[2] یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مدینہ یعنی ۱۲ ربیع الاول سے۔

Marfat.com

مابعث (انما النسیٔ زیادۃ فی الکفر الآیہ) کو دہرانے کے بعد اوشاد فرمایا تھا کہ

ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض

زمانہ چکر کھا کر پھر وہی شکل اختیار کر چکا ہے جیسا خلقت آسمان و زمین کے وقت تھا

(سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۹۶۸ تاریخ طبری صفحہ ۵۴۰ وغیرہ)

اور متفقہ طور سے اس کی تشریح یہ کی جاتی ہے کہ اس وقت ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر قمری اور کبیسہ دونوں لحاظ سے ذی حجہ باہم جمع ہو گئے تھے۔ قمری اور کبیسہ مہینوں کے متعلق عربی مورخوں نے جو بیانات چھوڑے ہیں، ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر تیسرے سال قبیلہ بنی فقیم کا سردار (جس کا لقب قلمس ہوا کرتا تھا) حج کے موقع پر منیٰ میں ایک خاص رسم کی انجام دہی کے ذریعے سے اعلان کرتا تھا، کہ اب جو ذی حجہ چل رہا ہے اس کے بعد نیا چاند نظر آئے گا تو وہ محرم الحرام کا نہ ہوگا (بلکہ ایک گمنام اور غیر محترم مہینہ ہوگا) اور اس کے بعد کا نیا چاند محرم الحرام کا ہوگا (جدید علم ہیئت بھی یہی کہتا ہے کہ قمری سال میں شمسی سال سے دس دن کم ہوتے ہیں اور ہر تیسرے سال ایک مہینے کا فرق پڑ جاتا ہے) اس بیان کے بموجب اگر ۱۰ھ میں دونوں قسم کے مہینے یکجا ہو گئے تھے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ

(دیکھئے جدول صفحہ آئندہ پر)

Marfat.com

| ہجری سنین | ۶ سنہ | | ۷ سنہ | | ۸ سنہ | | ۹ سنہ | | ۱۰ سنہ | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| | مکی | کبیسہ | ہجری مکی | کبیسہ | ہجری مدنی | کبیسہ | ہجری مکی | کبیسہ | ہجری مدنی | کبیسہ |
| محرم | محرم | ربیع ۱ | صفر | ربیع ۱ | محرم | صفر | ربیع ۱ | محرم | صفر | ربیع ۱ |
| صفر | صفر | ربیع ۲ | ربیع ۱ | جمادی ۱ | صفر | ربیع ۲ | جمادی ۱ | صفر | ربیع ۲ | جمادی ۱ |
| ربیع ۱ | ربیع ۱ | جمادی ۱ | ربیع ۲ | جمادی ۲ | ربیع ۱ | جمادی ۱ | جمادی ۲ | ربیع ۱ | جمادی ۱ | جمادی ۲ |
| ربیع ۲ | ربیع ۲ | جمادی ۲ | جمادی ۱ | رجب | ربیع ۲ | جمادی ۲ | رجب | ربیع ۲ | جمادی ۲ | رجب |
| جمادی الاول | جمادی ۱ | رجب | جمادی ۲ | شعبان | جمادی ۱ | رجب | شعبان | جمادی ۱ | رجب | شعبان |
| جمادی ۲ | جمادی ۲ | شعبان | رجب | رمضان | جمادی ۲ | شعبان | رمضان | جمادی ۲ | شعبان | رمضان |
| رجب | رجب | رمضان | شعبان | شوال | رجب | رمضان | شوال | رجب | رمضان | شوال |
| شعبان | شعبان | شوال | رمضان | ذیقعدہ | شعبان | شوال | ذیقعدہ | شعبان | شوال | ذیقعدہ |
| رمضان | رمضان | ذیقعدہ | شوال | ذی حجہ | رمضان | ذیقعدہ | ذی حجہ | رمضان | ذیقعدہ | ذی حجہ |
| شوال | شوال | ذی حجہ | ذیقعدہ | محرم | شوال | ذی حجہ | محرم | شوال | ذی حجہ | × |
| ذیقعد | ذیقعدہ | محرم | ذی حجہ | × | ذیقعدہ | محرم | × | ذیقعدہ | × | × |
| ذی حجہ | ذی حجہ | × | محرم | × | ذی حجہ | × | × | ذی حجہ | × | × |

اس طرح ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ذی قعدہ ۶ سنہ مکی میں جب صلح حدیبیہ ہوئی تو رمضان ۶ سنہ چل رہا تھا اور اس طرح عروہ کا یہ کہنا کہ مہم حدیبیہ شوال میں ختم ہوئی یا امام ابو یوسف کا کہنا کہ حدیبیہ کے لئے مسلمان مدینے سے رمضان میں نکلے تھے،

Marfat.com

اور عام مورخین کا اس واقعہ کو ذی قعدہ میں قرار دینا ان میں باہم کوئی تضاد نہیں۔ چونکہ اس وقت تک سال کبیسہ منسوخ نہیں ہوا تھا اور مکے پر قریش ہی قابض تھے، اس لئے ان کے حج کا موسم ان کے ذی قعدہ سے شروع ہوا تھا حالانکہ خالص قمری حساب سے ابھی رمضان ہی کا مہینہ چل رہا تھا۔

سنہ ہجری اور وقت ہجرت کے فرق کے تین مہینے اور قمری اور کبیسہ سالوں کے سنہ ۹ھ میں فرق کے تین مہینے جملہ چھ مہینوں کا فرق۔ یہ بڑی آسانی سے واقدی کی اس روایت کی توجیہ کر دیتا ہے کہ پرویز کا قتل ذی قعدہ (مکی) کی جگہ جمادی الاولیٰ میں کیوں بیان کیا گیا۔ دوسرے الفاظ میں راوی نے کہا ہوگا کہ سنہ ہجرت کے اکہترویں مہینے میں اور واقدی نے وقت ہجرت (ربیع الاول) سے حساب کیا اور نہ تو دو کبیسہ سالوں کا خیال رکھا اور نہ ہجرت اور سنہ ہجری کے فرق کا لحاظ کیا۔ اور سنہ ہجرت کے اکہترویں مہینے ذی قعدہ ۶ھ کی کی جگہ جمادی الاولیٰ ۷ھ بیان کر دیا۔

واقدی نے یہ نہیں بیان کیا ہے کہ خسرو پرویز کے اپنے بیٹے کے ہاتھوں مارے جانے کی تاریخ انھیں کس ماخذ سے معلوم ہوئی۔ اگر اس تاریخ کے متعلق یونانی مورخ کا بیان (خود قیصر ہرقل کے خط کی بنا پر) صحیح مانا جائے تو یہ واقعہ ۲۵ فروری سنہ ۶۲۸ء (مطابق وسط رمضان سنہ ۶ھ وسط ذی قعدہ سنہ ۶ھ مکی) کو ہوا ہوگا۔ اور یہ روایت قطعاً رد کر دینی پڑے گی کہ کسریٰ کے حکم سے جب یمن سے دو ایرانی افسر مدینے آئے تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ "آج رات میرے رب نے تمھارے رب کو قتل کر دیا"۔ اور

یہ کہ اس پیشینگوئی یا غیب گوئی کے صحیح ثابت ہونے پر گورنر یمن مع حوالی موالی مسلمان ہو گئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اپنی عظمت کی برقراری کے لئے ایسے کسی معجزے کی محتاج نہیں خاص کر جبکہ اس معجزے کا حال کچھ بہت زیادہ مستند ذرائع سے بھی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ ادلاس کے متعلق خود مغرب مؤلف متضاد باتیں بیان کرتے ہیں حتیٰ کہ اگر واقدی کی روایت کہ یہ قتل ۱۰ جمادی الاولیٰ کو ہوا، صحیح بھی مانی جائے تو متعدد علمی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور پرویز کے قتل کی جو تاریخ ایرانی اور رومی ذرائع سے متعین ہے نظر انداز کرنا آسان نہیں ہے اسی لئے طبری کی روایت کہ کسریٰ کے قتل کی اطلاع حدیبیہ کے دن آئی اصل میں اس روایت کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو ابو نعیم نے بیان کی ہے، کہ نینوی کی شکست کی خبر حدیبیہ[1] کے دن آئی۔ اور اس میں کوئی امر مانع نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ یہ حدیبیہ سے مہینہ بھر پہلے کا واقعہ تھا اور اس عرصے میں ایران کی خبر اس زمانے میں مکے تک آسکتی تھی۔

مجھے اپنے ان اخذ کردہ نتائج پر اصرار نہیں ہے اور اگر کوئی اہل علم ان کی اصلاح کر سکیں اور گتھیوں کو سلجھا سکیں تو سیرۃ نبویہ کی ایک الجھن رفع ہو سکے گی۔ واللہ الہادی إلی الصواب وھو لموافق والیہ المآب۔

**تتمہ** جیسا کہ عرض کیا گیا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ عظیم الفرس کے نام خط روانہ فرمایا تھا۔ ابو ہلال عسکری کی روایت کہ خط میں کسریٰ ابرویز لکھا ہوا تھا، ممکن ہے کہ صحیح ہو اور باوجود پرویز کے قتل ہو چکنے کے اس کی اطلاع اس وقت تک مدینہ منورہ نہ آئی ہو

[1] گو ابو نعیم کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تینوا کی شکست بھی حدیبیہ کے دن ہوئی۔

Marfat.com

لیکن پرویز کے قتل کے بعد مدائن میں جو شاہ گردی شروع ہوئی اس کے باعث یہ نہیں معلوم کہ وہ نامۂ مبارک دراصل کس نے وصول کیا بہر حال ایران کی پریشان صورتِ حال کے باعث جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست ایرانی مقبوضاتِ عرب کے افسروں سے مخاطبت شروع فرمائی۔ چونکہ ان سٹھی بھرا ایرانیوں کو اب مدائن سے کسی کمک اور مدد کی توقع نہ رہی تھی جیسا کہ طبری نے (تاریخ صفحہ ۱۹۹۰ میں) بیان کیا ہے کہ کم از کم یمن میں ایک دطینت پسند تحریک زور و شور سے اٹھ چکی تھی کہ مداخلت کنندہ ایرانی غیر ملکیوں کو نکال باہر کیا جائے، اس لئے علاوہ اور اسباب کے کوئی تعجب نہیں کہ اپنی جان و مال کے اس خطرہ کو دیکھ کر ان ایرانیوں نے اسلام قبول کرنے اور حکمرانِ عرب صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت حاصل کرنے کی جانب ترغیب پائی ہو۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ یمن، عمان، بحرین وغیرہ کے ایرانی مقبوضات دیکھتے کے دیکھتے مدائن سے ٹوٹ کر مدینے سے جڑ گئے تھے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست خارجہ کچھ اتنی کامیاب ہو رہی تھی کہ مابقی علاقوں کے لئے مدائن کو فکر ہونے لگی۔ چنانچہ چند ہی دنوں بعد جب قسمت نے یوزان دخت کو تختِ کیانی پر پہنچایا تو اس نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحفے تحائف بھیج کر دوستی کی طرح ڈالنی چاہی (جیسا کہ تاریخ طبری صفحہ ۳۰۶۳ میں صراحت سے اور ترمذی شریف جلد نمبر ۱ صفحہ ۲۹۶ باب قبول الہدایا میں بلا صراحتِ نام اس کا ذکر ملتا ہے)

**ضمیمہ** | نسی کے متعلق عرب مولفوں میں سے البیرونی وغیرہ بعض یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ سال قمری کو سال کبیسہ بنانے کا نام ہے

Marfat.com

تو بعض مؤلف یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ اشہر حرم کی طوالت سے گھبرا کر غیر حرام مہینہ بیچ میں شامل کیا جانے لگا تاکہ اس زمانے میں لوٹ مار کی جا سکے۔ غور کرنے پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ "نسی" کی حرمت کے کئی سو سال بعد جب خالص قمری سنہ میں پلے ہوئے بعض عرب مؤلف اس کو سمجھ نہ سکے اور جس طرح قمری و شمسی سال میں سالانہ دس دن کا فرق قدیم زمانے میں عام بدویوں کی سمجھ میں نہ آتا تھا اور وہ قلمس کی کبیسہ گری کو محض یہ سمجھتے تھے کہ مسلسل تین حرام مہینوں کی دل برداشتہ کرنے والی طوالت کو توڑنے کے لئے ایک غیر حرام مہینہ لایا گیا ہے، بالکل اسی طرح انھیں بدویوں کی لدلا دار ان کی کہاوتوں اور روایتوں کے حامل مسلمان علماء بعد کو زیادہ غور کئے بغیر بدویوں کی روایتوں کو اسلامی ادبیات میں شامل کرنے لگے۔ نسی کے متعلق سویڈن کے پروفیسر موبرگ (Moberg) نے جرمن زبان میں ۱۹۳۱ء میں جو مقالہ لکھا ہے وہ چاہے نتائج کے لحاظ سے غیر تشفی بخش ہو لیکن مواد اور حوالوں کے اعتبار سے بہت مفید ہے۔ اسی کا خلاصہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں بھی دیا گیا ہے۔

Marfat.com

# عہد نبوی میں یہود

## (۱)

**پس منظر** موجودہ دنیا کی خونی یا نسلی اساس پر بنی ہوئی قوموں میں یہود ایک بہت پرانی قوم ہے، جس کا اپنا تمدن، جس کے اپنے ادبیات اور جس کی اپنی تاریخ موجود ہے۔ اگر ان کو حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کی اولاد مانا جائے تو یہ لوگ نمرودوں کے ظلم سے تنگ آکر بابل یعنی عراق سے کنعان یعنی فلسطین و شام آبسے تھے۔ پھر حضرت یوسفؑ کے زمانے میں مصر پہونچے جہاں کہتے ہیں کہ اس زمانے میں شامی نسل کا ایک خانوادہ فرعونیت کر رہا تھا۔ حضرت یوسفؑ کا جلدی ہی عزیز مصر اور قمار کل وزیر بن جانے میں ان کو جو سے زیادہ دشواری نہ تھی۔ چند نسلوں بعد شاہ گردی ہوئی اور ایک مصری خانوادہ برسر اقتدار آگیا تو سابق کے منظور نظر اب معتوب اور رفتہ رفتہ مقہور بن گئے۔

فرعون رعمسیس[۱] کے زمانے میں یہ حضرت موسیٰؑ کی رہنمائی میں اجتماعی طور پر مصر کو خیرباد کہتے اور ارض مقدس (فلسطین) کا رخ کرتے ہیں۔ صحف موسیٰ یعنی توریت کے کتب خمسہ اسی زمانے کی یادگار ہیں۔ مابقی توریت بعد کے دیگر انبیاء وغیرہ کی طرف منسوب ہے۔ اس سے قطع کر صحیفۂ اشموئیل کے موجودہ نسخوں سے معلوم ہوتا ہے

---

[۱] رعمسیس بہ ظاہر لقب ہے۔ اس کا نام میامون نیز سیسوستریس مشہور ہے یہ ۱۳۳۰ ق م کے لگ بھگ اپنے باپ سیتی اول کا جانشین ہوا۔ اور ۱۲۶۰ ق م میں کسی وقت غرق بحر ہوا۔ اس کی مومیائی ہوئی لاش ۱۸۸۱ء میں دستیاب ہوئی۔

کہ انھوں نے ارض مقدس کی پرانی آبادی پر (جو عمالقہ قبائل کے عربوں پر مشتمل تھی) کچھ اتنے مظالم کئے کہ انسانیت کو گھن آتی ہے۔ دودھ پیتے بچوں تک کو جیتا نہ چھوڑا۔ یہی لچھن تھے جن کے باعث خانہ جنگی بھی پھیلی۔ لاتعداد انبیاء و مصلحین بھی اپنوں ہی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

چنانچہ طالوت (یعنی بادشاہ) ساول کے بعد حضرت داؤد اور حضرت سلیمان نے حکومت الٹی چلائی۔ پھر خانہ جنگی ہو کر یہودی سلطنت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ کبھی عراق نے مشرق سے اور کبھی شام نے شمال سے ان کی بستیوں پر حملہ کیا اور یہ وہاں سے خارج البلد ہو کر تتر بتر ہوئے تو اس کے مراجعانہ اثرات ہزاروں برس گزر جانے کے بعد آج تک جاری ہیں۔

**قبل البعثت** عہد نبوی کے آغاز پر یہودی ہم کو عرب کے ہر حصے میں ملتے ہیں۔ ٹھوس بستیوں میں بھی، اکے دکے بھی بلکہ بستیوں کا ایک زنجیرہ نظر آتا ہے جو ایلہ (عقبہ) مقنا، خیبر، وادی القریٰ، تیماء، فدک، مدینہ، یثرب اور طائف و جرش سے لے کر یمن اور عمان و بحرین تک عرب میں شمالاً جنوباً چلا گیا تھا۔

مکے میں یہ کم نظر آتے ہیں۔ البتہ میلوں میں جو مکے کے آس پاس بہ کثرت ہوتے تھے (جیسے عکاظ، منا، مجنہ، ذوالمجاز وغیرہ) یہ پیسے کمانے کے قسم قسم کے ڈھنگ اختیار کرتے تھے۔ غیب دانی کے دعویدار۔ قسمت بتانے والے، کاہن، عراف وغیرہ زود یقینوں کے لئے دلجمعی تو بے فکروں کے لئے دل بہلانے کا سامان مہیا کرتے تھے۔ اور ان پڑھ بدویوں کی نظر میں لکھنے پڑھنے والے

Marfat.com

(اہل کتاب) ہونے کی حیثیت سے بڑا احترام رکھتے تھے۔

مشرق و مغرب[1] اب سب جگہ مسلّم ہے کہ عہد نبوی کے آغاز کے لگ بھگ زمانے میں اہل کتاب ایک بڑے انسان، ایک آخری تسلی دہندے کے انتظار میں تھے۔ لیکن سیرت نبویہ کے طالب علم کو عجیب پیچیدہ اور متضاد و متصادم واقعات سے سابقہ پڑتا ہے جن کا حل آسان نہیں۔ ایک طرف قبل بعثت زمانے میں مدینے کے یہود اپنے ہم شہری عربوں کو طعنے اور دھمکیاں دیا کرتے تھے کہ مسیحا اب آنے والا ہے۔ اور یہ کہ وہ اس کا ساتھ دے کر اپنے دشمنوں کی سرکوبی کریں گے۔ دوسری طرف ایسے واقعات بہ کثرت ملتے ہیں جن میں یہودی ہی مسیحائے منتظر کے قتل کے درپے نظر آتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دودھ پلائی بی بی حلیمہ کے گود میں ایک میلے میں جاتے ہیں۔ ایک یہودی فال گو آپ کو دیکھ کر شور مچاتا ہے کہ یہودیو۔ دوڑو۔ اس بچے کو قتل کرو۔ یہ تمھارا استیصال کرے گا۔ یا آپ نوعمری میں اپنے چچا کے ساتھ تجارتی کاروان میں فلسطین جاتے ہیں۔ وہاں عیسائی راہب انھیں مشورہ دیتے ہیں کہ مزید آگے نہ بڑھیں۔ یہود اس بچے کے دشمن ہیں۔ دیکھ پائیں اور پہچان لیں تو جان کے لالے پڑ جائیں وغیرہ۔

## آغاز تبلیغ

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو عام انسانوں کے لئے نیز قیامت تک اسوۂ حسنہ بننا تھا۔ اسی لئے خدا نے آپ کو عالم اسباب کا پابند رکھا۔ اور باوجود آپ کے مخاطب سارے جن و انس ہونے کے آپ کی شخصی ذمہ داری محدود رہی۔ بالکل ابتدائی زمانے میں اپنے خاندان اور اپنے

[1] مثلاً کاسانووا کی کتاب محمد اور دنیا کا اختتام (فرانسیسی) صفحہ ۲۸ نیز انجیل یوحنا ۱۹-۲۸

ملنے جلنے والوں کو اسلام کی دعوت دینے کا حکم ہوا۔ پھر رازداری کو ختم کرنے اور سب کو برملا تبلیغ کی ہدایت ملی اور مکی زندگی میں بہرحال آپ کی ذاتی ذمہ داری وہی تھی جو قرآن نے بیان کی ہے کہ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا (مکہ اور اس کے اطراف و حوالی کو خدا کی نافرمانی کے انجام سے ڈرائیں) کیا اس علاقے میں یہود بستے تھے؟ عرب مورخ بھی اس سے انکار کرتے ہیں اور قرآن مجید کی اندرونی شہادت بھی اس کے خلاف ہے۔

چنانچہ ہجرت مدینہ سے قبل جو (۸۶) سورے نازل ہوئے ہیں ان میں یہود یو سے براہ راست تخاطب کہیں نہیں ہے۔ "یا بنی اسرائیل" کا جملہ سب سے پہلے[1] ترتیب نزولی کے لحاظ سے سورہ ۸۷ یعنی بقرہ میں ملتا ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہونے والے سوروں میں پہلا ہے۔ ورنہ اس کی دو میں "یا بنی آدم" اور یا ایھا الناس" ہی کا استعمال ہے۔

ترتیب نزولی کی یادداشت سامنے رکھ کر قرآن مجید کا کئی دن مطالعہ کرنے پر جو انکشاف ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلی آیت جس میں یہودیوں کا دبالواسطہ ہی سہی، ذکر ہے وہ سورۂ مزمل کی ہے کہ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (۱۵/۷۳ و ما بعد) یہاں یہودی قوم کا کوئی ذکر نہیں بلکہ یہودیوں کے سب سے بڑے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے، اور اپنی ان سے مشابہت کا کہ خدا نے فرعون (رعمسیس) کی ہدایت کے لئے ایک رسول بھیجا، اور نہ ماننے پر سخت سزا دی۔

---

[1] قرآن ۲۰/۹۸ میں یہ لفظ آنحضرت کے خطاب کے ضمن میں نہیں بلکہ نقل حکایت کے طور پر آیا ہے۔

اسی طرح تمہاری (مکہ والوں کی) طرف بھی ایک رسول آیا ہے۔

اس کے بعد سورۂ اعلیٰ اُتری ہے کہ "آخرت زیادہ بہتر اور زیادہ پائدار ہے بے شک یہ گزشتہ صحف مقدسہ میں (یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں بھی) ہے" (۸۷/۱۴ تا ۱۹) پھر یہود تو نہیں البتہ ان کی ایک نئی شاخ یعنی نصاریٰ کا لطیف ذکر سورۂ قل ھو اللہ (۱۱۲) میں آتا ہے اور اور ان کے بنیادی عقیدے کی تردید کی جاتی ہے کہ خدا کے کوئی اولاد ہو۔ اور بار بار ذکر آتا ہے تو فرعون کا اور اس کے بُرے انجام کا (فجر ۸۹/۱۰۔ بروج ۸۵/۱۸ ق ۵۰/۱۳۔ قمر ۵۴/۴۱ ص ۳۸/۱۲)۔ یہ ترتیب نزول سے درج ہیں۔

سورۂ تین (۹۵) میں طور سینین کا محض ضمنی ذکر ہے۔

سورۂ ص (۳۸) بہ کثرت انبیاء کا ذکر ہے۔ انھیں میں حضرت داؤد، سلیمان، اور ایوب علیہم السلام کے یہود میں مبعوث ہونے کا ذکر ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود کو بھی اسی طرح کا ایک نبی اور ایک رسول ظاہر فرماتے ہیں۔

یہود کا مکی سورتوں میں تفصیلی اور اہم ذکر پہلی مرتبہ سورۂ اعراف میں ملتا ہے (جو تدوین کے لحاظ سے سورۂ مکی ہے۔ لیکن نزول کے لحاظ سے ۳۹ ہے) اس سورت کی ان آیتوں کو نظر انداز کر دیں جو بہ اتفاق مدنی ہیں (اور جن میں یہود کو عہد بعہد مختلف ملکوں میں مذہبی ایذا رسانیوں کی پیشین گوئی ہے (۳۹/۱۶۷ تا ۱۷۰) تو مابقی مکی سورت میں بنی اسرائیل کا قصہ کافی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ ان کا فرعون سے نجات پانا اور ارض مقدس کے راستے میں کوہ طور پر الواح توریت سے حضرت

Marfat.com

موسیٰ کا سرفراز ہونا وغیرہ بیان ہونے کے بعد توریت و انجیل میں بھی رسول عربی کی پیشینگوئی کا دعویٰ دلچسپ انداز میں کیا گیا ہے جو یہ ہے :-

"اور موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے ستر آدمیوں کو ہمارے مقرر کردہ وقت کے لیے چن لیا۔ جب ان لوگوں کو زلزلے نے دھر لیا تو کہا میرے رب تو چاہتا تو پہلے ہی ان کو ہلاک کر سکتا اور مجھے بھی۔ کیا تو ہم کو ہمارے میں کے احمقوں کے کرتوت کی بنا پر ہلاک کرے گا؟ یہ تو تیری ہی آزمائش ہے۔ اُس سے تو جس کو چاہے بھٹکاتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے۔ تو ہمارا والی ہے اس لئے ہم کو معاف کر دے۔ اور ہم پر رحم کر کہ تو معاف کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے

"اور لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی۔ ہم تیرے ہی پاس توبہ کرتے ہیں۔

"خدا نے کہا، میرا عذاب، میں وہ جسے چاہوں پہنچاتا ہوں۔ اور میری رحمت ہر چیز کو سماتی ہے۔ پس میں یہ (رحمت) ان لوگوں کے لئے لکھتا ہوں جو تقویٰ کرتے ہیں اور زکات دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ یعنی :-

"جو لوگ رسولِ نبی اُمّی کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں جو ان کو بھلی بات کا حکم دیتا ہے اور ان کو ناپسندیدہ بات سے روکتا ہے اور ان کے لئے اچھی چیزیں حلال

کرتا ہے اور بُری چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور ان پر سے ان کے بوجھ اور بندشیں جو کہ ان پر تھیں گراتا ہے۔ پس جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی مدافعت کریں اور اس کی مدد کریں اور اس روشنی کی پیروی کریں جو اس کے ہمراہ اُتری ہے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے۔

"کہہ، اے لوگو! میں تم تمام کی طرف اس خدا کا بھیجا ہوا ہوں کہ آسمانوں اور زمین کا ملک اسی کا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ حیات بخشتا اور موت دیتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولِ نبی اُمّی پر جو خود بھی اللہ اور اس کے کلموں پر ایمان لاتا ہے۔ اور اسی کی پیروی کرو تاکہ تم صحیح راہ پاؤ۔

"اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک گروہ حق کے ذریعے سے رہبری کرتا ہے اور اسی کے ذریعے سے انصاف کرتا ہے۔"

۱۵۵ تا ۵۹

ان آیتوں کا شان نزول تو صراحت سے کتب تفسیر و حدیث میں مجھے نہ ملا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکّے والے جب بیرون کا سفر کرتے، مثلاً طائف، یمن، مدینہ، خیبر، عراق، شام، مصر وغیرہ اور اپنے شہر کی "نبأ عظیم" سناتے کہ ان کے شہر میں ایک شخص اللہ کا رسول ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے تو ان مقاموں کے یہودی اور عیسائی "جتنے منہ اتنی ہی باتیں" یا "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست" رائے زنی کرتے اور اعتراضات و جوابات سمجھاتے۔ سورۂ ہذا (اعراف) میں پہلے

تو تبلیغ وہدایت کا بنیادی استدلال نفسیں سے دہرایا گیا ہے کہ سابق میں بھی انبیاء آئے تھے۔ ایک طرف اگر ان کے ہمعصر نافرمان عذاب الٰہی میں گرفتار اور تباہ ہوئے تو دوسری طرف متبعین کی آئندہ نسلوں میں گمراہی عود کر آئی اور سابقہ تعلیمات الٰہی کے آخری آثار بھی ناپید ہو گئے تو نئے سرے سے نبی بھیجے گئے۔ یا سابق میں جہاں کوئی نبی نہیں آیا تھا اب وہاں نبی مبعوث ہوا — نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کا اس طرح ذکر آیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کی طرف بھیجے جانے کا ذکر ہے۔ دیگر انبیاء کے برخلاف حضرت موسیٰ کی تعلیم محفوظ سمجھی جاتی تھی اور ان کے پیرو یہودی موجود بھی تھے۔ یہ سوال ہوتا تھا کہ اگر توریت حضرت موسیٰ پر اتری ہوئی ربانی کتاب ہے تو پھر کسی نئے نبی اور نئی کتاب کی کیا ضرورت ہے اور کیوں سب لوگ جو ہدایت کے متلاشی ہوں، یہودی نہ ہو جائیں؟ کم از کم دینے کے یہودیوں میں ایک حد تک تبلیغ نظر آتی تھی اور وہ اپنے دین کو محض نسلی اور بنی اسرائیل سے مخصوص نہیں سمجھتے تھے۔ ابھی براہ راست یہودیوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقہ نہیں پڑا تھا صرف یہودیوں کے سکھائے ہوئے اہل مکہ کے اعتراضات سامنے آرہے تھے۔ ان کی سمجھ اور ضرورت کے مطابق ان کو جواب دیا جا رہا ہے کہ :-

۱- آپ نبی موعود ہیں۔ توریت اور انجیل میں آپ کی بشارت اور آمد کی پیشینگوئی موجود ہے۔

۲- ارتقائے ذہن انسانی کے مدنظر خدا نے سابقہ احکام میں کچھ ترمیم کرنی چاہی اور کچھ بندشیں اور بوجھ دور کر کے انسانوں کے لئے ازراہ

Marfat.com

کرم و فضل سہولت بہم پہونچانی چاہی ہے۔

۳۔ سابقہ انبیاء ملک وار، قوم وار یا زمانہ وار تھے۔ اب خدا نے ایک ایسے نبی کی بعثت طے فرمائی ہے جو سارے انسانوں کے لئے سارے ملکوں سارے زمانوں کے لئے ہو۔

اگرچہ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید نبی کی تعلیم اپنی آپ سفارشی ہے۔ لیکن انبیائے سلف کے متبعین کی اس نہایت قلیل محدود تعداد کے لئے جو اب بھی صحیح ربانی تعلیم پر عامل ہو، ایک نئے نبی کی پیروی کی ترغیب کس طرح ہو؟ بہترین طریقہ یہی تھا کہ خود ان کی مذہبی کتابوں میں ایک آخری نبی ایک آخری تسلی دہندے کا صراحت سے ذکر ہو۔ اِنَّہٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ (۲۶/۱۹۶) یعنی آنحضرت کا ذکر تمام گذشتہ الہامی کتب میں ہونے کا قرآن مدعی ہے۔ اور باوجود امتداد زمانہ اور دستبرد حوادث کے اب تک ایسی چیزیں کچھ نہ کچھ ملتی ہیں ویدوں میں (جو صحف ابراہیم ہوں یا نہ ہوں) ایک عبداللہ و آمنہ کے بیٹے کی بشارت ہے۔ گوتم بدھ نے بھی چاہے وہ نبی تسلیم ہوں یا نہ ہوں، مرتے وقت اپنے چیلوں کو ایک برگزیدہ نبی کے انتظار کا حکم دیا مذکورہ صدر آیات میں توریت و انجیل میں بھی آپ کی بشارت کے لکھے ہوئے ہونے کا دعویٰ ہے۔ گزشتہ چودہ سو سال سے مسلمان علماء اس پر تفصیل سے بحث اور نشان ہی کرتے آرہے ہیں۔ یہاں تفصیل بے محل ہوگی۔

ابھی تک مکے والے ہی مخاطب تھے۔ ممکن ہے حج کعبہ کے لئے آنے والے اہل جزیرہ نمائے عرب بھی جو سال میں ایک مرتبہ منا میں جمع ہوتے تھے

Marfat.com

اور کئی دن وہاں رہ کر عید مناتے تھے، جلدی ہی مخاطب بننے لگے ہوں۔ لیکن بہرحال چونکہ یہود و نصاریٰ سے براہ راست سابقہ تقریباً معدوم تھا۔ اسی لئے یہودیوں کا ذکر ضمنی اور بصیغۂ غائب ہی ہے۔ البتہ ان کی دانستہ فضیلتوں کا کھلے دل سے اعتراف ہے۔ اور ان کی مذہبی کتاب کو الہامی اور خدا کی دی ہوئی کتاب تسلیم کیا گیا ہے۔

سورہ ۲ میں (جو بہ لحاظ ترتیب نزول ۸۷ ہے) ایک نیا انداز شروع ہوتا ہے۔ سورت کے شروع میں جہاں آں حضرت اور آپ کے متبعین کو اطمینان دلایا جاتا ہے کہ زیر نزول قرآن خدائے حکیم و علیم ہی کی طرف آ رہا ہے وہیں ذرا آگے (آیت ۴۰ میں) یہ آیت ہے کہ یہ قرآن بنی اسرائیل کو ایسی باتیں صحیح صحیح بتاتا ہے جن میں سے اکثر کے متعلق بنی اسرائیل میں آپس ہی میں اختلاف ہے"۔ کیا کچھ یہود نبی موعود پر ایمان لا چکے اور باقی انکار کر رہے تھے؟ اس بارے میں سوائے قیاس آرائی کے کچھ چارہ نہیں۔ لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ اس کے بعد قرآن اور آں حضرت کی توجہ یہود کی طرف بہت بڑھ گئی۔ چنانچہ اس کے بعد جو دو سورے (قصص و بنی اسرائیل ۲۸ و ۱۷) نازل ہوئے وہ زیادہ تر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے حالات پر مشتمل ہیں اور ان کی عظمت و علو مرتبت کا بار بار ذکر ہے۔ ان کی کتاب کو "بصائر للناس وھدیً ورحمۃ" (۲۸/۴۳) اور "ھدیً لبنی اسرائیل" (۱۷/۲) کہہ کر سراہا گیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اب یہودیوں سے بالواسطہ ہی سہی، راست تماس قائم ہو گیا تھا اور وہ قریشِ مکہ کے بحث اور مناظرے میں عملی دلچسپی لینے اور توریت

Marfat.com

میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی کو شدت سے چھٹلانے لگے تھے۔
چنانچہ اس کے بعد ہی جو سورۂ انعام نازل ہوا اس میں حضرت موسیٰؑ و ہارون
علیہما السلام کا مکرر تفصیلی ذکر (۱۰/۶ تا ۹۲) کرنے کے بعد ہمعصر یہودیوں پر جان
بوجھ کر اختلاف و انکار کرنے (۹۱/۶) کا الزام لگایا گیا اور ان حضرت کے نبی
موعود ہونے کا مکرر اطمینان (۹۲/۶ میں) دلایا گیا کہ فان کنت فی شکٍ مما
أنزلنا الیک فسئل الذین یقرؤون الکتٰب من قبلک اس سے بھی
اس گمان کی تائید ہوتی ہے کہ ایک یا زائد یہودی اور نصرانی اسلام قبول کر چکے
تھے اور وہ توریت و انجیل کی نبی موعود کے متعلق پیشینگوئیوں کا مصداق آنحضرت
کو تسلیم کر رہے تھے۔ اس کے بعد ہی سورۂ ہود (۱۱/۱۱) نازل ہوا۔ جان بوجھ
کر آں حضرت کا انکار کرنے کا الزام اس میں پھر دہرایا جاتا ہے (۱۱/۱۱)
اسی اثنا میں حضرت موسیٰؑ کی کتاب "یا تحف" کو آسمانی وحی تسلیم کرنے سے
ایک نیا مسئلہ پیدا ہو رہا تھا اور اس کا جواب بھی ملتا جا رہا تھا۔ یہودیوں کی مقدس
کتاب میں انبیائے سلف کے حالات کثرت سے ہیں جن میں سے بعض میں ان
کا کردار واقعاً نادرست شرمناک نظر آتا ہے۔ ایک طرف قرآن ہر دور ان انبیاء
کے نام یا حالات بیان کر کے ان کو مطمئن انسان قابلِ تقلید و نمونہ شخصیتیں
اور خدا کے برگزیدہ اور صالح ترین بندے قرار دے رہا تھا بلکہ مسلمانوں
کو اب بھی ان کی تعلیم و سیرت کی اقتداء کا حکم دے رہا تھا (فبھدٰھم اقتدہ
۹۰/۶) اور دوسری طرف انھیں انبیاء کے حالات جو اہل کتاب یعنی یہودیوں کے ہاں
لکھے ہوئے ملتے تھے ان سے جا بجا گمان آتی تھی۔

Marfat.com

یہودی قوم کی طرح اصل میں یہود کی مقدس کتاب کی سرگزشت بھی دردناک رہی۔ کبھی تو غیر ملکی حملہ آوروں کی مذہبی ایذا رسانیوں میں یہ کتاب بار بار دنیا سے ناپید ہوئی اور صدیوں بعد محض انفرادی حافظوں سے کام لیا تو نہیں جزءً بحال ہوئی ہے (متعدد ابواب کا دوسرے ابواب میں اب محض حوالہ ملتا ہے اصل ناپید ہیں) کبھی نیک نیتی سے احبار تصحیح کیا کرتے ہیں کہ تصحیف کرتے ہیں اور بکف چراغ داشتہ کبھی پرانے رسم الخط اپنی غیر ترقی یافتہ صورتوں میں غتربود کر دیا اور قسم کی ناخواستہ غلطیوں کا باعث بنتے ہیں۔ کبھی اعتداد زمانہ سے قلمی نسخوں کی سیاہی ہی مٹ کر مفہوم کو کچھ سے کچھ کرتی ہے۔ اور یہ سب باتیں اب خود یہودیوں میں مسلم ہیں۔ اور ہم شاید ایک مزید امر کا ذکر کر سکتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات پر یہودیوں میں تخت سلطنت کے لئے خانہ جنگی ہوتی ہے اور ہر فریق دوسرے کی عیب جوئی کرتا ہے

یربعام نامی سردار حضرت سلیمانؑ کا سزا یافتہ اور دشمن تھا اور شیشک سے وہی آپ کے بعد یہودیوں کے بارہ میں سے دس قبائل کا بادشاہ بن جاتا، ارتداد اختیار کرتا اور بت پرستی کو رائج کرتا ہے (حضرت سلیمان کے فرزند اور ولی عہد کو صرف دو قبائل کی حکومت پر اکتفا کرنی پڑتی ہے)۔ اگر یربعامی ملاعنے کی تالیفوں میں حضرت سلیمان اور ان کے والد و غیرہ پر صریح بہتان ہوں تو کیوں قابل حیرت ہو ؟!

اب قرآن مجید یہود پر ایک مزید انعام و احسان الٰہی ثابت ہوتا ہے۔ اور وہ یہودی کتاب مقدس میں انسانی عناصر سے جو خرابیاں پیدا ہوئی تھیں

Marfat.com

ان کو دور کرتا اور ان کے انبیاء کی سیرت کو نکھارتا اور کذب و افترا سے پاک کرتا ہے۔ گزشتہ چند صدیوں میں قرآن کی تائید کا قدرتی سامان بھی ہو گیا ہے۔ مختلف مقاموں سے توریت کے مخطوطے برآمد ہو رہے ہیں اور ابتدائی مطبوعہ نسخوں سے ان کا مقابلہ کرنے پر تحریف، سہو، حذف و اضافہ سب ہی قسم کی ایک دو نہیں ہزارہا غلطیوں یا اختلافات کا پتہ چل رہا ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں جہاں ہٹلر یہودیوں کے حق میں بخت نصر ثانی ثابت ہوا وہیں خود فلسطین میں یہودیوں کو تاراج قدیم ترین توریت چند عرب بدویوں کی مہربانی سے ایک پرانے کھنڈر میں مٹی فون لیکن محفوظ ملی ہے۔ یہ سنہ عیسوی کے آغاز یا اس کے لگ بھگ زمانے کا لکھا ہوا مخطوطہ ہے اور ابتدائی قراءت ہی میں مروجہ توریت کی متعدد مقامات پر اہم تصحیح کرتا پایا گیا ہے۔ اگر اسے دیانتداری سے ایڈٹ کیا گیا تو توقع ہے انبیائے اہل کی اسی دنیا میں کچھ اور تنزیہ ہو جائے۔ یہودیوں کے اندرونی اختلافات اور جان بوجھ کر انکار وغیرہ کا سورۂ ہود (۱۱) کے بعد سورۂ حٰمٓ سجدہ (۴۱) میں بھی ذکر ہے اور سورۂ شوریٰ (۴۲) میں بھی اور سورۂ جاثیہ (۴۵) میں بھی۔ ہر جگہ یہودیوں کے انبیاء کی تعریف و توصیف اور یہودیوں پر خدا کے انعام و احسان کا بار بار ذکر ہے۔ حتیٰ کہ آخر الذکر آیت سورۂ جاثیہ نے تو حد کر دی کہ:-

| | |
|---|---|
| ولقد آتینا بنی اسرائیل الکتٰب | ہم نے بنی اسرائیل کو دی کتاب اور |
| والحکم والنبوۃ ورزقنٰھم من الطیبٰت | حکمت اور نبوت اور کھانے کو دیں ستھرے |

Marfat.com

وفضلنٰھم علی العٰلمین واٰتینٰھم بینٰتٍ من الامر فما اختلفوا الا من بعد ما جاءھم العلم بغیاً بینھم۔

بہترین چیزیں اور فضیلت دی ان کو تمام جہانوں پر اور دیے ان کو صاف صاف احکام و احکام۔ پھر اختلاف نہ کیا انھوں نے مگر علم حاصل ہونے کے بعد آپس کی نزاع و بغاوت کے باعث۔

---

پھر سورۂ احقاف (۴۶) نازل ہوتا ہے۔ اس میں کتاب موسیٰ اماماً ورحمۃ وھٰذا کتابٌ مصدق لساناً عربیاً (۴۶/۱۲) کہہ کر توریت کی تعریف کی گئی۔ اور قرآن کی اس کا حریف نہیں بلکہ مؤید قرار دیا۔ سورۂ انبیاء (۲۱/۴۸) میں جو قبل بعد میں نازل ہوا، توریت کو الفرقان و ضیاءً کے القاب دیے گئے ہیں۔

قرآن کی تبلیغی ضرورتیں تھیں کہ مذکورۂ بالا حکایاتی سوروں کے بعد پھر یکایک خالص عقائدی و توحیدی سورۂ فاطر (۳۵) نازل ہوتا ہے۔ جس میں قیامت سے انسانوں کو ڈرایا گیا ہے۔ اس کے بعد پھر مکرر حکایاتی سورۂ کہف (۱۸) نازل ہوتا ہے۔

ضرب المثلوں، کہانیوں وغیرہ کا منشا استدلال میں زور اور شگفتگی پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے سچ تو یہ ہے کہ ان قصوں کی ٹوہ میں پڑنا کہ اصحاب کہف کا زمانہ کونسا ہے، ان کی تعداد کیا تھی، ان کے نام کیا تھے، ان کا غار کہاں تھا وغیرہ قرآن کے موضوع بحث کے لئے جو انسانوں کی نصیحت و ہدایت ہے، کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ تاہم علوم انسانی سے فائدہ اٹھانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

Marfat.com

قصۂ موسیٰ و آب حیات پر (جس سے مچھلی زندہ ہوگئی) شائد یہاں کچھ بحث بے جا نہ ہو۔ اس طرح کا قصہ مختلف تمدنوں کی قومی روایتوں میں ملتا ہے۔ سکندر اعظم اور اس کے باورچی کی طرف بھی یہ قصہ منسوب ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی ہزار سال بعد کا واقعہ ہے۔ لیکن ایک قصہ جو عراق میں اینٹوں پر لکھے ہوئے کتب خانے میں ملا ہے اور جو حضرت موسیٰؑ سے قدیم تر مانا جا رہا ہے اس میں گلگامیش کی طرف بھی بعینہٖ یہی واقعہ منسوب ہے۔ قرآن مجید میں مثلاً عمران کا نام دو الگ شخصیتوں کے لئے آیا ہے۔ اسی طرح اگر موسیٰؑ کا نام بھی دو لوگوں کے لئے ہو تو کوئی امر مانع نہیں۔ سورۂ کہف (۱۸/۶۰ و ما بعد) میں موسیٰ اور طالبعلمانہ سفر کا جو ذکر ہے اس میں بہ ظاہر ایسی کوئی چیز نہیں ہے کہ وہ لازماً حضرت موسیٰؑ بن عمران (برادر حضرت ہارونؑ) ہی کا ہو۔ اس میں کوئی مانع نہیں کہ وہاں موسیٰ سے مراد گلگا موسیٰ ہی ہوں۔ (گلگامیش کے اس قصۂ آب حیات اور مچھلی کے دوبارہ زندہ ہونے کی تفصیل کے لئے دیکھئے جرمن رسالہ تسائت شریفت فیور اسیوریالوگی ۱۹۱۱ء) توریت میں بھی مچھلی زندہ ہونے کا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب نہیں ملتا۔

مکی دور کی ان سورتوں میں مندرجہ ایک اور چیز کے ذکر پر اس بحث کو ختم کیا جاتا ہے۔ سورۂ انعام (موجودہ تلاوتی ترتیب میں ۶ اور بہ لحاظ نزول ۵۵) میں اور پھر سورہ نحل (تلاوت ۱۶ نزول ۷۰) میں یہودیوں کی غذائی ممانعتوں کا ذکر ہے چنانچہ اول الذکر میں (۶/۱۴۶) ارشاد ہوا ہے کہ وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر" الآیہ اور آخر میں یہ ہے ذٰلک جزیناھم ببغیھم اور آخر الذکر سورے (۱۶/۱۱۸) میں مکرر اسی کو یاد دلایا گیا ہے کہ وعلی الذین ھادوا حرمنا ما قصصنا علیک من قبل وما ظلمنٰھم گمان یہ ہوتا ہے کہ

کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان غیر ضروری ممانعتوں کو منسوخ قرار دیا (۱۵۷)، تو یہودی نصیحت کرنے لگے اور جاہل اہل مکہ کو بھڑکانے لگے۔ اس پر خود یہودیوں کی سرزنش مناسب نظر آئی اور انھیں یاد دلایا گیا کہ وہ چیزیں جو ایک کفارے کے طور پر ان کے لئے ممنوع قرار دی گئی تھیں، فی نفسہٖ وہ ایسی نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ بے قصور عربوں اور مسلمانوں کو غذا کی پیدا کردہ ان نعمتوں سے محروم رکھنے کی کوئی وجہ نہیں۔

## نظر بازگشت

جیسا کہ ہم نے کہا، مکی دور کے سلسلے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور یہودیوں کے تعلقات پر ہمیں کوئی بیرونی شہادتیں یا واقعات نہیں ملتے۔ قرآنی تذکروں کی اندرونی شہادت کی مدد سے تعلقات کا جو ارتقاء اوپر دکھایا گیا، اس میں یہ صاف نظر آتا ہے کہ اسلام اور یہودیوں میں کبیدگی پیدا ہو گئی اور روز بروز بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ ایک آیت جو اگرچہ ایک مدنی سورے (۵/۳۳)، میں ملتی ہے لیکن جس کے متعلق بعض بیرونی شہادتوں سے تسلیم بھی کیا جاتا ہے کہ وہ مکی ہے اور ہجرت حبشہ کے وقت نجاشی کے نام جو نامۂ تعارف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا زاد بھائی جعفر طیار کو دیا تھا، اس میں بھی مندرج ہے، ایک عظیم کوشش کا آغاز معلوم ہوتی ہے کہ یہودی عیسائی عام اہل عرب سب ملت ابراہیمی پر مجتمع ہو جائیں یعنی:-

یا اھل الکتٰب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا یہ

یہ کوشش ہجرت مدینہ کے بعد اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ وہ عہد

Marfat.com

نبوی میں تو ناکام رہی مگر پیشکش موجود ہے۔ اس پر مزید بحث آگے ص۳۳۵ پر
کی دور کے متعلق ہمیں اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں ملی۔ اب مدنی دور
کا مطالعہ کرتا ہے جو اہم واقعات سے لبریز ہے۔

## صفحہ ۳۳۴ کا تتمہ

طبری وغیرہ مفسرین نے آیت لا اکراہ فی الدین کی تفسیر میں لکھا ہے
کہ زمانۂ جاہلیت میں انصار کا مدینہ منورہ میں رواج تھا کہ لاولد لوگ
منت مانتے تھے کہ ان کی اولاد زندہ رہی تو اسے یہودی بنا دیں گے بنو النضیر
کے اخراج کے وقت ایسے متعدد نوعمر عربی النسل یہودی بچے یہودیوں
کے پاس تھے اور اُن کو وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ انصار نے ان کو روک
لینا اور جبراً مسلمان بنانا چاہا تو رسول اکرم نے اسے خلافِ عہد سمجھکر
اجازت نہ دی۔

# یہودیوں سے تعلقات ہجرت کے بعد

(۲)

مدینہ طیبہ کا قدیم ترین نام طابت ملتا ہے۔ پھر طیبہ (بغیر تشدید کے)۔ اس کا ایک محلہ جو ابتداءً الگ گاؤں ہوگا، یثرب کہلاتا تھا یہ اب جبل احد کے جنوب مغرب میں بتایا جاتا ہے، جہاں پانی اور نخلستان کثرت سے ہیں۔ مدینہ بھی خاصا قدیم نام ہے۔ ممکن ہے یہودیوں ہی کے ایک مرکز کا نام ہو۔ بہرحال وہ زمانۂ اسلام میں مدینۃ النبی کے نام سے پورے عرب میں مشہور ہوا۔

اس بستی میں یہودی آبادی خاصی قدیم تھی۔ لیکن اس میں عربیت اتنی آگئی تھی کہ ان لوگوں کے نام اور گھریلو زبان بھی ٹھیٹ عربی ہو گئے تھے اور سماج بھی قبیلہ وار بن گیا تھا۔ لیکن اس میں بھی تنظیم تھی۔ ان کا ایک بیت المدراش تھا جو نیم عدالتی نیم علمی گویا دارالافتاء تھا۔ ان میں قبیلہ وار کنز بھی تھا یعنی وہ مال جو وہ اتفاقی قومی ضروریات کے لئے چندہ کر کے جمع کیا کرتے تھے۔ یہاں یہ امر تو خدا بے محل ہوگا کہ مدینے کے یہودیوں کی پوری تاریخ سے بحث کی جائے (جس کا مواد بھی کم ہے) یا مدینے پر یہودی اقتدار کے زمانے میں میں کے ایک تبع (حکمراں) کی حملہ آوری کی تحقیق کی جائے۔ لیکن بہرحال آج بھی مدینے کے جنوبی حصے میں وادی العقیق کے ایک پُر فضا مقام پر بئر عروہ سے متصل ایک پہاڑی پر یمنی خط مسند میں کئی کتبے اب (۱۳۹۶ھ) تک موجود ملتے ہیں جن میں لوگوں کے

ناموں کے سوا کوئی چیز نہیں۔ معلوم نہیں یہ کتبے کب کے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل مدینہ منورہ کی آبادی کے دو بڑے طبقے ہو گئے تھے بت پرست عرب اور یہودی۔ ان میں آپس میں بھی پھوٹ تھی اور نتیجہ یہ تھا کہ چند عرب اور چند یہودی قبائل ایک طرف اور باقی عرب اور باقی یہودی قبائل دوسری طرف حلیف کر چکے تھے اور ان میں وقتاً فوقتاً خونریزی بھی ہوتی رہتی تھی۔ ایسی آخری جنگ جو یوم بُعاث کے نام سے مشہور ہے، اتنی تلخ رہی تھی کہ اب اہل مکہ سے بھی اس میں شرکت کی کوشش ہونے لگی تھی اور ایسی ہی کوشش کے ایک وفد کے بہت عقب عمل میں آئی تھی۔

یہودی مدینے کی زراعت، تجارت اور صنعت پر چھائے ہوئے نظر آتے ہیں (صحیح بخاری ۲۷۴) مدنی عرب تو جن اسباب سے بھی اسلام کی طرف مائل ہوئے ہوں، ان یہودیوں کے لئے کوئی خاص ترغیب بظاہر نہ تھی۔ وہ ایک پرانا مذہب رکھتے تھے۔ اور اس پر وہ شدت سے دل بستہ تھے۔ اور ان کی دینی و دنیوی ضرورتیں اس سے بہرحال پوری ہو رہی تھیں۔ ان کی مالی و معاشی حالت بھی ہمسایوں سے اچھی تھی ان میں لکھنے پڑھنے کا رواج تھا۔ ان کے پاس ایک الہامی کتاب تھی اور اس طرح وہ ذہنی حیثیت سے بھی اپنے لئے یہ دوسروں پر ایک فوقیت محسوس کرتے تھے۔

بے شبہہ ان کی مذہبی روایتوں میں ایک آخری نبی کی بشارت اور پیشگوئی تھی۔ لیکن یہ کہنا دشوار ہے کہ وہ اس کے عربوں میں سے ہونے کی کس حد تک توقع کرتے تھے۔ البتہ اس کا پتہ چلتا ہے کہ بعثت نبوی کے وقت وہ

ایسے نبی کی آمد کا انتظار ضرور کر رہے تھے جیسا کہ یورپی مورخ بھی اب تسلیم کرنے لگے ہیں۔ مگر یہودی چاہتے تھے کہ اس نبی کی مدد سے خود حکمراں جماعت بر بنائے نسل بن جائیں اکرمکم عند اللہ اتقاکم کی عمومیت انھیں پسند نہ آسکتی تھی۔ لیکن خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ آنے اور پناہ گزیں مہاجرین مکہ کو بسانے کے نوری کام سے فارغ ہونے کے بعد یہودیوں کی طرف متوجہ ہونا ناگزیر تھا۔ مکی عہد کے اواخر میں توریت کی بشارتوں پر مدار دیا جاتا شروع ہو چکا تھا اور اب یکایک ہزاروں یہودیوں سے رات دن شہر کی گلیوں میں مڈبھیڑ رہتی تھی۔ ویسے بھی سیاسی اور دفاعی ضرورتوں سے جب تک شہر مدینہ کی اس تقریباً پچاس فی صدی آبادی سے سمجھوتہ نہ ہو، کوئی انتظام قابل اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔

سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۵۲۵ میں بنی قینقاع سے تعلقات کے سلسلے میں جو تبلیغی انداز ہے وہ قدیم ترین معلوم ہوتا ہے۔ اس میں ان کو آپ حلف دے دے کر پوچھتے تھے کہ "کیا توریت میں میری پیشینگوئی نہیں ہے۔ اگر تم قسم کھا کر کہو کہ نہیں ہے تو پھر تم سے کوئی مواخذہ نہیں۔ اسی مفہوم کا ایک مکتوب نبوی بھی ملتا ہے جو خیبر کے یہودیوں کے نام ہے۔ اس میں ان کو خدا کی نعمتیں یاد دلائی گئی ہیں اور توریت کی بشارتوں کے مصداق پر ایمان لانے کی دعوت یہی کہہ کر دی گئی ہے کہ اگر واقعی توریت میں ذکر نہ ہو تو پھر تم سے کوئی خصوصی مطالبہ نہیں۔ غالباً یہ مکتوب بھی اسی زمانے کا ہے اور خصوصی قاصد کے ذریعے سے خیبر بھیجا گیا تھا۔ مگر اس کا کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا۔ بلکہ مسلسل ایسے اتفاقات ہی پیش آتے رہے جن سے تعلقات کبیدہ سے

Marfat.com

کبیدہ سر ہی ہوتے چلے گئے۔

یہ تو ٹھیک طور سے معلوم نہیں کہ صحیفہ یعنی شہری مملکت مدینہ کا دستور جس میں یہودی بھی ساتھ شریک ہوئے اور جس کی تفصیل کے لئے کتاب عہد نبوی کا نظام حکمرانی جلد اول میں متعلقہ باب ملاحظہ ہو) کب مرتب اور نافذ ہوا۔ لیکن مورخ یہ صراحت کرتے ہیں کہ اس کی خلاف ورزی سب سے پہلے بنی قینقاع نے کی۔ واقعات کی پوری تفصیل تاریخوں نے محفوظ نہیں کی۔ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ۳ھ کے وسط میں ان یہودیوں نے زمانہ جاہلیت کی بعض گندہ عادتوں کے تحت ایک مسلمان عورت کی بے حرمتی کی جس پر کچھ کشت وخون ہوا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست یہ تھی کہ ہر چیز پر تبلیغ دین مقدم رہے۔ چنانچہ اس عہد شکنی اور فساد کے سلسلے میں بھی آپ نے ان کے پاس جاکر انھیں اسلام لانے کی دعوت دی۔ انھوں نے دو معلوم کیا کیا جواب دیا کہ بات بڑھ گئی اور مسلمانوں نے ان کے محلے کا محاصرہ کر لیا اور پندرہ دن کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غیر مشروط اطاعت پر اسے منظور فرمایا کہ یہ لوگ تین دن کے اندر مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں مگر ہتیار ضبط کر لئے گئے ان کے اخراج کی نگرانی کے لئے آں حضرت نے بروایت طبری ایک خصوصی افسر مقرر فرمایا تھا۔ ان کی تعداد سات سو بیان کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اذرعات وفلسطین جا بسے۔

یہاں دو ایک امور قابل ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ بعض بعد کے سالوں میں مدینے میں بنی قینقاع کے یہودیوں کا سلسلہ پتہ چلتا ہے (جیسا کہ آگے ذکر آئیگا)

معلوم نہیں آیا ان کے پورے قبیلے کی جلاوطنی ہوئی یا صرف چند کی۔ اگر سب کی ہوئی تو آیا بعد میں ان کے متعین افراد کو معافی دے کر اجازت عطا ہوئی کہ مدینے میں آ رہیں اور اپنی دست کاری یعنی سُنار کا کام انجام دیں۔ تیسرا امکان یہ ہے کہ جن مؤلفوں نے بعد کے زمانے میں ان کا ذکر کیا ہے، وہ کوئی سہو بیانی ہو کہ بنی قینقاع کے یہودیوں نے ۳ھ میں معرکۂ احد میں مسلمانوں کو (ابن سعد ۳۴/۱) اپنے تعاون کا پیش کش کیا۔ ۵ھ میں بنی قریظہ سے جنگ ہوئی تو بھی (مبسوط سرخسی ۱۰/۳۳ نیز الاصل للشیبانی) مسلمانوں کا ہاتھ بٹایا اور ۷ھ میں خیبر میں بھی مسلمانوں کو مدد دی اور انعام حاصل کیا (سنن کبریٰ بیہقی ۹/۵۳) مگر ایک بار سہو بیانی ہو گی۔ بار بار نہیں۔ بہرحال یہ لوگ زراعت پیشہ نہیں بلکہ دست کار تھے۔ ان کے رہنے کے مکانوں کی جگہ آج مدینہ منورہ میں چٹیل میدان کے سوا کچھ باقی نہیں۔ تاریخ میں سُوقِ بنی قینقاع کا بھی ذکر آتا ہے۔ غالباً یہ دستکاری کے علاوہ تجارت بھی کرتے تھے۔ انصار کے بعض قبائل کی بنی قینقاع سے تا حال دفاعی حلیفی تھی لیکن اب ان مسلمان انصار نے اس حلیفی سے دستبرداری دی۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پورا ساتھ دیا۔ البتہ ان کی اطاعت کے بعد یہ پاس حلیفی ان کے ساتھ نرمی کی سفارش ضرور کی۔ اس لڑائی میں دیگر یہودی ناطرف دار رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہودیوں سے معاہدہ اجتماعی نہ تھا بلکہ ہر ہر یہودی قبیلے کے ساتھ انفرادی طور پر ہوا تھا۔ دستور مدینہ کے معاہدے میں قینقاع کا نام بھی نہیں ہے بلکہ ان کی بھی ہر شاخ کا الگ الگ نام ہے۔ یہ تک نہیں معلوم ہوتا کہ دستور مدینہ میں مذکوران قبیلوں

Marfat.com

میں سے کونسے بنو قینقاع کے ہیں، کونسے بنو النضیر کے اور کونسے بنو قریظہ کے۔

یہودیوں میں آپس میں جتنی بھی پھوٹ رہے، غیروں کے مقابلے میں وہ اپنوں کی پچ بہت کرتے ہیں۔ بنی قینقاع کی جلاوطنی کے بعد مدینے کے باقی یہودی اسلام اور مسلمانوں سے دل ہی دل میں کھٹک گئے ہوں تو بعید نہیں لیکن دو سال تک ان کے سلسلے میں کوئی قابل ذکر حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ گمان کیا جا سکتا ہے کہ آں حضرتؐ ان میں تبلیغ کرتے رہے ہوں گے اور مباحثہ مناظرہ بھی عام مسلمانوں سے ہوتا رہا ہوگا۔ اور معدودے چند کے سوا کسی نے اسلام قبول نہ کیا ہوگا۔ سورۂ بقرہ ہجرت کے بعد نازل شدہ پہلی سورت سمجھی جاتی ہے۔ اس میں شروع سے آخر تک بنی اسرائیل ہی کا قصہ ہے اور ان مباحثوں کو گویا جیتا جاگتا تذکرہ ہے۔ ان کو خدا کی وہ نعمتیں یاد دلائی جاتی ہیں جو پے در پے ان پر ہوتی رہیں۔ ان کی طرح طرح سے دلداری کی جاتی ہے۔ ان کے متعلق ایک ہی سورے میں دو دو مرتبہ صراحت کے ساتھ "فضلتکم علی العلمین" (قرآن ۲/۴۷ - ۲/۱۲۲) تک تسلیم کیا جاتا ہے۔ انہیں کی مذہبی کتابوں میں رسول عربیؐ کی آمد کی جو پیشین گوئیاں ہیں وہ انہیں یاد دلائی جاتی ہیں ان کے تمام انبیاء کو مسلمانوں کے بھی انبیاء تسلیم کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ کہنا چاہیئے کہ انہیں ایک بنیادی مذہب کے (جو اصل تکمیلی معتقدات پر مبنی تھا) قبول کرنے میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے کہ "مسلمان اور یہودی اور عیسائی اور صابی سب اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائیں اور عمل صالح کرتے رہیں" (قرآن ۲/۶۲ نیز ۵/۶۹) لیکن "آساں نہیں مسلماں ہونا" پھر بھی ابھی ہمارے اس پیکر استقلال صلی اللہ

علیہ وسلم کو ان سے بالکل ہی مایوسی نہیں ہو گئی ہو گی۔

اس اثناء میں بیت المقدس کی جگہ کعبے کو مسلمانوں نے اپنا قبلہ بنا لیا۔ یہودی اس پر بھی بھنّائے ہوں گے۔

بنی قینقاع کے واقعے کو چند ہی مہینے گزرے تھے کہ احد کا معرکہ پیش آیا، جس میں قریش کے ہاتھوں مسلمانوں کو سخت نقصان پہونچا اور اسلامی حکومت ختم ہوتے ہوتے رہ گئی۔ یہ معلوم کرنا دشوار ہے کہ اس میں یہودیوں کا کتنا ہاتھ تھا[1] لیکن ابن کثیر وغیرہ سے اس کا ضرور پتہ چلتا ہے کہ جنگ بدر کے بعد کعب بن الاشرف نامی ایک یہودی (جس کی ماں بنو النضیر کے قبائل سے تعلق رکھتی تھی) قریش کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی خفیہ دعوت دیتا اور اپنی مدد کا یقین دلاتا رہا۔ گمان غالب ہے کہ یہ بنو قینقاع کے حادثے کے بعد کا واقعہ

---

[1] دستور مدینہ کے تحت یہود کا فریضہ تھا کہ بیرونی حملہ آور کی دفاع میں برابر کا حصّہ لیتے مگر عام یہودی نہ صرف یہ کہ مدد نہیں دیتے بلکہ منافقوں کے تین سو کے دستے نے (جو پوری اسلامی فوج کا ایک تہائی تھا) عین وقت پر خذل کر کے اور دغا دے کر مسلمانوں میں ہراسانی ہی پھیلانی چاہی تھی۔ ان میں کچھ یہودی بھی ہوں گے۔ ان پر یہودی اثرات تو ناقابل انکار ہیں۔ شاید یہی وجہ ہو گی کہ امام زہری کے مطابق۔ (دیکھو ابن کثیر ۴/۱۴) :—

"انصار نے رسول اللہ سے اُحد کے موقع پر اپنے حلیف یہودیان مدینہ سے مدد لینے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے فرمایا کہ نہیں۔ ہمیں ان کی حاجت نہیں"۔

بنی قینقاع میں اشتباہ ہے کہ یہاں وہی مراد ہیں یا کسی دوسرے قبیلے کے۔

Marfat.com

حکومت اسلامیہ کی خبر رسانی کا نظام قابل رشک تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سازباز کی اطلاع ہو گئی اور مسلمان مورخ صراحت سے تسلیم کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے روانہ کردہ کارندوں نے اس غدار باغی کو دنیا سے رخصت کر دیا۔

کعب بن الاشرف اپنی عاشق مزاجی کے لئے بدنام تھا۔ اس کروڑپتی کا اپنی دولت کو اس سلسلے میں لٹانا عربوں ہی میں نہیں، یہودیوں میں بھی اس کے خلاف غم و غصے کے جذبات بھڑکاتا رہا ہوگا۔ چنانچہ اس کے قتل پر کوئی ردعمل مدینے کی یہودی آبادی میں نہیں ہوتا۔ کعب کا شاندار محل نہ معلوم کتنا پرتکلف رہا ہوگا۔ آج بھی اس کے کھنڈر مدینے کے جنوب میں سیاح کو متاثر کر دیتے ہیں یہ قصر ایک اچھا خاصا قلعہ ہے۔ محاصرے کی صورت میں اس کے اندر پانی کا انتظام ہے اور صرف ایک کنواں ہی نہیں بلکہ ایک شاندار حوض بھی جس کے کئی حصے ہیں اور ایک دوسرے میں نلکوں (پائپ) کا اتصال ہے۔ بظاہر پانی کی صفائی کا انتظام تھا۔

صحیفۂ مدینہ میں یہودیوں سے علاوہ دفاعی حلیفی کے سماجی بیمے میں شرکت کا بھی اقرار تھا یعنی اگر کوئی خوں بہا ہرجانہ دینا ہو تو تعاون کیا جائے گا معرکۂ اُحد کو چند مہینے گزرے تھے کہ ۴ھ میں ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ معمولی وسائل سے توجہ دہانی کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود متعلقہ قبائل یعنی بنو النضیر کی بستی میں بعض اکابر صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے اور صورتِ حال سے آگاہ کر کے معاہدانی فرائض یاد دلائے۔ اُنہوں نے

مال مٹول کی اور انتظار کرایا۔ دھوپ تیز ہونے لگی تو مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی گڑھی کے سائے میں جا بیٹھے یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے کہ گڑھی پر سے چکی کے پاٹ گرا کر کعب بن الاشرف وغیرہ کا انتقام لیا جائے (تاریخ نے مدینے وغیرہ میں اور بھی اس طرح کے یہودی حوادث کا ذکر کیا ہے) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چل گیا اور آپ اس طرح وہاں سے چلے گئے کہ شبہ نہ پیدا ہو۔ لیکن یہ اعلانِ جنگ تھا۔

چنانچہ بنوالنضیر کی گھنے نخلستان سے گھری ہوئی بستی کا محاصرہ کیا گیا جو مدینے کے جنوب میں ہے اور جب کافی کشمکش کے بعد جس میں جنگی ضرورتوں سے ان کے نخلستانوں کا کچھ حصّہ بھی (حسب بیان قرآن) کاٹ کر صاف کرنا پڑا تھا، اُنھوں نے اطاعت قبول کی تو ان کے ساتھ کافی رعایت کی گئی۔ ہر شخص کو ایک ایک اونٹ سامان لے کر مدینے سے چلے جانے کی اجازت دی گئی۔ ہتھیار اس سے مستثنیٰ تھے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ انہوں نے سَر زوری دکھائی اور گاتے بجاتے اس طرح مدینے سے گئے گویا فتح انہیں کی ہوئی ہے۔ اُنہوں نے گھر اور باغ تو بے شک چھوڑے لیکن اثاث البیت میں سے دروازے اور چوکھٹ تک اُکھاڑ لے گئے اور وعدے کی فیاضانہ تعبیر کے باعث آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سب کو روا رکھا (طبری صفحہ ۱۴۵۲)

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بنوالنضیر نے جلاوطنی کے حکم پر توجہ دلائی کہ ان کے قرضے مقامی باشندوں سے وصول طلب ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ضعوا وتعجلوا" (رقم کچھ گھٹا کر میعاد سے قبل بے باق کرالو)

(سرخسی سیر کبیر ۳/۲۲۶) ان کو باوجود دشمن ہونے کے حق تھا کہ اپنے قرضے وقت پر واپس پائیں۔ تعجیل ادا کے لئے مدیونوں سے کوئی نیا راضی نامہ کرلینے کا انہیں اختیار تسلیم کیا گیا۔ ان کی جائداد غیر منقولہ جو صلحاً ہاتھ آئی تھی حکومت کی ملکیت ہوگئی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کچھ تو اپنے صرف خاص کے لئے رکھا اور باقی کو انصار کی اجازت لے کر صرف مہاجرین میں تقسیم فرمایا۔ بجز دو غریب انصاریوں کے اور دو نومسلم نضیریوں کے جائداد انہیں کو واپس دیدی گئی (طبری صفحہ ۱۴۵۴) بخاری نے کتاب البیوع میں ایک حدیث لکھی ہے کہ یہودیوں کو جلاوطن کرتے وقت آں حضرت نے انہیں اجازت دی کہ اپنی زمینیں فروخت کردیں مگر کوئی مزید تفصیل نہیں لکھی معلوم نہیں کب کا واقعہ ہے۔

ایک ذیلی تفصیل یہ ہے کہ بنو النضیر کے محاصرے کے وقت اسلامی پڑاؤ ایسے مقام پر ڈالا گیا جو بنو النضیر اور بنو قریظہ کی بستیوں کے مابین تھا۔ منشا ظاہر ہے کہ یہ تھا کہ آخر الذکر کی خفیہ جنگی امداد کا ممکنہ انسداد کیا جائے۔ اس اسلامی میں پڑاؤ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کی جگہ آج بھی ایک یادگار مسجد فضیخ موجود ہے۔ یہ خیمہ لکڑی کا تھا تاکہ تیروں سے محفوظ رہے (سیرۃ شامیہ)

یہ خیال کرنا معقول ہے کہ اسلام اور یہودیوں کے تعلقات اب بہت گشیدہ ہوگئے تھے اور یہ کہ تبلیغ اسلامی کی کوششوں پر اب یہودی ردعمل اخلاق و تہذیب سے بھی گرتا جارہا ہوگا۔ مسجد نبوی کے وعظوں میں ان کے برگشتہ نوجوانوں کا آکر دل کے پھپھولے پھوڑنا اور "السلام علیک" (تجھ پر سلامتی) کی جگہ "السام علیک" (تجھ پر موت) یا راعنا (ہم پر توجہ یا رعایت کر) کی

Marfat.com

جگہ زبان موڑ کر غالباً "راعینا" (ہمارا چرواہا) کہنا اور دل ہی دل میں خوش ہوتا کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح توہین کی کہ انہیں یا کسی کو خبر بھی نہ ہونے پائی اور اسی طرح کی طفلانہ حرکتیں سرزد ہونے لگیں وہ خود دین اسلام کا بھی طرح طرح سے ٹھٹول کرنے لگے (قرآن ۵/۵۷) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہودی کرانہ فروشوں سے غلہ اُدھار بھی خرید فرمایا کرتے تھے ان میں سے بھی بعض لوگ گستاخی اور بدزبانی سے پیش آتے۔ لیکن آپؐ کا خلق عظیم ایک نمونہ تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی صحابی نے "السام علیک" پر آپ کی توجہ منعطف کرائی تو آپؐ نے کہا ہاں میں ان کو جواب میں "وعلیک" (اور تجھ پر بھی) کہہ دیتا ہوں۔ "راعنا" کے سلسلے میں قرآن نے (۲/۱۰۴) مسلمانوں کو تعلیم دی کہ وہ ایک مترادف لیکن دوسرا لفظ "اُنظرنا" استعمال کیا کریں تاکہ یہودیوں کو ایک مروّج محاورے سے بیجا فائدہ اُٹھانے اور خفیہ گستاخی کرنے کا موقع نہ رہے (علانیہ کی ظاہر ہے کہ انہیں کیا جرأت ہوتی) کرانہ فروش کے واقعہ میں مورّخ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ آپے سے باہر ہو گئے تھے۔ لیکن جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کے حق سے زیادہ ہی رقم قرض کی ادائی میں دلا کر رخصت کیا۔ دین کی ٹھٹول پر بھی اپنی وسعت قلبی سے جوابِ جاہلاں باشد خموشی سے زیادہ کچھ نہ کیا۔

البتہ قرآن مجید کی تازہ وحیوں میں یہود کے متعلق انداز بیان درشت تر ہوتا چلا گیا۔ ان پر ایک مذہبی کتابوں میں تحریف کرنے (۵/۴۱-۴۷) پیمبروں کی خاطر جوٹے خلاف شرع فتوے اپنی ملت والوں کو دے کر انہیں گمراہ کرنے (۲/۷۹) سود خواری و حرام خوری (۵/۶۲) توریت کے احکام کو علی العموم پس پشت

Marfat.com

ڈالنے (۲/۱۱) اور اپنے انبیاء تک کو بہ کثرت قتل کرنے (۲/۱۱) وغیرہ کے ان پر الزام لگائے گئے۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی زبانی ان پر لعنت کے لئے جانے (۵/۷۸) اور دیگر مماثل امور کا ذکر کرکے کہ گویا مسلمانوں کو تشفی دی جانے لگی کہ یہ قوم سدا سے ایسی ہی رہی ہے۔ اس کے ایمان نہ لانے سے دلگیر نہ ہونا اور یہ کہ ان گمراہیوں اور کفر ہی کے باعث ان پر ذلت اور مسکنت یعنی غریب الوطنی کا عذاب صدیوں سے نازل ہے۔

لیکن ان روز افزوں سیاسی کشیدگیوں کے باوجود ان کی کسی حق بات سے انکار نہیں کیا گیا۔ ہمیشہ اور آخر تک یہی کہا جاتا رہا کہ توریت ایک ہدایت اور ایک خدائی کتاب ہے۔ یہودیوں کو اس کی کامل تعمیل کرنی چاہئے۔ (۵/۴۴، ۵/۶۸) یہودیوں اور دیگر اہل کتاب کا ذبیحہ اور پکوان نیز ان کی لڑکیوں سے نکاح مسلمان کے لئے جائز قرار دیا گیا (۵/۵) جن چیزوں میں راست وحی کے ذریعے سے قانون سازی نہ ہوتی تو مسلمانوں کو یہود وغیرہ اہل کتاب کے عمل کے پابند رہنے کا حکم دیا گیا جہاں قرآن میں اس کا نظری حکم ہے (فبھداھم اقتدہ) وہیں بخاری و ترمذی میں (مثلاً بالوں کی مانگ نکالنے کے سلسلے میں) نظائر بھی موجود ہیں اور صریح تر حکم بھی ہے۔

بنو النضیر کو اپنی جلاوطنی پر بڑا دکھ ہوا۔ وہ خیبر جاکر بسے اور وہاں کے سردار و سربرآوردہ لوگ بن گئے۔ لیکن ان کی ساری توانائیاں صرف انتقام کی تیاری میں خرچ ہونے لگیں۔ انھیں کے وفد ایک طرف مکہ جاکر قریش کو مدینے پر حملے کے لئے اکساتے اور اپنی مدد کا اطمینان دلاتے

ہیں تو دوسری طرف غطفان وفزارہ کے لٹیرے قبائل کو بھی مدینے پر حملے اور لوٹ کی چاٹ دلاتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ احزاب کا معرکۂ خندق میں مدینے کا محاصرہ کرنے آنا ان یہودیوں ہی کی کوشش کے باعث تھا۔

مدینے کا معاشی مقاطعہ اور مدینے جانے والے قافلوں کو دوستہ الجندل وغیرہ میں ہراساں کرنا بھی انہیں کے اثرات کی غمازی کرتا ہے۔ خندق کے محاصرے کے دوران میں بنو قریظہ کے یہودی جو ابھی مدینے میں تھے حُیی بن اَخطب وغیرہ ان نضری یہودیوں ہی کے ورغلانے سے دغابازی پر آمادہ ہوئے تھے۔ اور خندق کی معرکہ آرائی کے بعد بھی یہ مایوس ہوئے بغیر اپنی سازشوں میں لگے رہے۔

شوال ۵ھ میں قریش و احزاب نے مدینے کا محاصرہ کیا۔ پیشگی اطلاع مل جانے کے باعث آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدافعت کے لئے شہر کے کھلے حصّے میں خندق کھدوائی تھی۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس میں بنو قریظہ نے ستّر، پھاوڑے کدال وغیرہ اوزار مسلمانوں سے مستعار دیئے تھے۔ (مغازی واقدی۔ مخطوطہ برٹش میوزیم صفحہ ۱۰۲ ب) لیکن ان کی کسی عملی مدد کا پتہ نہیں چلتا بلکہ محاصرے کے آخری زمانے میں اُنہوں نے دغا کی تیاری بھی کی[1] اور صاف صاف پرانے عہد و پیمان کے ختم ہو جانے کا اعلان کیا۔ مسلمان عورتیں بچّے جن گڑھیوں میں پناہ گزیں ہوئے تھے وہاں یہ منڈلانے اور بدنیتی سے مواقع تلاش کرنے لگے۔ بہرحال مسلمانوں کی زبردست سفارتی اور سیاسی

[1] ایک رات خدشہ تھا کہ یہ سچ مچ حملہ کر بیٹھیں گے آں حضرتؐ نے پانچ سو سپاہی بھیجے جو رات بھر ان کی بستی کے پاس تکبیریں لگاتے رہے اس سے یہ ڈر گئے (زرقانی)

Marfat.com

جدوجہد کے باعث ان میں اور احزاب میں ایکا نہ ہونے دیا گیا اور جب قریش وغیرہ محاصرہ اُٹھا کر چلے گئے تو انہیں غداری کا وبال چکھنا ناگزیر تھا۔ ان کی بستی کا مسلمانوں نے محاصرہ کیا۔ اس میں شہر کے دیگر یہودیوں نے بھی مسلمانوں کی مدد کی۔ خاص کر بنو قینقاع کے باقی ماندہ یہودیوں نے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا معلوم ہوتا ہے کہ بنو قریظ کے سلوک سے یہ یہودی نالاں تھے۔ کافی مدت کے بعد قریظ والوں نے ہتھیار ڈالے اور اسے منظور کیا کہ ان کے سابق انصاری حلیف ان کے متعلق جو فیصلہ کریں وہ نافذ کیا جائے۔ بنو النضیر کے حلیفوں نے جاں بخشی کرائی تھی۔ بنو قریظ کے حلیف ان کے پچھلے برتاؤ سے ناراض ہوں گے۔ اُنھوں نے حکم دیا کہ توریت میں مفتوح دشمن کے ساتھ جو برتاؤ کرنے کا یہودیوں کو حکم ہے، وہی برتاؤ ان یہودیوں سے کیا جائے رحمۃ للعلمین مجبور ہو گئے اور حکم دیا کہ تمام بالغ مرد قتل کر دیتے جائیں اور عورتوں بچوں کو غلام بنا کر ان کی پوری جائداد کو غنیمت بنا لیا جائے۔ عورتوں کو قتل اسی لئے نہیں کیا جاتا کہ وہ لڑتی نہیں ہیں ورنہ اسی معرکے میں ایک یہودی عورت نے ایک گڑھی کے اوپر سے کچھ چکی کے پاٹ نیچے گرائے جس سے ایک انجان مسلمان سپاہی شہید ہو گیا۔ اس جنگی جرم کی سزا میں اس عورت کو بھی گرفتاری کے بعد سزائے موت دی گئی۔ (سیرت ابن ہشام)

مالِ غنیمت میں سے حکومت نے اپنے حصّے کی لونڈیوں کو ہراج کر کے اس کی آمدنی سے بروایتِ سیرت شامی شام اور نجد کے بازاروں میں اسلحہ اور گھوڑے خریدے۔ زمینیں، مکان، باغ وغیرہ جائداد غیر منقولہ عام سپاہیوں میں بانٹ دی گئی۔ (بلاذری)

Marfat.com

اب مدینے میں یہودی بہت کم رہ گئے۔ ان کی شرارتیں کم ہو گئیں تو اسلامی حکومت کا برتاؤ بھی ان کے ساتھ انتہائی مرحمت کا ہو گیا۔ ان کے غریب قبائل کو سرکاری خزانے سے روزینے مقرر ہو گئے (جیسے بنو عُرَیض۔ مدینہ منورہ میں احد پہاڑ کے مشرقی سرے پر اب بھی ان کی بستی مسجد عریض کے نام سے موجود نظر آتی ہے) ان کو شہر میں تجارت و حرفت کی پوری آزادی رہی حتیٰ کہ خود رسول اکرمؐ کی ایک زرہ کرانہ اُدھار لینے کے باعث ایک یہودی کے پاس گروی تھی اور اسی حالت میں آپؐ نے وفات پائی تھی۔ یہودی ہمسایوں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدارات کرتے اور بنفسِ نفیس ان کے بیماروں کی عیادت کرتے۔ ان کے جنازے گلیوں میں سے گزرتے اور آپؐ بیٹھے ہوئے ہوتے تو موت کے خدائی فعل کے احترام میں اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے۔

بنو قریظہ کے خاتمے پر خیبر کے بنو النضیر وغیرہ کی آتش غضب اور بھی بھڑک اٹھی۔ سرخسی (شرح سیر کبیر ۱/۲۰۱) کے مطابق ان میں اور مکے والوں میں یہ معاہدہ ہو گیا تھا کہ اگر اب مسلمان انسدادی مہم کے لئے مکے کی طرف جائیں تو خیبری اور اگر خیبر کی طرف جائیں تو مکی لوگ مدینے پر (جو فوجوں سے خالی رہے گا) چڑھ دوڑیں اور شہر کو لوٹ لیں اور اگر کسی طرف بھی نہ جا کر مدینے میں رہیں تو وسیع تر تیاریوں سے خندق ثانی کا انتظام ہو رہا تھا۔

سیاست کاری کے شہ کار صلح حدیبیہ نے اس حلیفی کا خاتمہ کیا اور قریشی اور خیبری محور ٹوٹ گیا اور جب خیبر کی مہم میں اس طرح قریش کی نا طرفداری کا یقین ہو گیا تو مہینے بھر بعد ہی محرم ۷ھ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

خیبر کا محاصرہ فرما لیتے ہیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ مہم خیبر کی تیاریاں دیکھنے کے یہودیوں پر شاق گزریں مگر وہ اس کی راز میں اطلاع خیبر کو دینے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ امام ابو یوسف کے بیان کے مطابق تو بنی قینقاع نے آں حضرتؐ کی مدد کی اور مال غنیمت سے انعام پایا (رد علی سیر الاوزاعی صفحہ ۴۰ و تعلیق سنن کبریٰ بیہقی ۹/۵۲) میں ان یہودیوں کی تعداد صرف دس بیان ہوئی ہے بہر حال کافی جمعیت مدینے میں رہی اور پندرہ سو جانباز خیبر گئے۔ خزارہ و غطفان خیبر کے حلیف تھے۔ راستے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ناظر فدار رہنے کا حکم دیا۔ مدینے کے کھجور کا لالچ بھی دیا جو بے سود رہا۔ اور جب انھوں نے زمانا تو فوجی نقل و حرکت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی تبدیلی کی کہ ان عرب قبائل کو اپنی بستیوں اور بیوی بچوں کی حفاظت ہی ضروری ہو گئی اور خیبر کی پوری معرکہ آرائی میں پھر انھوں نے کوئی حرکت نہ کی (یہ لالچی خیبر کی فتح کے بعد اپنا حصّے یا انعام مانگنے بھی بے غیرتی سے گئے مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈانٹ کر انہیں رخصت کر دیا جیسا کہ شامی نے لکھا ہے)

خیبر کا معرکہ بڑا سخت تھا۔ آتش فشاں لاوں سے پٹے ہوئے دشوار گزار میدانوں میں جہاں جہاں کچھ زمین قدرتی آگ کی دستبرد سے بچ گئی تھی وہ زرخیز بھی تھی اور پانی کی وہاں افراط بھی۔ وہاں عظیم الشان نخلستان اب بھی ہیں اور یہودی دور کے شکستہ پرانے تالاب بھی۔ یہاں پہاڑیوں پر سات قلعے بھی تھے۔ اور یقیناً پوری بستی بیس پچیس مربع میل سے کم رقبے پر مشتمل نہ رہی ہو گی۔ ان قلعوں میں سے ایک جو حصن مرحب تھا کھنڈر ہونے

Marfat.com

کے باوجود آج بھی سعودی گورنر کے لئے رہائش فراہم کرتا ہے اور وہاں سے پورے شہر کا طائرانہ نظارہ ہوتا ہے۔ سد الحصید کا تالاب بھی اچھی حالت میں باقی ہے۔

خیبر کی دولت مندی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ قریش نے زمانہ جاہلیت میں شادیوں کے موقع پر انہیں سے زیورات کرائے پر لیا کرتے تھے اور ایک مرتبہ ضائع شدہ زیور کا ہرجانہ دس ہزار دینار ادا کیا تھا (شرح سیر کبیر ۱/۱۲۲)

یکے بعد دیگرے یہ قلعے فتح ہوتے گئے اور بعض کی فتح میں مقامی یہودیوں نے بھی مدد دی۔ چنانچہ شامی کی روایت میں حصن الزبیر کے ایک زینہ میں دو زرہوں کا پتہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک یہودی ہی سے ملا جس سے قلعہ آسانی سے فتح ہو گیا۔ مغازی واقدی (ورق ۱۰۱) میں ہے کہ محصور یہودی اپنے قلعوں پر سے مسلمانوں پر منجنیقوں سے سنگباری بھی کیا کرتے تھے۔ منجنیق کا مال غنیمت آئندہ جنگوں میں مسلمان سپاہی طائف وغیرہ کے خلاف استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔ یہاں بھی گڑھیوں کے اوپر سے چکی کے پاٹ گرا کر ایک مسلمان کی شہادت کا ایک واقعہ پیش آیا تھا (شرح سیر کبیر ۱/۱۲۲)

دوران محاصرہ میں کسی یہودی کا ایک غلام (جو چرواہا تھا) آ کر مسلمان ہو گیا اسلامی قانون کے مطابق وہ فوری آزاد ہو گیا۔ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ اپنے آقا سے خیانت نہ کرنا۔ چنانچہ وہ جانوروں کے گلے کو ہانکتا ہوا اپنے آقا کے قلعے کے قریب تک گیا پھر للکار کر جانوروں کو بھڑکا دیا۔ وہ عادت کے مطابق خود ہی اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اور یہ دیانتدار غلام دوبارہ اسلامی پڑاؤ میں آ گیا۔

شدید کشمکش کے بعد آخر سب قلعوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ان سے معاہدہ یہ ہوا کہ جسم پر کے لباس کے ساتھ مع بیوی بچوں کے ایک اونٹ دو گوش وہ وہاں سے جہاں ان کے سینگ سمائیں چلے جائیں (بلاذری صفحہ ۳۳)

اس علاقے میں کوئی اسلامی آبادی نہ تھی اور یہودی آبادی کے فوری اخراج پر بستی اُجڑ جاتی، باغ ویران ہو جاتے اور غلّے کی پیداوار رک کر ملک کی ضرورتوں میں دشواری ہی پیدا ہو جاتی۔ اس لئے خود یہودیوں کی خواہش پر آں حضرتؐ نے منظور فرمایا کہ تاحکم ثانی وہ خیبر میں رہیں اور اپنی زمینوں سے حسب سابق استفادہ کریں اور پیداوار نصفا نصف تقسیم ہو۔

بعد کے سالوں میں اسلامی تحصیلدار کا طرز عمل اس بٹائی میں اتنا منصفانہ ہوتا تھا کہ بے اختیار یہودی پکار اُٹھتے تھے کہ "اسی انصاف کے باعث زمین پر آسمان کھڑا ہے۔ ٹوٹ کر گر نہیں پڑتا" بٹائی کے سرکاری حصے سے آں حضرت نے جو دینے مقرر فرمائے اس کی دو دستاویزیں تاریخ نے محفوظ رکھی ہیں (ابن ہشام صفحہ ۷۷۵ تا ۷۷۶) اس میں ازواج مطہرات کے نام بھی ملتے ہیں۔ بی بی فاطمہ کا بھی۔ حضرت ابوبکر بھی ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ رشتہ دار بھی۔ بعض دیگر مردوں اور عورتوں کا بھی نام ہے اور مغازی الواقدی ورق ۱۵۸ کے مطابق داری اور اشعری لوگوں کے لئے بوقت وفات آپؐ نے اسی سے وصیت بھی فرمائی۔

صلح کے بعد مسلمان سپاہی یہودی باغوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس کی شکایت آئی تو آں حضرتؐ نے مسلمان سپاہیوں کو سخت تنبیہ فرمائی اور

Marfat.com

اور یہودی معاہد کنندوں کا مال ان کی مرضی یا اپنے حق کے بغیر لینا حرام بتایا (شرح سیر کبیر ۱/۹۲) اسی موقع پر حضرت علی کی رعایت میں متعہ (عارضی نکاح) اور گدھے کا گوشت مسلمانوں کے لئے حرام قرار دیا گیا۔ امتاع مقریزی (۱/۳۲۳) کے مطابق مال غنیمت میں سے توریت کے نسخے یہودیوں کو واپس کر دیئے گئے۔ صلح کے بعد ایک یہودی عورت نے آں حضرت کی ضیافت کر کے زہر دینے کی کوشش کی۔ آں حضرت نے اسے اقرار پر معاف کر دیا۔

معاہدے کے تحت ہتھیاروں اور سونا چاندی فاتح کے سپرد کرنا ضروری تھا۔ بنو النضیر کا کنز یعنی خزانۂ بلدیہ لاپتہ ہو گیا۔ آں حضرت نے اس کے افسر خزانہ کے اطمینان دلانے پر کہ وہ جنگوں میں خرچ ہو گیا، یہ کہہ کر رہا کر دیا کہ اگر یہ بات آئندہ جھوٹ ثابت ہوئی تو اس کی جان کی خیر نہیں۔ بعد میں ایک مقامی یہودی نے چغلی کھائی کہ ایک کھنڈر میں کوئی شخص اکثر مشتبہ حالت میں گھوما کرتا ہے۔ وہاں کھدائی پر یہ خزانہ برآمد ہو گیا اور خزانچی کنانہ بن الربیع کو جھوٹ کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اور اسی کی نوجوان بیوہ (جس کی شرح سیر کبیر ۱/۱۸۷ کے مطابق رخصتی بھی نہیں ہوئی تھی) بی بی صفیہ حرم نبوی میں داخل ہو گئیں۔ بی بی صفیہ کے باعث اسلامی حکومت کا برتاؤ بھی خیبر کے ساتھ نرم ہو گیا۔ اور یہ خود بھی اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ ہمیشہ صلۂ رحمی کرتی تھیں۔ لکھا ہے کہ جب بی بی کی وفات ہوئی تو انہوں نے اپنی ایک تہائی جائداد اپنے ایک یہودی بھانجے کے لئے وصیت فرمائی (زرقانی ۳/۲۹۶ بحوالہ سیر الصحابیات) اسلام ایسی صلۂ رحمی اور فراخ دلی کی حوصلہ افزائی ہی کرتا ہے۔

Marfat.com

خیبر کے آس پاس کے علاقوں میں یہودی بستیاں بہ کثرت تھیں۔ خیبر کا انجام اس رقبے میں دوررس اثرات کا باعث بنا۔ مبسوط سرخسی (جلد ۲۳ صفحہ ۲ تا ۷) کے مطابق بنو عذرہ بھی یہودی تھے اُنھوں نے بھی اب خاموشی سے اطاعت قبول کرلی۔

بلاذری (صفحہ ۳۳ تا ۳۵) کا بیان ہے کہ خیبر سے واپسی میں وادی القریٰ سے آنحضرت ہی نے اطاعت کا مطالبہ کیا اور ان کے انکار کچھ کشمکش اور جنگ رہی اور انہیں مفتوح کی شرطیں (جو خیبر کے مماثل تھیں) مجبوراً قبول کرنی پڑیں۔ یہاں کی کچھ زمین (جو غالباً افتادہ تھی) بروایت بلاذری حمزہ العذری کو جاگیریں بھی عطا فرمائی گئی۔ یہاں عمرو بن سعید بن العاص کو عہد نبوی میں گورنر بنایا گیا (صفدی ۱/۸۴ تا ۸۵) مدینے کے رخ میں فدک بھی پڑتا ہے بقول بلاذری آپؐ نے وہاں ایک مبلغ بھیجا۔ ان لوگوں نے گھبرا کر لڑے بھڑے بغیر خود حاضر ہو کر خیبر کی شرطوں پر امن طلب کیا جو انہیں دے دیا گیا۔ اسے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے صَرفِ خاص کے لئے معین فرمایا۔ یعنی یہاں کی آمدنی سے اپنے اور اہل و عیال کے مصارف زندگی ادا فرماتے اور جو بچ رہتا وہ عام مفادِ ملّی میں خرچ ہو جاتا (ابن ہشام صفحہ ۷۶۴) صفدی کے مطابق فدک و مضافات کا گورنر الحکم بن سعید بن العاص کو بنایا گیا۔

خیبر کو بہ ظاہر مکمل داخلی خود مختاری حاصل تھی وہاں کوئی مسلمان گورنر مامور نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ ایک انصاری (مدنی) مسلمان مسافر وہاں مارا گیا تو خوں بہا کے لئے آں حضرتؐ نے یہودیوں ہی کو خط لکھا اور ان کے قسمیں کھانے

پر کہ یہ یہودیوں کا فعل نہیں ہے۔ خوں بہا مدینے کے سرکاری خزانے سے ادا کیا گیا (ابن ہشام صفحہ ۸۰، نیز موطا امام مالک)

۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ پھر جلدی ہی طائف کی باری آئی۔ طائف میں یہودی تو کافی تعداد میں تھے۔ لیکن بہ ظاہر تجارت و حرفت اور سود خواری کے سوا انھیں وہاں سیاسیات میں کوئی خاص اثر حاصل نہ تھا۔ بلاذری صفحہ ۵۶ ان کا ذکر تو کرتا ہے لیکن طائف کے معاہدے میں ان کا کوئی خصوصی ذکر نہیں ہے بجز اس کے کہ ثقیف کے "تجارتی معاملت دار" سے یہی مراد ہوں۔

۹ھ میں تبوک کی عظیم مہم پیش آئی اس میں تیس ہزار مسلمان تھے۔ اتنی بڑی جمعیت کبھی عہد نبوی کے کسی اور معرکے میں نظر نہیں آتی۔ ظاہر ہے کہ آس پاس کی چھوٹی بستیاں آسانی اور خاموشی کے ساتھ مطیع ہو گئی ہونگی جرباء، اذرح، تیماء اور مقنا زیادہ تر یہودی بستیاں معلوم ہوتی ہیں۔ جرباء و اذرح نے فی کس سالانہ ایک دینار کے جزیے پر آمادگی ظاہر کی اور انھیں اسی شرط پر امان عطا ہوا۔ (ابن سعد)

تیماء کی اطاعت کا ٹھیک زمانہ معلوم نہیں۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ وادی القریٰ کا حشر دیکھ کر انھوں نے خود پیش قدمی کی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امن کی درخواست کی۔ ان کے معاہدے میں جزیے کا ذکر ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ یہ بھی تبوک کے لگ بھگ زمانے کا واقعہ ہے کیونکہ جزیہ زیادہ تر اسی زمانے کے معاہدوں میں ملتا ہے۔ یہاں کے گورنر یزید بن ابی سفیان تھے (سعد ۸۴ تا ۸۵) جو فتح مکہ کے وقت

۸ھ میں مسلمان ہوئے تھے۔ جو بھی ہو فوج کشی کے بغیر اطاعت کے باعث ان سے خاص رعایت کی گئی۔ ان کا معاہدہ جو تاریخ نے محفوظ کیا ہے اختصار و جامعیت کا کمال اور اس زمانے کی سیاسی تسوید کا دلچسپ نمونہ ہے:۔

| | |
|---|---|
| بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | مہربان رحم والے اللہ کے نام سے |
| ھذا کتاب من محمد رسول اللہ | یہ تحریر ہے اللہ کے رسول محمد کی |
| لبنی عادیا۔ | طرف سے بنو عادیا کے لئے۔ |
| ان لھم الذمۃ وعلیھم الجزیۃ | ان کے لئے ذمہ داری ہے اور ان پر جزیہ۔ |
| ولا عداء ولا جلاء | نہ ظلم ہوگا اور نہ جلا وطنی۔ |
| اللیل مد والنھار شد | رات (اس معاہدے کو) دراز کیا کریگی تو دن |
| وکتب خالد بن سعید | اس میں شدت پیدا کیا کریگا۔ (اسے) |
| (دیبلی وابن سعد) | خالد بن سعید نے لکھا۔ |

بنو عادیا کے نام اور تیماء کے ذکر سے گمان ہوتا ہے کہ اس سے مراد وفاداری میں ضرب المثل یہودی سموأل بن عادیا کا خاندان ہے جو مسعودی (التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۵۸) کے مطابق تیماء ہی میں حکمراں تھا۔

مقنا کا معاملہ کافی پیچیدہ ہے۔ خلیج عقبہ کی یہ بندرگاہ بھی غالباً یہودی عیسائی جھگڑوں کا ہدف بنی ہوئی تھی اور یہاں کے یہودیوں کو ایلہ والے عیسائی پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ ایلہ سے معاہدہ ہوا تو آں حضرت نے حکم دیا کہ اہل مقنا کو زادراہ و سامان دے کر ان کے وطن واپس کر دیا جائے (ابن سعد) گمان ہوتا ہے کہ تبوک میں یہودی آکر آں حضرتؐ کی مدد اور رہبری

کرنے لگے تھے۔ خود مقنا والوں کا معاہدہ ایک معمہ ہے ان سے کسی جنگ کا پتہ نہیں چلتا اس کے باوجود ابن سعد میں ان کا جو معاہدہ درج ہے، اس کے مطابق ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہتیار، اپنے غلام، اپنے جانور، اپنے کپڑے، اپنے نخلستانوں کی ریع پیداوار، شکار ماہی کا چوتھائی حصہ اور عورتوں کی کتابی کا بھی چوتھائی حصہ اسلامی حکومت کو ادا (کیا؟) کریں۔ البتہ انھیں جزیے سے معاف اور مستثنیٰ کر دیا گیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ساری گزشتہ و آئندہ خطائیں بھی معاف کر دیں اور آخر میں یہ کہ انھیں بیگاری اور جبری خدمت سے بھی معاف کر دیا گیا (مگر کیا عہد نبوی میں بیگاری تھی؟) اور وعدہ کیا گیا کہ ان کا سردار یا تو انھیں میں سے ہوگا یا "اہل رسول اللہ" میں سے ہوگا۔ اس کے چند دن بعد بلاذری نے اپنی تاریخ "فتوح البلدان" لکھی اور اس معاہدے کے چشمدید نسخے کا جو متن دیا ہے اس میں کچھ مزید اضافے تھے۔ اولاً سارے بہائے ہوئے خون کی معافی۔ دیگر یہ کہ ان کی بستی کا ان کے سوا کوئی مالک نہ ہوگا بجز رسول اللہ ؐ یا رسول اللہ کے کسی فرستادے کے۔ ہتیار لباس غلام وغیرہ کی حوالگی کے ذکر میں یہ جملہ کہ "بجز اس کے جو رسول اللہ ؐ یا آپ کا فرستادہ مستثنیٰ کر دیں"۔ ان کی بستی کا سردار یا تو انھیں میں سے ہوگا یا "اہل بیت رسول اللہ" میں سے (ابن سعد پر لفظ "بیت" کا اضافہ!) پھر آخر میں کاتب کا نام بھی ہے "علی بن ابو (کذا) طالب" اور تاریخ بھی کہ سنہ ۹ (تاریخ کے سلسلے میں اگرچہ ایک روایت صبح الاعشی قلقشندی ج ۶ ص ۴۰۰ اور التراتیب الاداریہ مؤلفہ کتانی ۱۸۰ تا ۱۸۱ میں ہے کہ سنہ ہجری کی ایجاد خود جناب رسالت مآب ؐ کے حکم سے ہوئی مگر

طبری وغیرہ کی روایت ہی عام طور پر مسلّمہ ہے کہ یہ ۱۶ھ میں حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے لہٰذا ۹ھ کی دستاویز میں اس کا ذکر مشتبہ ہے ممکن ہے اس جعلی دستاویز ہی کی اساس پر قلقشندی وغیرہ کو دھوکا ہوا ہو)

اس معاہدے کی ایک تیسری روایت یہودی گنیزہ مصر کے ایک مخطوطے میں عربی زبان مگر عبرانی رسم الخط میں ملتی ہے۔ اس کے مطابق یہ معاہدہ مقام کے ساتھ ساتھ اہل خیبر اور ان کی اولاد کے حق میں قیام قیامت تک کے لئے ہے۔ رعایتوں کی وجہ بی بی صفیہ کا ازدواج بیان کیا گیا ہے جو خیبر والی تھیں ہتیار غلام، مال و متاع کی حوالگی نہیں ہے بلکہ وہ سب یہودیوں ہی کے لئے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ مزید برآں انھیں رسم یعنی سرکاری ٹیکس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ نیز یہودیوں کو خصوصی لباس پہننے اور خصوصی رنگ کا کمر بند باندھنے سے (ان میں سے کوئی چیز بھی عہد نبوی میں نہ تھی!) انھیں عمدہ لباس پہننے ہتیار باندھنے اور گھوڑوں پر سواری کرنے کی بھی اجازت ہے (گویا عہد نبوی میں کسی پر ایسی کوئی ممانعتیں تھیں!) کسی مسلمان کے قتل عمد پر ان سے عدالت میں وہی برتاؤ کیا جائے جو قاتل کے مسلمان ہونے کی صورت میں ہوتا۔ انھیں دیگر تمام ذمیوں پر فوقیت و افضلیت عطا کی گئی ہے۔ یہ مسجدوں میں داخل ہو سکتے اور اپنے جنازے شہر کی شاہراہوں پر سے لے جا سکتے ہیں (ان کی بستی میں بوقت معاہدہ مسجدیں کہاں اور شاہراہوں میں مسلمانوں کا اعتراض کہاں!) اور سب سے دلچسپ یہ کہ ان یہودیوں کو اسلام لانے پر اہل بیت نبوی کا فرد قرار دے دیا گیا ہے۔

آخر میں لکھا ہے (مفنا ۹ھ میں مطبع ہوا اور خیبر ۷ھ میں!)

Marfat.com

۹ھ کا معاہدۂ مقنا کم و بیش اسی نہج کا ہونا چاہیے جیسا جرباء و اذرح کا جو بغیر لڑے بھڑے خوشی سے مطیع ہوئے تھے۔ قصہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ مامون وغیرہ کی آزاد خیالی اور بے راہ روی کا جب رد عمل ہوا اور خلیفہ متوکل (۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ) وغیرہ نے غیر مسلم رعایا پر کچھ سختیاں کیں تو ان سے بچنے کے لئے وہ دستاویز تیار ہوئی جو ابن سعد اور بلاذری کے زمانے میں ملتی ہے۔ اس میں کپڑوں اور ہتھیار کی حوالگی کا جو ذکر ہے وہ جیسا کہ یاد ہوگا، خیبر کے معاہدے میں درج تھا۔ اب اس جعل سازی کے وقت خیبر اور مقنا کے پرانے روایات و الفاظ کو بھی لے لیا گیا اور کچھ رعائتیں بھی اپنے لئے لکھ لیں تاکہ خلیفہ متوکل کو اس سے متاثر کیا جائے کہ یہ رسول اللہ کا حکم ہے۔ پھر جب مصر میں فاطمی خلافت آئی (جس کا مقنا پر قبضہ تھا) اور خاص کر الحاکم بامر اللہ نے اپنے ایک جنون کے زمانے میں یہودیوں وغیرہ پر بے پناہ مظالم ڈھانے شروع کئے تو وہ دوسری دستاویز گھڑی گئی[1] جو آپ مصر کے یہودی گنیزے سے برآمد ہوئی ہے اور سابق دستاویز میں فاطمی رجحانات کے لحاظ سے نمک مرچ لگا کر بہت سے ایسے حقوق حاصل کئے گئے[2] جو عہد نبوی میں تو ہر کسی یہودی کو حاصل تھے، لیکن فاطمی دور میں نہ تھے۔ ہرشفیلڈ[3]۔ لیشنسکی[4] اور اشپریبر[5] تین یہودی فضلاء

---

[1] اس کا ذکر یاقوت اور ابن القیم بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے دور سے پہلے کی جعل ہے۔ صفدی نے وافی بالوفیات ۴۴۶ھ تا ۴۵۰ھ میں اس کا کچھ ذکر کیا ہے۔ ابن کثیر نے بھی اس پر ایک رسالہ لکھا ہے

[2] ہرشفلڈ کی جرمن کتاب یہودی عرب میں صفحہ ۱۰۰ و ما بعد۔

[3] انگلستان کے رسالہ جوئش کوارٹرلی ریویو ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۷۳ تا ۱۹۷ میں اس کا مضمون

[4] اس کا مضمون جرمن رسالہ ام ایس او ایس ۱۹۱۶ء صفحہ ۴۸ تا ۵۱ میں۔

نے حالیہ زمانے میں اس پر مضمون لکھے ہیں اور اس دستاویز کو اصلی قرار دینے میں پورا زور ذہانت خرچ کیا ہے۔ لیکن مذکورۂ بالا وجوہ سے ہم اس دستاویز کے جملہ متون کو جعلی سمجھنے پر مجبور ہیں۔

قرآن مجید میں مفتوح اہل کتاب سے جزیہ لینے کا حکم غالباً اسی زمانہ ۹ھ میں نازل ہوا تھا۔

بحرین کا ایرانی گورنر منذر بن ساوی غالباً ۶ھ میں مسلمان ہوا تھا آں حضرت نے اسے اس کے عہدے پر برقرار رکھا۔

رسول کریمؐ کا منذر کے نام ایک خط ابن طولون وغیرہ کے ہاں ملتا ہے اس میں یہ ہے کہ "جب تک تو کام اچھا کرتا رہے گا تجھے خدمت سے معزول نہیں کیا جائے گا۔ اور جو لوگ مجوسیت اور یہودیت چھوڑنا نہ چاہیں ان پر جزیہ لگایا جائیگا۔" خوش قسمتی سے یہ اصل خطاب دستیاب ہو گیا ہے۔ اس خط کے آنے پر منذر نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ بحرین کے یہودیوں سے کیا برتاؤ کیا جائے (مکتوب ابن سعد میں ہے) آپؐ کا جواب امام ابو یوسف وغیرہ کے ہاں محفوظ ہے کہ جو لوگ تبلیغ اسلام پر بھی مسلمان ہونا قبول نہ کریں ان سے سالانہ ایک دینار جزیہ لیا جائے۔ غالباً یہ پوری خط و کتابت بھی ۹ھ کی ہے اور شاید غزوۂ تبوک سے کچھ پہلے کی۔ کیونکہ چند دن بعد ابو ہریرہؓ وغیرہ کو بحرین بھیجا جاتا ہے اور منذر کے پاس جمع شدہ جزیہ سپرد کرنے کی ہدایت ہوتی ہے نیز ایک اور مسلمان حاکم کو لکھا جاتا ہے کہ مقامی مسلمانوں سے وصول شدہ محاصل (خاص کر زکوٰۃ) بھی انہیں کے ہاتھ مدینہ روانہ کر دے۔ یہ ساری رقمیں غزوۂ تبوک کی تیاری

میں خرچ ہوئیں۔

اسی کے لگ بھگ زمانے میں یمن کے گورنروں کے نام جو نامہ ہائے مبارک گئے ہیں ان میں بھی مقامی یہودیوں پر جزیہ لگانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ایک خط میں جو ابن ہشام وغیرہ میں ہے یہ الفاظ ہیں "جو یہودی اپنی یہودیت نہ چھوڑنا چاہے اس پر جبر نہ کیا جائے البتہ اس پر جزیہ لگایا جائے گا"

**متفرقات** عہد نبوی میں قرآنی احکام کے مطابق یہودی رعایا کو عدالتی و قانونی خود مختاری حاصل تھی۔ انھیں کے فریقین مقدمہ اپنے حکام عدالت اور انھیں کا قانون۔ البتہ انھیں اجازت تھی کہ اپنی خوشی سے چاہیں تو مقدمہ اسلامی عدالت میں پیش کریں۔ اس قسم کے بعض مقدمات کی سماعت خود جناب رسالت مآب نے فرمائی اور قانون شخصی یعنی توریت کے مطابق حکم دیا۔ مثلاً لکھا ہے کہ ایک زنا کا مقدمہ پیش ہوا۔ اور چار یہودیوں نے یعنی شہادت دی۔ آں حضرت نے یہودیوں ہی سے پوچھا کہ اس بارے میں تمھارا قانون کیا ہے۔ اُنھوں نے کہا منہ کالا کر کے تشہیر۔ آپ کا اطمینان نہ ہوا۔ توریت منگوائی اور پڑھوا کر معلوم کیا کہ سزا میں سنگسار کرنا چاہیے۔ جسے سزا نافذ کی گئی (بخاری ابن ہشام وغیرہ)

یہ امر قابل ذکر ہے کہ آج کل جو توریت ملتی ہے اس میں ایسی سزا کا ذکر نہیں ہے لیکن انجیل میں یہ قصہ اب بھی ملتا ہے کہ ایک عورت کو زنا کے باعث پکڑ کر حضرت عیسیٰ کے پاس لایا گیا اور کہا گیا کہ "توریت میں اس کی سزا سنگسار کرنا ہے۔ اُستاد، اب آپ کیا حکم دیتے ہیں" وغیرہ اس سے سیرت نگارانِ جدید

نبوی کے بیان کی توثیق ہوتی ہے اور قرآنی دعوائے تحریف توریت کی تائید۔

مدینہ منورہ میں ایک یہودی نے نہایت بے رحمی سے ایک عورت کا سر پتھروں سے کچل کچل کر مارا تھا۔ آں حضرت ؐ نے اس کو بھی توریتی قصاص کے انداز میں اسی طرح قتل کرنے کا حکم دیا (بخاری تفسیر طبری وغیرہ)

عربی ادبیات میں یہودی قدیم سے مختلف قسم کی شہرتیں رکھتے آئے ہیں ان میں سموأل بن عادیا جیسے عہد کو وفا کرنے اور بات کا پاس کرنے میں جان جانے پر آن نہ جانے کو کر دکھانے والے بھی گزرے ہیں۔ عرقوب[1] جیسے ضرب المثل جھوٹے اور بد عہد بھی۔ قرآن میں بھی ان کے متعلق ذکر ہے کہ "ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ ایک خزانہ امانت رکھاؤ تو واپس کر دیں لیکن دوسرے ایسے ہیں کہ ایک دینار بھی امانت رکھاؤ تو واپس نہ کریں جب تک کہ سر پر نہ کھڑے رہو"۔ اور ان میں تصور یہاں تک ہو گیا تھا۔ کہ "غیر یہودیوں کے متعلق کوئی حق، کوئی ذمہ داری اور پابندی ہے ہی نہیں" ۳/۷۵۔ روپے کی پرستش کے ساتھ موت کا ڈر یا بزدلی بھی بار بار قرآن میں بیان ہوئی ہے (۲/۹۲، ۶۲/۶۷) بزدلی اور بے رحمی عموماً توأم ہوتے ہیں۔ ان کی قساوت قلبی کی بھی قرآن کو شکایت ہے (۲/۷۴) ان کی بدکاری اور فحش پسندی کا بھی بار بار گلہ ہے۔

یہودی تاریخ کا ایک قرآنی تذکرہ کافی قانونی اہمیت رکھتا ہے پارۂ سیقول کے اواخر (۲/۲۴۰ و مابعد) میں بیان ہوا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد یہودیوں میں ایک نبی آئے۔ یہ ظاہر ان میں فوجی اور انتظامی صلاحیت زیادہ نہ تھی۔ یہود نے ان سے آکر خواہش کی کہ وہ ایک بادشاہ مامور کریں جس کے ساتھ جا کر وہ جہاد فی سبیل اللہ کر سکیں۔ انھوں نے سمجھایا کہ جنگ کا نام نہ لو۔ ایک مرتبہ وہ

[1] یہ مولانا مناظر احسن کی تحقیق ہے ورنہ عرقوب عموماً عمالقہ کا سمجھا جاتا ہے۔

Marfat.com

خدا کی طرف سے فرش ہو جائے اور تم جی چراؤ تو اچھا نہ ہوگا۔ انھوں نے کہا: ہم کیوں جی چرائیں۔ ہمیں اپنے گھر بار اور آل واولاد سے نکالا گیا ہے۔ پھر ان پر ساؤل نامی شخص کو طالوت یعنی بادشاہ مقرر کیا گیا اور بتایا گیا کہ وہ خدا کا انتخاب ہے۔ یہودیوں نے اعتراض کیا کہ وہ مفلس ہے۔ مگر پیغمبر نے جتایا کہ اسے خدا نے علم وجسم کا وافر حصہ عطا کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس قصے میں عبادت و سیاست میں تفریق کا ذکر ہے۔ اور تقسیم اختیارات کر کے نبی کا شعبۂ کار الگ اور بادشاہ کا شعبۂ عمل الگ مقرر کیا گیا اگرچہ دونوں ہی احکام الٰہی کے تابع رہے۔ اور اخلاق سوزی نہ مذہب میں روا رکھی گئی نہ سیاست میں۔ غالباً یہی روایات ہیں جو بعد میں یہود پ میں پھیلیں۔ اگرچہ سیاست کو احکام الٰہی کی جگہ مصلحت ملکی یعنی ہوا و ہوس کے تابع کرنے سے دو دھ میں مینگنی پڑ گئی لیکن اصول اپنی جگہ قائم ہے کہ اگر جملہ فرائض سرکاری کی انجام دہی ایک فرد کی صلاحیتوں سے بالا ہو تو تقسیم کار کیا جا سکتا ہے۔

یہودیوں پر عیسائی دو ہزار برس سے "خدا کشی" کے الزام میں مظالم ڈھاتے چلے آ رہے ہیں اور عیسائیوں کے ہر جوشِ جنوں کے وقت گزشتہ چودہ سو سال سے اسلامی ممالک یہودیوں کو پناہ دیتے آ رہے ہیں۔ لیکن حیرت ہے کہ یہودی پھر بھی عیسائیوں ہی کے گرویدہ ہیں اور اسلام کے خلاف انھیں سے حلیفی کرتے ہیں۔ یہ آج نہیں عہد نزول وحی میں بھی ایسا ہی تھا۔ چنانچہ یہودیوں کی طرف سے تجربوں کی تلخی اور اس عجیب وغریب مشاہدے پر مسلمانوں کی جو نفسیاتی کیفیت ہوگی اس کے مطابق قرآن مجید میں ایک حکم نازل ہوا۔ یہ بہ لحاظ نزول

Marfat.com

تقریباً آخری یعنی ایک سو بارھواں سورہ ہے (یعنی سورۂ مائدہ) جس میں (۵/۵۱) ارشاد ہوا۔

| | |
|---|---|
| یا أیھا الذین آمنوا لا تتخذوا | اے ایمان لانے والو۔ یہود اور نصاریٰ |
| الیھود والنصاریٰ أولیاء | کو دوست نہ قرار دو۔ یہ ایک دوسرے |
| بعضھم اولیاء بعض ومن | کے ہی دوست ہیں اور تم میں سے جو ان |
| یتولھم منکم فانہ منھم | کو دوست بنائے تو وہ انھیں میں کا ہے |
| ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین | یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ |

اس کے کچھ دن بعد سورۂ براءت نازل ہوئی جس میں غیر مسلم رعایا کے ساتھ برتاؤ کا عام اصول یعنی جزیہ لگانے کا حکم نازل ہوا۔

یہ ہے ایک ابتدائی خاکہ جو عہد نبوی کے اسلامی یہودی تعلقات کے متعلق مرتب ہو سکا ہے۔ اس کی تحریر کے زمانے میں علمی نقطۂ نظر سے ایک صحرا میں ہوں جہاں کتابوں کا پانی نہ ملنے کی وجہ سے وضو کی جگہ تیمم کرنی پڑی ہے۔

تتمہ:۔ تاریخ ابن کثیر (۳/۳۱۵) میں مسجد نبوی کی تعمیر میں مٹی ڈھوتے وقت صحابہ جو گیت گاتے تھے اس میں یہ شعر خیبر والوں کی طرف چوٹ کرتے ہوئے ہے کہ:۔

ھذا الحمال لا حمال خیبر ۔ ھذا أبر ربنا وأطھر

خیبری حمالوں کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں کیا ہے۔

پکتھال نے اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن کے دیباچے میں یہ قابل غور نظریہ پیش کیا ہے کہ آخری نبی آنے کے سلسلے میں یہودی تصور یہ تھا کہ اس کے باعث یہودی قوم دنیا میں ایک حکمراں ذات بن جائیگی۔ لیکن جب وہاں شعوب و قبائل کی مساوات اور صرف اکرمکم عند اللہ اتقاکم کا اصول قائم ہوا تو وہ مایوس اور برگشتہ ہو گئے۔

Marfat.com

# عام قبائل عرب سے تعلقات

ایک حدیث میں ایک بڑے اہم سماجی مشاہدے کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے کہ "جب خدا کو کسی قوم کی بھلائی منظور ہوتی ہے تو اس کے حکمران اور وزیر اچھے لوگوں کو بناتا ہے اور جب برائی مطلوب ہوتی ہے تو حکمرانی اور وزارت پر بُرے لوگ فائز کئے جاتے ہیں"۔ اسی کو بعض وقت "الناس علی دین ملوکھم" کی ضرب المثل میں بیان کیا جاتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں بہت اچھے اور بہت بُرے لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں اور مابقی لوگ محض اقتداء کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہوتے تو یہ آرام پسند ہیں لیکن نگرانی رہے تو گورائی کی حد تک نیک بھی رہتے ہیں دیگر مذہب کی تعلیم پر نظر ڈالو تو وہ اوسط انسانوں کی جگہ فرشتہ خصلت انتہا پسندوں کے لئے قابل عمل معلوم ہوتی ہے۔ اسلام اس کے برخلاف اوسط انسانوں کے لئے آیا اور رہبانیت و ترک دنیا اور طیبات و زینت ہائے دنیا کی اپنے آپ پر تحریم کی علانیہ حوصلہ شکنی کی۔

کچھ تو اس بنا پر۔ اور شائد کچھ اس بنا پر بھی کہ عرب میں ابھی تک زیادہ تر قبائلی دور دورہ اور التقلید کی بے لگام آزادی ہی کی روایتیں چلی آرہی تھیں۔ اور تجربہ و مشاہدہ ہے کہ راسخ عادتیں چاہے بری ہی کیوں نہ ہوں، بغیر کسی نہ کسی طرح کے جبر کے مشکل

Marfat.com

سے چھوٹی ہیں۔[1]

غرض مختلف وجوہ اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کی اصلاحی کوشش اور تبلیغی نتائج کے تجربے کی روشنی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی مناسب نظر آیا کہ دین و دنیا، عبادت و سیاست، معاد و معاش سب میں باہم ربط پیدا کیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں ذہنی و سماجی اصلاح کی تحریک حکومت کی جانب سے عمل میں لائی جائے تاکہ اس کی کامیابی تیز تر بھی ہو، اور حکومت جیسے طاقتور دباؤ سائل ادارے کے تصادم کے بڑے نتائج اور حصول مقصد میں تعویق سے بچ جائیں۔ چنانچہ ہجرت مدینہ سے بھی پہلے کے زمانے میں آپ تبلیغ کرتے ہوئے اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ میری مدد کرو تو ہذا قیصر و کسریٰ کے تاج تمہارے قدموں میں لا ڈھکا ہوگا۔ منا، مجنہ، ذوالمجاز اور عکاظ کے میلوں میں بھی آپ یہی فرماتے رہے اور طائف تشریف لے گئے تو وہاں کے قبائلی سرداروں سے بھی یہی کہا۔

---

[1] اسلام میں غلامی کی اجازت بھی اسی کی ایک مثال ہے۔ سابقہ متمدنوں میں چاہے وہ سزا اور مال غنیمت کی حیثیت کیوں نہ رکھتا ہو کہ اس کی خدمات سے ملت فائدہ اٹھایا جائے، اسلام میں غلامی کی اجازت صرف اصلاح ذہنی کے لیے ہے اور جیسے ہی مردم خوار یا چھوت چھات کو ضروری سمجھنے والے یا اور اسی طرح کی برائیوں میں مبتلا انسان چند روزہ نگرانی کے بعد دماغی تربیت و اصلاح پا جائیں تو ان کو بطریق مکاتبت آزاد کرنا ضروری ہو جاتا ہے جیسا کہ "وکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا" کی تفسیر حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔ اور اس آزادی میں حکومت کے خزانے سے بھی مدد قرآن نے لازمی قرار دی ہے۔

Marfat.com

اور جیسے ہی اوس وخزاج کے اولین قبائل نے اس دعوت پر لبیک کہا تو آں حضرت نے ان کی سیاسی تنظیم اور مرکزیت کا سامان کر دیا۔ ہجرت سے کوئی دو سال پہلے بیعت عقبہ ثانیہ میں ہر ایک سے علاوہ اور اقراروں کے یہ اقرار لیا کہ سُننا اور اطاعت کرنا ہمارا شیوہ رہے گا۔ چاہے حکم ہمیں پسند ہو یا ناپسند آپ ہمارے سردار رہیں گے اور جس کو جس عہدے پر مامور کیا جائے ہم اس سے اختلاف نہیں کریں گے۔ اور ہم جہاں بھی رہیں حق کا بول بالا کریں گے اور خدا کے حکم کے سامنے ہم کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہیں کریں گے اور کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے"۔ اس کے ایک سال بعد بیعت عقبہ ثالثہ ہوئی تو جہاں ان لوگوں نے صراحت سے اقرار کیا کہ" اگر آپ اور آپ کے مکی ساتھی ترک وطن کر کے مدینہ چلے آئیں تو ہم آپ سب کی ویسی ہی مدد و حفاظت کریں گے جیسی اپنے بیوی بچوں رشتہ داروں کی کرتے ہیں، چاہے اس میں سرخ وسیاہ (یعنی ساری دنیا) ہی سے جنگ کرنی کیوں نہ پڑے"، وہیں جن بارہ قبائل مدینہ نے نمائندے بھیج کر اپنے اسلام کی آپؐ کو اطلاع دی تو انھیں کے حسب انتخاب ہر ایک کا ایک ایک نقیب (بطور اپنے نائب کے) مقرر کر دیا۔ یہ لوگ تاریخ میں انصار کے نام سے مشہور ہیں۔

یہ معاہدہ معاشرہ کا ایک حقیقی واقعہ تھا جس میں چند لوگوں نے راضی خوشی ایک شخص کو اپنا سردار اور حکمراں مقرر کیا۔ اگرچہ انصار کے تعلقات میں اس کے بعد بھی دو ایک امور سیاسی تاریخ میں خاصی اہمیت رکھتے ہیں (مثلاً مدینہ ہجرت کر آنے پر چند درجن کی خاندانوں کا اہل مدینہ میں سے اتنے ہی کھاتے پیتے

گھرانوں کے ساتھ مواخات یعنی بھائی چارہ کرا دینا اور اس سلسلے میں ایک طرح کا مشترکہ خاندان اور مشترکہ جائداد عارضی ضرورتوں کے لئے عارضی طور پر مسلمانوں میں نافذ کرنا! اسی طرح شہر مدینہ کو ایک شہری مملکت قرار دے کر اس کے حدود تصب کرانا، اس کے لئے ایک دستور مرتب کر کے نافذ کرنا اور اس شہری مملکت کو ایک وفاقی نظام دے کر اس میں آس پاس کی یہودی بستیوں کو بھی شرکت کا موقع دینا وغیرہ، لیکن یہ "سیاسی تعلقات" نہیں۔ اندرونی سیاسی انتظامات" ہیں ان کو یہاں حذف کیا جا سکتا ہے۔ دستور مدینہ کے لئے البتہ کتاب "عہد نبوی کا نظام حکمرانی" جلد اول ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

مذکورہ بالا سیاسی انتظاموں میں چند ہفتے ضرور لگے ہوں گے۔ اس کے بعد حدود مملکت کی حفاظت کے مسائل کو حل کرنا تھا۔ قریش کی سازشیں رہی تھیں۔ انھوں نے اپنے معاشی اثر سے کام لے کر اہل مدینہ کو دھمکانا شروع کیا کہ رسول کریم اور آپ کے ساتھیوں کو مدینے سے نکال دیں۔ اسی طرح مدینے کی تجارت درآمد و برآمد پر بھی قریشی کاروانوں کا اثر پڑنا ہر آئین لازمی تھا۔

## جہینہ اور ضمرہ کے قبائل

اس کا پتہ تو نہیں چلتا لیکن امکان ہے کہ مدینے کے قبائل انصار نے آس پاس کے بعض قبائل سے دوستی اور حلیفی زمانہ جاہلیت میں بھی کر رکھی ہو جس طرح ہمسایہ یہودی قبائل سے کی تھی اور ان یہودی قبائل نے غطفان وغیرہ شمالی عرب کے قبائل سے دوستی رکھی تھی) اگر ایسا رہا ہے تو یقیناً وہ معاہدے اسلامی مملکت کو "وراثت" میں ملے ہوں گے۔ رمضان ۱ھ میں ہجرت کے چھٹے ہی ماہ بعد جب

Marfat.com

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے متعلق اپنی سیاست متعین کر لی تھی کہ ان پر معاشی دباؤ ڈالا جائے (اور مسلمان مہاجرین کی مکے میں ضبط شدہ جائداد کا گویا انتقام لیا جائے) اور اس سلسلے میں ایک فوجی دستہ قبائل جہینہ کے علاقے میں بمقام عیص بھیجا تو وہاں کا سردار مسلمانوں کا حلیف تھا۔ اس فوجی دستے میں کوئی انصاری نہ تھا سب مہاجرین ہی تھے۔ اس لئے مجدی بن عمرو الجہنی سے یا تو آنحضرت نے ہجرت کے بعد خود کوئی معاہدۂ حلیفی کیا تھا یا کم از کم انصار کی پرانی حلیفی کی تجدید کر کے اب اسے سارے مسلمانانِ مدینہ کے لئے (جن کے سیاسی سردار خود رسول اللہ بن گئے تھے) عام کر دیا تھا۔ ابن سعد ابن ہشام وغیرہ اس حلیفی کا ذکر تو کرتے ہیں مگر نہ تو معاہدۂ حلیفی درج کرتے ہیں اور نہ کوئی مزید تفصیل کہ وہ کب اور کہاں ہوا تھا۔ بجز اس ایک اہم اطلاع کے کہ مجدی بن عمرو مسلمانوں اور قریشیوں ہر دو کا حلیف تھا۔ اسی لئے اس نے قریش کے قافلے میں (جو تین سو اونٹوں پر مشتمل اور ابوجہل کی سرکردگی میں غالباً تجارتی کارواں کے طور پر گزر رہا تھا) اور مسلمانوں کے فوجی دستے میں (جو حضرت حمزہؓ کی سرکردگی میں اس کو ناکہ بندی کے توڑنے کی سزا دینے کے لئے بھیجا گیا تھا) ٹکر بھیڑ نہ ہونے دی بلکہ بیچ میں پڑ کر کارواں کو امن سے مکے کی طرف گزر لے دیا اور اسلامی دستہ واپس مدینہ چلا آیا۔ ایک ماہ بعد شوال میں ایک دستہ ابوسفیان کے کارواں کو روکنے کی غرض سے رابغ کی سمت بھیجا گیا اور ذیقعدہ میں خرار میں بھی اسی غرض کے لئے ایک دستہ بھیجا گیا۔

عیص، رابغ اور خرار سب پاس پاس رہنے کے جنوب مغرب میں ساحل کے قریب واقع ہیں اور یہی وہ علاقہ ہے جہاں سے قریش کے تجارتی کارواں

Marfat.com

کو شام و مصر وغیرہ آنے جانے کے لئے گزرنا پڑتا تھا۔ قریشی کاروانوں کا راستہ بند کرنے کا ایک ہی ذریعہ تھا کہ اس علاقے کے قبائل سے دوستی کی طرح ڈالی جائے۔ ورنہ نہ تو بروقت اطلاعیں مل سکتیں اور نہ یہ خطرہ دور ہو سکتا کہ یہ قبائل اسلامی فوجی دستوں کو مدد دینے کی جگہ اس کے کام ہی میں آڑے آئیں اور دشمن یعنی قریش ہی کو مدد دیں۔

غالباً مذکورۂ بالا تینوں مہموں میں ناکامی کے باعث حلیفوں کی توسیع کے مسئلے پر توجہ کرنی پڑی۔ چنانچہ ۲ھ کے آغاز پر صفر کے مہینے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود ایک جمعیت کے ہمراہ مدینے کے جنوب مغرب میں کاروانی اسٹیشن ابواء تشریف لے گئے۔ قریشی کارواں اس مرتبہ بھی مسلمانوں کے بعد از وقت آنے کے باعث جا چکا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اب خالی ہاتھ واپس جانے کی جگہ آس پاس کی آبادیوں سے تماس پیدا کیا اور بنی ضمرہ کے ایک سردار مخشی بن عمرو سے مدافعی حلیفی کا ایک معاہدہ کیا۔ بہ ظاہر یہ لوگ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے کیونکہ دینی جنگ صراحت سے مستثنیٰ کی گئی ہے۔ یہ اہم معاہدہ جو غالباً اوّلین بھی ہے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

۱- {بسم اللہ الرحمٰن الرحیم} ۱- {مہربان۔ رحم والے خدا کے نام سے}
۲- {ھذا کتاب من رسول اللہ} ۲- یہ ایک تحریر ہے اللہ کے رسول محمد کی
لبنی ضمرہ طرف سے بنی ضمرہ کے لئے۔

---

لہ ان قوسوں کے [ ] میں کی اتنی عبارت ابن سعد میں نہیں ہے۔ وہ سہیلی کی الروض الانف کی مدد سے بڑھائی گئی ہے۔

Marfat.com

۳- بانفسهم آمنون علیٰ اموالهم وانفسهم۔

۳- اس بات پر کہ انھیں ان کے مال اور ان کی جان پر امن ہے۔

۴- وان لهم النصر علیٰ من ظلمهم بظلم۔

۴ اور یہ کہ انھیں ہر ایسے کے خلاف مدد دی جائیگی جو ظلم سے ان پر اچانک ٹوٹ پڑے

۵- وعلیهم نصر النبی ما بل بحر صوفة الا ان یجار بوا فی دین اللہ یجار بوا

۵- اور ان پر واجب ہے کہ نبی کی مدد اس وقت تک کرتے رہیں جب تک کہ سمندر کسی سیپ کو گیلا کرتا رہے بجز اس کے کہ اللہ کے دین کے بارے میں وہ جنگ کریں؟ ان سے جنگ کی جائے

۶- علیهم بذلك ذمة اللہ ورسوله

۶- ان پر اس بارے میں اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔

۷- ولهم النصر علیٰ من بر منهم واتقیٰ۔ (ابن سعد ۱/۲ ۲۷)

۷- اور انھیں مدد اس شرط پر دی جائیگی کہ وہ وعدہ وفائی کرتے رہیں۔ اور (بری باتوں، عہد شکنی وغیرہ سے) بچتے رہیں۔ (ابن سعد ۱/۲ ۲۷)

مؤرخ سہیلی کی روایت میں فقرہ ۴-۵ ذرا مختلف ہیں۔

۴- وان لهم النصر علیٰ من ۴- اور یہ کہ انھیں ہر ایسے کے خلاف مدد دی جائیگی جو ان کا قصد کرے بجز اس کے کہ (وہ) دین کے بارے میں وہ جنگ کریں (؟) ان سے جنگ کی جائے۔

رامهم الا ان یجار بوا یجار بوا

Marfat.com

| | |
|---|---|
| فی الدین مابلّ بحر صوفة | اور یہ اس وقت تک جب تک کہ سمندر کسی سیپ کو گیلا کرتا رہے۔ |
| ۵ - وان النبی اذا دعاھم لنصرہ اجابوہ | اور یہ کہ نبی جب ان کو اپنی مدد کے لئے بلائیں تو یہ آپ کو لبیک کہیں گے۔ |

سہیلی بڑے پایے کے محقق ہیں لیکن ابن سعد علاوہ محقق ہونے کے قدیم تر بھی ہیں۔ البتہ کئی امور قابل غور ہیں۔ آیا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کا رواج ۲ھ میں ہو چکا تھا یا آں حضرتؐ کچھ اور لکھا کرتے تھے، دریافت طلب ہے۔ ابن سعد کی ۵ کے الفاظ دستور مدینہ میں مستعملہ محاورے "دھمھم" پر مشتمل ہیں جو اس معاہدے کے لگ بھگ زمانے ہی میں نافذ ہوا تھا۔ دینی جنگ کا استثناء کس کے حق میں ہے، یہ بھی واضح نہیں۔ ابن سعد کی روایت کو لینے اور "یحاربوا" (بصیغہ معروف) پڑھنے پر یہ معنے نکلتے ہیں کہ مدینے کی دفاعی جنگ میں مدد دینے کی بنی ضمرہ پر پابندی عائد کی گئی تھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر مذہبی ضروریات سے پیش قدمی کر کے کہیں جائیں تو یہ قبیلہ غیر جنبہ دار و ناطرفدار رہے گا۔ اس پر شریک جنگ ہونے کی پابندی نہ ہوگی۔ سہیلی کی روایت لیں اور "یحاربوا" (بصیغہ مجہول) پڑھیں تو یہ معنے نکلتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مدد دیں گے بجز اس کے یہ قبیلہ خود شرارت کرے اور اسلام کے خلاف حرکتیں کرے تو یہ معاہدۂ دوستی ختم ہو جائے گا۔ ابن سعد کے مطابق ان کے مسلمان ہو چکے ہونے کا امکان کم ہوتا ہے۔ سہیلی کے مطابق اس وقت ان کو مسلمان ہو چکا ہونا چاہئے۔ ابھی بدر کی دھاک بٹھانے والی جنگ بھی نہیں ہوئی تھی اور مسلمانوں کی مہمیں مسلسل ناکام ہی ہو رہی تھیں۔ ان حالات میں بنی ضمرہ کے مسلمان

Marfat.com

ہو چکنے کا یہری دانست میں امکان کم ہے جبکہ ان میں تبلیغ بھی نہیں ہوئی تھی۔
رسول اللہؐ ایک مہم میں آکر ان سے ملے اور مختصر قیام کیا تھا۔ انھیں وجوہ سے میں
ابن سعد کی روایت کو زیادہ صحیح سمجھتا ہوں جس کے مطابق وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے
ہوں گے خاص کر اس لئے بھی کہ اس کے کچھ عرصہ بعد انھیں کے ہمسایوں بنی
مُدلج سے جو معاہدہ ہوا اس کے متعلق ابو عبید نے کتاب الاموال ص۴۴۸ میں
صراحت کی ہے کہ وہ ۹ھ تک بھی مسلمان نہیں ہوئے اور ۹ھ میں سورۂ
برأۃ کے نزول پر ان کو بھی ایک نہائیہ (الٹی میٹم) دیا گیا کہ ان کا معاہدہ دوستی
چار ماہ بعد ختم سمجھا جائے بجز اس کے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔

ابن سعد نے بنی ضمرہ کے ایک اور معاہدے کا ذکر (۲/۳ پر) کیا ہے۔
اس میں اسی معاہدے کی تکمیل ان الفاظ میں کی ہے:۔

لا یغزو بنی ضمرۃ ولا یغزونہ ولا یکثروا علیہ جمعًا ولا یعینوا علیہ عدوًّا

نہ آں حضرتؐ بنی ضمرہ سے جنگ کریں گے اور نہ یہ آپؐ سے اور یہ آپؐ کے خلاف جتھا بندی میں کسی کے ساتھ شریک نہ ہوں گے اور آپؐ کے خلاف کسی دشمن کو مدد نہ دیں گے۔

اس میں صاف طور پر دوستی اور ناطرفداری کا معاہدہ نظر آتا ہے اور اسلام لانے کا کوئی تصور بھی نہیں ہے۔

اوپر اولین مہم کے سلسلے میں قبیلہ جہینہ کا ذکر آیا اس کے ایک سردار مجدی بن عمرو کی مسلمانوں اور قریش دونوں کے ساتھ بیک وقت دوستی کا ذکر ہوا۔

Marfat.com

اس قبیلے کی دو شاخوں سے کئے ہوئے معاہدے کا متن ابن سعد نے محفوظ کیا ہے۔ اس کے شرائط کم و بیش وہی ہیں جو بنی ضمرہ کے معاہدے کے الفاظ تک مماثل ہیں۔ گمان ہوتا ہے کہ وہ بھی اسی زمانے کا معاہدہ ہے اور سفر واپسی میں یا اس کے عین بعد آں حضرت نے ان کی ان شاخوں کو اپنی مدد کا یقین دلا کر قریش سے توڑ لینے کی کوشش فرمائی وہ معاہدہ بھی درج کیا جاتا ہے:۔

| | |
|---|---|
| ۱۔ انهم آمنون علیٰ انفسهم واموالهم | ۱۔ انھیں ان کی جان و مال پر امان ہے۔ |
| ۲۔ وان لهم النصر علیٰ من ظلمهم او حاربهم الا فی الدین والأهل | ۲۔ ان کو ہر ایسے کے خلاف مدد دی جائیگی جو ان پر ظلم کرے، یا ان سے جنگ کرے بجز دین اور اہل و عیال کے۔ |
| ۳۔ ولاهل بادیتهم من بَرَّ منهم واتقیٰ ما لحاضرتهم | ۳۔ اور ان کے خانہ بدوشوں کو بھی جو معاہدے کی تعمیل اور (عہد شکنی سے) اجتناب کریں وہی حقوق ہوں گے جو ان کے بستیوں میں رہنے والوں کو ہیں۔ |
| ۴۔ واللہ المستعان | ۴۔ اور اللہ ہی سے مدد چاہی جاتی ہے۔ |

اس کے ص۲ کے الفاظ "والاهل" (جن کا ترجمہ ہم نے "اور اہل و عیال" کیا ہے) کچھ واضح نہیں۔ بھرتی کے معلوم ہوتے ہیں۔ یا تو اس سے مراد خود قبیلے کی خانہ جنگی ہے یا یہ کہ اس کے بعد ہی کا لفظ "ولاهل" کو کاتب نے سہواً مکرر لکھ دیا اور ناشر نے اس کو نبھایا۔ میری ذاتی رائے یہی ہے۔ مجدی بن عمرو کے

برخلاف ان کو جب تک مدد کا یقین نہ دلایا جاتا، بے سود ہوتا۔ ان کو قریش کے علاوہ مجدی کے حملے سے بھی بچانا ضروری تھا۔ اور غالباً مجدی سے ان کے تعلقات کشیدہ ہونے کے باعث ہی انھوں نے مسلمانوں کی حمایت میں آنا قبول کیا تھا۔

جہینہ سے مسلمانوں کے تعلقات روز بروز بہتر ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ عوسجہ بن حرملۃ الجہنی کو جو ذوالمروۃ میں رہتا تھا، حضرتؐ نے ایک وسیع جاگیر کا پروانہ عطا کیا (ابن سعد وغیرہ) یہ مقام (ذوالمروۃ) ساحل کے قریب تھا۔ قریشی کارواں یہیں سے گذرتے تھے اور غالباً پہاڑی و شوار گزار علاقہ اور بہترین کمین گاہ تھا۔ صلح حدیبیہ کے شرائط کے تحت جب مکی مسلمان مذہبی ایذا یابی کے باوجود مدینے میں آپناہ گزیں نہیں ہو سکتے تھے تو ایسے چند مظلوم مسلمانوں نے حضرت ابو بصیرؓ کی سرکردگی میں ذوالمروہ ہی میں اپنی جتھا بندی کی اور قریشی قافلوں کو ہراساں کرنا شروع کیا تھا (ابن ہشام ص ۷۵۲ تا ۷۵۳) یقیناً عوسجہ بن حرملہ جاگیردار ہی نے انھیں اس کی سہولتیں مہیا کی ہوں گی۔ اسی طرح بنو شمخ (یا بنی شمخ) کو بھی جو جہینہ کی شاخ تھے، منہ مانگے علاقے کی جاگیر عطا ہوئی (ابن سعد، بیلی وغیرہ) اس طرح قریش کا تجارتی راستہ بند کرنے کی کوشش کی گئی ہوگی۔

یہ ابتدائی زمانے کی چیزیں ہیں۔ جہینہ کے بنی الجرموز کو ایک امن نامہ اور ان کے علاقے کی سالمیت کی ضمانت ایک اور مکتوب نبوی میں (بحوالہ ابن سعد و بیلی) اس وضاحت سے دی گئی ہے کہ اسلام لاتے وقت ان کے قبضے میں جو علاقہ تھا وہ انھیں کا سمجھا جائے گا۔ ممکن ہے یہ رقبہ کچھ نزاعی ہو اور خانہ جنگیوں میں اس کے ہاتھ سے نکلنے کا خوف اس قبیلے کے لیے اولاً اسلام لانے کی ترغیب کا باعث

Marfat.com

پتا ہو۔ یہ ممکن ہے بدر کے بعد کی چیز ہو۔

عہد نبوی کے آخری زمانے کی چیز یہ ہے کہ عمرو بن معبد الجہنی اور بنی الحرث بن الجرموز کو ایک خصوصی پروانے میں اس شرط پر امن دیا گیا ہے کہ وہ اسلام لائیں۔ نماز پڑھیں۔ زکوٰۃ اور مالگزاری بھی دیں۔ جنگوں میں مال غنیمت کا خمس[1] بھی مرکز کو دیا کریں۔ اپنے غیر مسلم رشتہ داروں سے تعلق بالکل منقطع کر لیں اور صرف راس المال سے کما پنے قرضوں کے سود سے دستبردار ہو جائیں۔ اور یہ بھی صراحت ہے کہ جو اجنبی اس قبیلے سے بھاگ چھوٹ کر کے اس میں ضم ہو جائیں ان کو بھی یہی حق یعنی امان حاصل رہے گا۔ اس آخر الذکر شرط سے اس قبیلے کی غیر مسلم شاخوں کے سمجھدار افراد کو امن حاصل کرنے کا ایک آسان ذریعہ حاصل ہو گیا ہو گا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک یا دو مہینے پہلے اس قبیلے کو ایک ہدایت نامہ بھیجا گیا تھا کہ جو جانور طبعی موت مر جائیں ان کے لاشے سے (چمڑوں پٹھوں کی حد تک بھی) استفادہ نہ کیا جائے۔ وہ نجس اور مردار ہیں (ابن طولون، ترمذی۔ طیالسی وغیرہ)

بنو ضمرہ سے دوستی اور حلیفی کا ابھی اوپر ذکر ہوا۔ یہ بھی بہت بڑا قبیلہ تھا اس کی ایک شاخ بنی عبد بن مدی تو مکے کے حدود حرم میں جا بس گئی تھی۔ قریش کے

---

[1] زمانۂ جاہلیت میں عرب قبائل اپنے سردار کو مال غنیمت کا ربع یعنی چوتھائی حصہ دیدیا کرتے تھے۔ آں حضرت صلعم نے اس میں تخفیف کر کے محض پانچواں حصہ مرکز کے لئے رکھا اور باقی چار حصے غانم سپاہیوں ہی کے لئے۔ اس سے بھی بہت سے قبائل کو قریش وغیرہ کی جگہ مسلمانوں کا ساتھ دینے کی ترغیب ہوئی ہو گی۔

اتنے قریب رہ کر ان کی مخالفت آسان نہ تھی تاہم ان کے رشتہ داروں کے دباؤ کا نتیجہ ہوگا کہ انھوں نے ایک وفد بھیج کر آں حضرتؐ سے یہ پیشکش کی کہ قریش کے ساتھ معاملہ تعلقات رکھتے ہوئے بھی یہ مسلمانوں کے دوست رہنا چاہتے ہیں اور قریش سے جنگ کی ایک چیز کو مستثنیٰ کرتے ہوئے باقی ہر طرح مسلمانوں کے طیف بننا چاہتے ہیں (ابن سعد ۱/۲۸۴) قریش کو دوستوں سے بچھڑ لینے اور مسلمانوں اور مسلمانوں کے دوست قبیلوں سے گھیر لینے کی پالیسی کو اس سے بہر حال مدد ملتی آں حضرتؐ نے اس پیشکش کو قبول کر کے اپنی طرف سے ان کا اطمینان دلایا۔ اسی کی ایک اور شاخ بنو غفار کہلاتی تھی۔ حضرت ابوذر غفاریؓ اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس قبیلے کا معاہدہ الفاظ اور شرائط سند جب کے باعث جنگ بدر کے لگ بھگ زمانے کا معلوم ہوتا ہے:-

| | |
|---|---|
| ۱- لبنی غِفار | ۱- بنو غفار کے لئے۔ |
| ۲- انھم من المسلمین۔ | ۲- یہ کہ وہ مسلمانوں میں سے (سمجھے جائینگے) |
| لھم ما للمسلمین | انھیں وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے |
| وعلیھم ما علی المسلمین۔ | اور ان پر وہی واجبات جو مسلمانوں پر۔ |
| ۳- وان النبی عقد لھم خطا لله | ۳- اور یہ کہ نبیؐ نے ان کے مالوں اور ان |
| وذمة رسوله علی ھوا لھم | کی جانوں کے متعلق اللہ اور اس کے |
| وانفسھم۔ | رسول کی ذمہ داری کا معاہدہ کیا ہے۔ |
| ۴- ولھم النصر علیٰ من | ۴- اور انھیں ایسے (دشمن) کے خلاف |
| بدأھم بالظلم | مدد دی جائے گی جو ان پر ظلم کے ساتھ |

Marfat.com

پیش قدمی کرے۔

۵- وان النبی اذا دعاھم لینصروہ اجابوہ وعلیھم نصرہ الا من حارب فی الدین ما بل بحر صوفۃ

۵- اور یہ کہ نبیؐ جب ان کو اپنی مدد کے لئے بلائیں تو یہ آپؐ کو لبیک کہیں گے اور ان پر آپؐ کی مدد واجب ہوگی۔ بجز اس کے جو دین کے بارے میں جنگ کرے۔ جب تک کہ سمندر کسی سیپ کو گیلا کرتا رہے۔

۶- وان ھذا الکتاب لا یحول دون اثم

(ابن سعد)

۶- اور یہ تحریر کسی گناہ (کے مواخذے) میں آڑے نہ آئے گی۔

(ابن سعد)

کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری پہلے عیسائی تھے یا کم از کم عیسائیت سے سخت متاثر تھے۔ کیا بنو غفار کا یہ معاہدہ عیسائی ذمیوں سے ہو رہا ہے؟ معاہدے کی ص۲ کا اگر دستور مدینہ کی ص۲۵ سے مقابلہ کریں (جہاں ابو عبید کی روایت میں مدینے کے یہودیوں کو بھی "امۃ من المسلمین" کہا گیا اور مذکورہ روایت صحیح ہو تو پھر یہاں بھی یہی قرار دینے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ اصل میں اس قبیلے کو اس معاہدے کے وقت مسلمان تصور کرنے میں ص۵ مانع سی ہے، جس میں دینی جنگوں میں ناطرفدار رہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ہو رہی ستثنا دستور مدینہ کی ص۴۵ میں مدینے کے یہودیوں کو بھی عطا کیا گیا ہے کہ "الا من حارب فی الدین" اس قبیلے کے کچھ لوگ نور ایمانی سے فوراً متنور ہو گئے ہوں گے مابقی اگر نصرانی یا

Marfat.com

بت پرست ہی رہتے ہوئے مسلمانوں سے حلیفی کرتے ہوں تو کوئی مانع نہیں رفتہ رفتہ اسلام ان میں پھیلتا گیا ہوگا۔

بنو ضمرہ کے کچھ رشتہ دار بنو بکر تھے یہ بھی مکے کے مضافات میں رہتے تھے اور مسلمانوں کے دوست خزاعیوں کے حریف و رقیب ہونے کے باعث صلح حدیبیہ کے بعد تک بھی مسلمانوں سے ان کی چشمک ہی رہی انھیں کی حرکت کے خمیازے میں قریش نے مکہ کھویا تھا۔

**مزینہ** یہ لوگ مدینے سے صرف بیس میل کے فاصلے پر رہتے تھے جیسا کہ ابن سعد (۲/۳۸) نے لکھا ہے۔ لیکن رخ نہیں بتایا۔ گمان ہوتا ہے کہ یہ بھی مدینے کے مغرب میں ینبوع وغیرہ ساحل کے قریب رہتے تھے۔ کیونکہ اس قبیلہ کے ایک سردار کو نبلیہ کی کانیں جاگیر میں عطا ہوئیں۔ حال میں ایک امریکی کمپنی قبیل نامی گاؤں میں ایک پرانی افتادہ کان میں جدید کھدائی کر کے دو سال تک سونا نکالتی رہی (جیسا کہ اس کے ایک کارپرداز نے ۱۳۹۵ھ میں مدینہ منورہ میں بیان کیا) اب سونا ختم ہو جانے کے باعث قبیل کی کان کو دوبارہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کان کے قریب ایک پرانے قبرستان میں ایک کتبہ بھی کارپردازوں کو ملا ہے جس میں بلال بن حارث مُزنی کی کان کی اس جاگیر کا پروانۂ بخشی کندہ تھا۔ ابو یوسف نے قبلیہ کو فُرع کی سمت میں لکھا ہے جو مدینے کے شمال مغرب میں ہے اگر جدید قبیل ہی قبلیہ ہے اور ابو یوسف کا بیان بھی اس سے متعلق ہے تو پھر جہت اور مقام کا تعین ہو جاتا ہے۔ اور جیسا کہ نظر آئے گا یہ اسی اہم تجارتی شاہ راہ سے متعلق ہے جو قریش کے مواصلات کی شہ رگ تھی۔ گویا آں حضرت نے اس علاقے

Marfat.com

کے ایک سردار کو ایک قیمتی جاگیر دے کر اس کا پابند کیا کہ قریشی آمد و رفت کو روکنے میں ہاتھ بٹائے۔ اس جاگیر کے ذکر کے ساتھ ہمارے مؤلف یہ بھی لکھتے ہیں کہ "اس کان سے آج تک بھی کوئی زکوٰۃ نہیں لی جاتی"۔ حکومت نے گویا جاگیر ہمیشہ حقوق عطا کر دی تھی۔ اس سردار بلال بن حارث کو کان کی جاگیر دیتے ہوئے پروانے میں یہ لکھا کہ "آپؐ نے اسے کسی مسلمان کا کوئی حق نہیں دیا"۔ گویا یہ معاملہ یا تو لاوارث افتادہ تھی یا مسلمانوں کے دشمن غیر مسلم مزنیوں کی تھی جس کا پروانہ آں حضرتؐ نے بلال کو دے دیا۔ ابن سعد کے مطابق یہ لوگ ۸ھ میں مسلمان ہوئے اور ان کے کئی سو آدمی مدینہ آئے مگر آں حضرتؐ نے انھیں حکم دیا کہ وہ اپنے وطن ہی میں جائیں تاکہ اس اہم علاقے پر کوئی غیر مسلم قبیلہ قبضہ نہ کر لے۔ اسی سردار کو آں حضرتؐ نے کچھ زرعی اراضی کی جاگیر کا بھی پروانہ عطا فرمایا جو ابن سعد وغیرہ میں ہے۔ ابو یوسف وغیرہ لکھتے ہیں کہ اس پر کاشت نہ کرنے اور افتادہ ڈال رکھنے کے باعث اس کا کچھ حصہ بعد میں حضرت عمرؓ نے بھی حکومت واپس لے کر نوآبادکاری کے خواہشمندوں کو دیدیا۔ اس پروانے پر کاتب کا نام معاویہ لکھا ہے گویا فتح مکہ کے بعد یہ دوسرا پروانہ عطا ہوا۔

## اشجع اور عامر بن عکرمہ

اشجع بہ ظاہر قبیلہ غطفان کی ایک شاخ ہے یعنی یہ قریش کے کاروانی راستے پر مدینے کے شمال میں بستے تھے۔ جب دو تین سال کی جدوجہد کے بعد مسلمان اس تجارتی شاہراہ پر مؤثر نگرانی قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ تمام قبائل جو کاروان سرائے کا پیشہ کر کے پلتے تھے بے روزگار ہو گئے۔ چنانچہ ابن سعد نے ۹ھ صراحت سے لکھا ہے قبیلہ اشجع اسی معاشی کساد بازاری کے باعث اپنا وفد مدینہ بھیجا اور آنحضرتؐ

Marfat.com

سے حلیفی کرتا ہے۔ نعیم بن مسعود سے کیا ہوا معاہدہ بھی کافی ابتدائی زمانے کا ہے اور مورخ بھی صراحت کرتے ہیں کہ اُنھوں نے جنگ خندق (۵ھ) سے قبل اسلام قبول کیا تھا۔ اس کا متن بھی درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مہربان رحم والے اللہ کے نام سے۔

۲۔ ھذا ما حالف علیہ نُعیم بن مسعود بن رُخیلۃ الاشجعی۔ ۲۔ نعیم بن مسعود بن رخیلہ اشجعی نے اس بات پر حلیفی کی۔

۳۔ حالفہ علی النصر والنصیحۃ ما کان اُحد مکانہ مابل بجرُصوفۃ ۳۔ اس نے مدد اور بہی خواہی کے لئے آپ سے حلیفی کی جب تک کہ احد پہاڑ اپنی جگہ رہے اور جب تک سمندر کسی عیب کو گیلا کرتا رہے

۴۔ وکتب علی (ابن سعد) ۴۔ اور اس کو علی نے لکھا۔ (ابن سعد)

قبیلہ عامر بن عکرمہ بھی اشجعیوں کے رشتہ دار تھے۔ آں حضرت نے ان کو کارواں سرائیگی کے حق کی توثیق کا پروانہ عطا فرمایا (ابن سعد ۱/۲ ۳۲) اور ان کے ایک سردار کو ایک جاگیر بھی عطا فرمائی (ابن سعد ۱/۲ ۲۵۔ دیلمی وغیرہ) ترمذی (۱/۱۲۸) میں ایک دستاویز ہے کہ آں حضرت نے اسی جاگیردار علاء بن خالد کے ہاتھ ایک غلام یا لونڈی فروخت کی جس میں فروخت شدہ شے کے بے عیب ہونے کا اطمینان دلاتے ہوئے "ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ہاتھ بیع" کا اصول تحریر فرمایا ہے۔

Marfat.com

یہ قبل خندق کی سیاست تھی کہ قریش کا تجارتی راستہ بند کر دیا جائے۔

(۲)

غزوہ خندق کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ قریش کے اقدام کا دور ختم ہو گیا اب جزر شروع ہو گا" اور یہ کہ اب مسلمان ہی جوابی اقدام کریں گے۔ حسب سیاست میں منفی و تخریبی پہلو کی جگہ اب مثبت اور تعمیری پہلو شروع ہو گیا۔ چنانچہ اس کے بعد سے قبائلی معاہدات میں یہ امر ملحوظ رہنا صاف نمایاں ہے کہ کے کے اطراف اسلام کے دوست قبائل کا گھیرا ڈالا جائے۔ قریش کے دشمن تو آسانی سے دوست بن سکتے تھے۔ کوشش کی گئی کہ قریش کے دوست بھی ان کو چھوڑ کر مسلمانوں کے دوست بنیں یا کم از کم ناطرفدار رہیں جیسا کہ قریشی تعلقات کے باب میں تذکرہ ملے گا۔

**خزاعہ** خزاعہ تھا تو قحطانی یعنی یمنی قبیلہ لیکن عہد نبوی میں مکے کے قرب و جوار میں رہتا تھا اور اس قبیلے کا پڑاؤ اتنا بڑا ہوتا تھا جتنا حج کے زمانہ میں پورے منا کی آبادی۔ اس کی بہت سی شاخیں تھیں اور رشتے میں بنی المصطلق کے سوا باقی اوروں سے عموماً مسلمانوں کے تعلقات ہمیشہ بہت اچھے رہے[1]۔ اس کے کچھ تاریخی اسباب بھی تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں عبدالمطلب نے اسی قبیلے سے تسلسل بعد نسل دو امی حلیفی کی تھی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان نے اس حلیفی کو نبھایا بھی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر ۶ھ میں جب یہ تجویز تھی کہ نہ صرف مسلمانان مدینہ اور قریش مکہ ہی بلکہ اور بھی جو جو قبائل جس فریق کی طرف سے معاہدے کے ساتھ

---

[1] محاصرۂ خندق کی قریشی تیاریوں کی اطلاع انھوں نے مکے سے بمشکل صرف چار دن میں آکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی (رشادی)

اپنی وابستگی ظاہر کریں، انھیں بھی صلح حدیبیہ سے استفادے کا حق ہوگا تو خزاعہ نے فوراً اعلان کیا کہ وہ آں حضرتؐ کے ساتھ شمار کیے جائیں۔ اسی موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالمطلب کے پرانے حلف نامے کی تجدید بھی منظور فرمائی اور ارشاد ہوا کہ "زمانہ جاہلیت کی ہر طے شدہ کو اسلام مضبوط تر ہی کرتا ہے"۔ اور جیسا کہ اوپر بھی اشارہ ہوا، قریش کے حلیف بنو بکر نے جب خزاعہ سے کسی بات پر ناراض ہو کر شب خون مارا اور قریش بھی اس میں حصہ دار بنے تو صلح حدیبیہ ٹوٹ گئی اور مسلمانوں نے مکے پر حملہ کر کے انتقاماً شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس واقعے کی زیادہ تفصیلیں نہیں ملتیں کہ ہنگامہ کس بات پر ہوا۔ بجز اس کے کہ ان کا ایک وفد دوڑا دوڑا فریاد کے لئے مدینہ منورہ آیا اور ایک مظلوم معروضہ کیا جس کے اہم ابیات یہ ہیں:۔

لاھمّ انی ناشد محمّدا ۱ حلف ابینا وابیہ الاتلدا ۱

اے اللہ میں محمدؐ کو یاد دلاتا ہوں وہ موروثی حلف جو ہمارے باپ اور اس کے باپ میں ہوا تھا

ان قریشاً اخلفوک الموعدا ونقضوا میثاقک المؤکدا ۱

کہ قریش نے تجھ سے وعدہ خلافی کی اور تیرے پختہ عہد کو توڑا۔

ھم ثبتونا بالوتیر ھجّدا ۱ فقتلونا رکّعًا وسجّدا ۱

انھوں نے ہم کو وتیر کی سفیدیوں میں سوتے ہوئے آ دبوچا اور وہیں رکوع و سجود کی حالت میں قتل کیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان دلایا کہ تمہاری مدد کی جائے گی ابن سعد وغیرہ نے بدیل وغیرہ خزاعی سرداروں کے (جو صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے) نام ایک مکتوب سے نقل کیا ہے۔ بہ ظاہر یہ صلح حدیبیہ کے بعد

Marfat.com

اور فتح مکہ سے قبل کے زمانے کا ہے۔ اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوستی اور عظیم محبت کا انھیں یقین دلایا ہے اور کہا ہے کہ انھیں بھی مکے میں اتنے ہی حقوق حاصل ہیں جتنے مسلمانانِ مدینہ کو یعنی وہ حج و عمرے کے لئے تو وہاں جا سکتے ہیں لیکن سکونت و توطن کے لئے نہیں یہ بھی یاد دلایا کہ خود آپؐ کی طرف سے خزاعیوں کو کوئی گزند صلح حدیبیہ کے بعد سے نہیں پہنچا اور نہ آئندہ انھیں ڈرنے کی کوئی وجہ ہے۔ پھر اطلاع دی ہے کہ کلاب و ہوازن کے فلاں فلاں سرداروں نے بھی مع اپنے قبیلوں کے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اور انھیں مکرر یقین دلایا ہے مسلمانوں اور خزاعیوں میں مساوات ہے۔ گمان ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد خزاعیوں کو مکے میں کوئی تکلیف ہوئی اور ممکن ہے یہ تکلیف اس بنا پر ہوئی ہو کہ وہ صلح حدیبیہ میں مندرجہ حقوق سے زیادہ کا اپنے کو مستحق سمجھنے لگے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چھیڑ چھاڑ کا آغاز اسی سے ہوا ہو جس کا نتیجہ مندرجہ بالا خونریزی کی صورت میں نکلا۔

خزاعہ کی ایک شاخ قبیلہ اسلم تھی۔ ابن سعد (۲/۱۴۲) نے ان کے نام ایک پروانۂ نبوی درج کیا ہے:۔

۱۔ اسلم کے لئے جو خزاعہ کی شاخ ہے۔ ان لوگوں کے لئے جن میں سے ایمان لاتے ہیں نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے دین کے بارے میں بھی بیخواہی دکھاتے ہیں۔

۲۔ انھیں ایسوں کے خلاف مدد دی جائے گی جو ظلم سے ان پر چانک دھاوا بول دیں۔

۳۔ اور ان پر نبیؐ کی مدد واجب ہو گی جبکہ آپؐ ان کو بلائیں۔

۴۔ اور ان کے خانہ بدوش بدویوں کے لئے بھی وہی (حقوق و واجبات) ہیں جو ان کی بستیوں میں رہنے والوں کے لئے۔

۵۔ اور وہ مہاجر ہی ہیں جہاں بھی وہ رہیں۔

۶۔ اور العلاء بن الحضرمی نے لکھا اور گواہی ثبت کی۔

اس دستاویز کی پہلی سطر ہی میں "اسلم من خزاعۃ" کے قطعی الفاظ ہیں لیکن ابن سعد کے استاذ واقدی نے اپنی کتاب المغازی (مخطوطہ برٹش میوزیم ورق ۱۷۹/ب - ۱۸۰/ب) میں یہ دستاویز کسی قدر طویل تر الفاظ میں دیتے ہوئے اَسْلَمَ کے لام کو پیش کے ساتھ "اَسلُمُ" لکھا ہے۔ من خزاعۃ کے الفاظ وہاں نہیں ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غدیر الاشطاط نامی تالاب پر خیمہ زن تھے جب وہاں کا سردار بریدہ بن الخصیب حاضر ہوا اور اپنی قوم کا اسلام پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ ہماری بستی اور جانور ہیں۔ کچھ لوگ ہجرت کر کے مدینہ جا چکے ہیں باقی یہیں ہیں۔ اب آپ کا جو حکم ہو۔ آپؐ نے انھیں وہیں رہنے کی ہدایت فرماتے ہوئے ایک پروانہ عطا فرمایا۔ اَسلُمُ (لام کے پیش سے) قبیلہ خزاعہ نہیں بلکہ قضاعہ کی شاخ تھی اور مکے کے قریب نہیں بلکہ ٹیئے کے بھی شمال میں قضاعیوں کے ساتھ بستی ہو گی۔ غدیر الاشطاط اب لاپتہ ہے[1]

یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ دونوں میں سے کس کے بیان کو ترجیح دی جائے۔ ابن سعد میں خزاعہ کی صراحت ہے۔ واقدی میں نام پر صرف پیش کا پڑھا جانا کاتب کا سہو بھی ہو سکتا ہے۔

---

[1] کیا یہی غدیر خم ہے جو رابغ کے پاس ہے؟

Marfat.com

اس دستاویز میں ہجرت کے حکم سے استثناء کا ذکر ہے۔ مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد آں حضرتؐ نو مسلم افراد کو ہجرت کر کر کے اسلامی سرزمین میں آبسنے کا حکم دیتے تھے اور فتح مکہ کے بعد اس کو منسوخ فرما دیا۔ اس حکم سے کبھی کبھی استثناء بھی ہوتا رہا اور ظاہر ہے کہ استثناء ۸ھ سے قبل ہی ہو سکتا ہے۔ اس سے اس پروانے کی تاریخ متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔

ابن سعد کے متن میں زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ باقاعدہ محکمۂ زکوٰۃ تو عہد نبوی میں ۹ھ میں قائم ہوا۔ لیکن غیر معین رضاکارانہ زکوٰۃ کا ذکر ابتداء اسلام ہی سے ملتا ہے۔ حضرت جعفر طیار حبش ہجرت کر گئے تھے تو وہاں نجاشی کی دریافت پر علاوہ اور باتوں کے بیان کیا تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو زکوٰۃ کی بھی تاکید فرماتے ہیں۔ قرآن مجید میں مکی سورتوں میں تو بنی اسرائیل کے متعلق بھی زکوٰۃ کا کئی بار ذکر ہے۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ ابتداء اسلام ہی سے اس کی مسلمانوں کو ترغیب دی جاتی رہی ہوگی۔

بعض اور قبائل کی طرح اسلم میں بھی کم از کم ایک سردار الحصین بن اوس کو جاگیر عطا ہوئی اور جناب رسالتؐ نے اس کا تحریری پروانہ عطا فرمایا جو ابن سعد (۲۲½) نے نقل کیا ہے۔ متعدد اسلمی سرداروں کے نام مکاتب نبوی کا ابن الاثیر وغیرہ نے ذکر کیا ہے مگر ان کی عبارت درج نہیں کی ہے جس کے باعث یہ کہنا مشکل ہے کہ ان میں کیا امور درج تھے۔

**جذام۔ قضاعہ۔ عذرہ** عرب کے شمال میں تبوک کے قرب و جوار میں ان قبائل کا پتہ چلتا ہے۔ اور بظاہر ۵ھ کی فتح

کے بعد ان لوگوں سے تعلقات پیدا ہوئے۔

اس زمانے میں سلاطین اطراف کے نام جو تبلیغی خطوط روانہ ہوئے ان کے سلسلے میں ابن ہشام وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایک سفیر کا مال و اسباب قبیلہ جذام کے علاقے میں بعض ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ اس پر اطراف کے بعض نو مسلم جذامی خاندان مدد کو دوڑے اور لٹا ہوا مال و اسباب واپس دلایا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ایک تادیبی مہم روانہ فرمائی مگر غلط فہمی سے بعض بے قصور بھی اس کی زد میں آ گئے۔ انھوں نے مدینہ آ کر فریاد کی تو آپؐ نے ان کی تلافی کا انتظام فرمایا۔

ایک مکتوب نبوی رفاعہ بن زید جذامی کے نام اکثر مورخوں نے درج کیا ہے کہ "میں نے اس کو اس کی تمام قوم کی طرف تبلیغ کے لیے بھیجا ہے جو قبول کرے تو وہ اللہ اور اس کے رسول کی پارٹی میں شامل ہو گا جو روگردانی کرے تو اسے دو مہینے تک امان ہے"۔ یہ معلوم نہیں کب کا واقعہ ہے۔

ابن الاثیر کے مطابق تبوک سے (۹ھ) واپسی پر مالک بن احمر الجذامی نے آں حضرت سے مدینہ منورہ میں ملاقات کی۔ اس کے پردادے میں لکھا ہے کہ "جب تک وہ اور اس کے ساتھی نماز پڑھتے، زکوٰۃ دیتے، مسلمانوں کی اتباع کرتے، مشرکوں سے کنارہ کشی کرتے، مال غنیمت سے خمس ادا کرتے اور قبائلی ہمیئہ ہر جائزہ کا حصہ (سہم الغارمین) ادا کرتے نیز فلاں فلاں حصہ ادا کرتے رہیں تو انھیں اللہ اور محمدؐ کا امان حاصل رہے گا"۔

اس میں "سہم الغارمین" عجیب سی چیز ہے۔ عہد نبوی میں مدینہ منورہ میں

Marfat.com

قبیلہ دار سماجی ہمے کا ایک نظام پایا جاتا تھا جس کے تحت اگر کوئی فرد قبیلہ کبھی مالی ہرجانہ ادا کرنے کا پابند بنتا مثلاً خوں بہا وغیرہ تو پورا قبیلہ مل کر وہ ہرجانہ ادا کرتا۔ اور اگر ایک قبیلہ اپنے وسائل سے اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکتا تو دوسرے قبائل اس کی مدد کرتے۔ معلوم نہیں اسی طرح کی کوئی چیز مراد ہے یا کچھ اور۔

**دُومۃ الجندل** "دومۃ الجندل ... زمانۂ قدیم سے شمال اور جنوب کے درمیان یعنی ایک طرف آرام اور بابل دوسری طرف ہند اور مصر کے سلسلۂ تجارت کو جاری رکھنے کے لئے شاہ راہ کا کام دیتا تھا" (بلیکیں بائبل ہسٹری باب ۴ فصل ۲ ص ۴ بحوالہ ماہنامہ دبدبۂ آصفی، شعبان ۱۳۲۳ھ) قلقشندی نے صبح الاعشیٰ (۴/۲۹۲) میں لکھا ہے کہ "یہ شام و عراق کے درمیان ایک حد فاصل تھا"۔ گویا عرب سے شمال کو جانے والے تجارتی کارواں سب یہیں پہنچتے پھر شام یا عراق جدھر جانا ہو الگ الگ رخ میں مڑتے تھے۔ یہاں زمانۂ جاہلیت میں ایک عظیم الشان سالانہ میلہ (سوق) بھی لگتا اور اس کی اہمیت کے مدنظر اس کی ملکیت کے لئے آئے دن جنگیں ہوا کرتیں (تفصیل کیلئے دیکھو ابن حبیب کی المحبر اور المرزوقی کی الازمنہ والامکنہ میں باب اسواق العرب نیز کتاب عہد نبوی کا نظام حکمرانی میں متعلقہ باب) اکیدر عبادیوں کے غلبے کی صورت میں اور قنافہ کلبیوں کی صورت میں یہاں کا حکمراں بنتے۔

بظاہر خیبری یہودیوں اور مکی قریشیوں کی سازش سے ۵ھ میں اکیدر نے مدینہ آنے والے غلے کے کاروانوں کو یہاں ستانا اور ہراساں کرنا شروع

کیا جیسا کہ مسعودی (التنبیہ والاشراف ص ۲۴۸) نے لکھا ہے۔ یہ بڑا خطرناک ہوتا۔ چنانچہ فوراً آں حضرت اس کی خبر لینے کے لئے بہ نفس نفیس روانہ ہوئے اطراف کے کچھ مفسدوں کی کان گوشی بھی فرمائی (ابن سعد ۲/۴۴۔ سطر ۲۲) اتنے میں احزاب نے خندق کے محاصرے کی ٹھان لی تو آں حضرتؐ آدھے راستے سے مدینہ واپس ہو گئے (ابن ہشام ص ۶۶۸) مسند ابن حنبل (۳/۱۳۳) میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس کی روایت ہے کہ کتب الی اکیدر دومۃ یدعوہم الی الاسلام" آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تبلیغی خط کا بظاہر کوئی اثر نہ ہوا۔ اب مناسب یہ معلوم ہوا کہ اکیدر کے حریفوں سے (جو اس زمانے میں مغلوب تھے) دوستی پیدا کی جائے۔ چنانچہ چند ماہ بعد ۶ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی سرکردگی میں ایک مہم بھیجی گئی جو فوجی سے زیادہ سیاسی تھی۔ اُنھوں نے قبیلہ کلب میں تبلیغ اسلام کی اور جب نتیجہ اچھا نکلا تو اس کے ایک سردار الاصبغ کی لڑکی سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب الحکم خود نکاح بھی کر لیا (ابن سعد ۲/۶۴) اور اس طرح دومۃ الجندل کو مفسدوں سے پاک کرنے کا وسیع اور دور رس انتظام شروع کیا گیا۔ حدیبیہ و خیبر کے بعد تجارتی شاہراہ خود ہی پُر امن ہو گئی ہو گی لیکن اکیدر جو نصرانی تھا، ایک خطرناک ہمسایہ ہی تھا آخر ۹ھ میں جب تبوک کی مہم اختیار فرمائی گئی تو حضرت خالد بن الولید کے تحت بھیجے ہوئے فوجی دستے نے اکیدر کو زندہ گرفتار کر کے آستانۂ نبوی کی خدمت کے لئے لا حاضر کیا۔

اس کے بعد کے حالات میں اُلجھن ہے۔ ایک طرف تو ہمارے مؤلف

(ابن سعد وغیرہ) بیان کرتے ہیں کہ اکیدر نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ جزیہ دینا کرنے پر رضامندی ظاہر کی اور اپنا قلعہ ہتیار اور اپنے علاقہ کی غیر مزروعہ زمین سپرد کرنی منظور کر لی۔ لیکن بعض مؤلف دوسری طرف اس معاہدے کی جو نقل درج کرتے ہیں اس میں جزیے کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس اکیدر کے اسلام لانے، چھوٹے بڑے غلاموں اور بچوں کو چھوڑنے، نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کے اقرار پر مشتمل ہے۔ شاید بلاذری (فتوح ص۶۲) کی روایت ہی صحیح ہو کہ اس نے اسلام قبول کر لیا مگر جلد ہی مرتد بھی ہو گیا اور خالد بن الولید کے ہاتھوں مارا گیا۔ ارتداد پر جزیے کی شرط اور صلح پھر بھی ناقابل فہم ہے۔ واحد حل جو سمجھ میں آتا ہے یہ ہے کہ معاہدے کی جو نقل ہمارے مؤلفوں کو ملی وہ اصل نہیں ہے بلکہ بعد کے زمانے میں جب یہ علاقہ پوری طرح مسلمان ہو گیا تو ان لوگوں نے ایک جعلی عہد نامہ تیار کیا (تاکہ اپنے جد اعلیٰ اکیدر کو بھی ایک صحابی ظاہر کرنے کا موقع اور فخر حاصل کر سکیں)، اس جعل میں ان کو اپنے ہمسایہ قبیلہ کلب کے معاہدے سے مدد ملی ہو گی۔ یہ حارثہ بن قطن کلبی کے نام مکتوب ہے اور اس میں افتادہ زمینوں، نماز اور زکوٰۃ کی صراحت کم و بیش انھیں الفاظ میں ہے جو اکیدر کی طرف منسوب معاہدے میں ہے اور سب سے عجیب یہ کہ حارثہ کلبی کا یہ پروانہ "دومۃ الجندل والوں اور اس کے اطراف میں رہنے والے کلبیوں کے لئے" ہے۔ گمان یہ ہوتا ہے کہ اکیدر کی گرفتاری اور رہائی کے بعد اس سے قلعہ اور افتادہ زمینیں جو لے لی گئی تھیں، وہ تو مسلم کلبی سردار حارثہ کو جو قریب ہی جوار میں رہتا تھا دیدی گئیں اور حسب قاعدہ پروانہ لکھ دیا گیا۔ واللہ اعلم۔ قطن بن

Marfat.com

حارثہ کے نام بھی ایک مکتوب نبوی ملتا ہے۔ اس میں انھیں نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کی گئی ہے۔ معلوم نہیں یہ مذکورہ صدر حارثہ کا بیٹا ہے یا کوئی اور۔

اکید کے معاہدے کی ایک ذیلی تفصیل بھی دلچسپ ہے ابن سعد و غیرہ لکھا ہے کہ اس معاہدے پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مُہر کی جگہ ناخن کا نشان ثبت فرمایا (فختم بظفرہ) اکید رعبادی یعنی حیرہ کا رہنے والا تھا۔ حیرہ کی جگہ آج کل کوفہ آباد ہے۔ یہ بابلی سرزمین ہے اور عہد نبوی سے پہلے یہاں بڑا پرانا رواج تھا کہ معاہدہ کنندہ اپنے انگوٹھے کے ناخن سے ہلال کی شکل معاہدے پر ثبت کرے۔ پرانے بابلی معاہدے جو اینٹوں وغیرہ پر دستیاب ہو رہے ہیں ان میں اس کی بکثرت مثالیں اور صراحت ملتی ہے۔ حوالے کے لئے:-

1. Oulf Kruckman, Neue babylonische Recht- und Vewaltungstaxte, Text 37, Tafel 28

2. B. Meissener, Baybylonien und Assyrien. I, 179.

3. Ch. Edwards, The Hummurabi Code, p. 11.

بعض حالیہ مؤلفوں نے "بظفرہ" کو ہو "بطینہ" پڑھ کر خیال کیا ہے کہ چپڑی مٹی سے لاکھ کی طرح مہر کی ہوگی۔ مگر مذکورہ بالا توضیح اور قدیم رواج کے مدنظر یہ خیال کرنا چاہئے کہ اکید کے اصرار پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس کے ملک کے رواج کے مطابق "قہر" کی اور ناخن کا نشان معاہدے پر لگایا۔

(۳۱)

فتح مکہ کے بعد عرب قبائل سے تعلقات میں مساوات کی جگہ اسلامی برتری اور عطا صاف نمایاں ہے۔

## حنین۔ ہوازن۔ ثقیف۔ طائف

مکے پر مسلمانوں نے اچانک حملہ کر کے بے لڑے بھڑے آسانی سے قبضہ کر لیا اور آں حضرت کی بے نظیر فراخ دلی اور عفو و منشی سے متاثر ہو کر وہاں کے اکثر لوگ مسلمان ہو گئے تو ہوازن اور ثقیف کا پریشان ہونا سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں ہوا۔ مسلمان ملک گیری کے لئے کبھی اقدام نہیں کرتے تھے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولادت پر ہوازن ہی میں دودھ پیا اور پرورش پائی اور کئی سال ان میں گزارے تھے۔ آں حضرتؐ اس کی پاس داری میں بھی یقیناً اقدام نہ فرماتے۔ بہرحال بعض باتوں سے کچھ استناد شاید کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مکے والوں کی بہت سی جائداد طائف اور اس کے اطراف کے زرخیز علاقے میں تھی۔ روایت ہے کہ اس جائداد پر مال لاوارث سمجھ کر طائف والوں نے قبضہ کر لیا اور اس ڈر سے کہ کہیں مکے والوں کی استدعا پر اس غصب کی تلافی کی کوشش نہ کریں، فوجی جتھا بندی شروع کی۔

۲۔ آں حضرتؐ چاہے بھول گئے ہوں کہ ہجرت سے قبل یہاں آپؐ کے ساتھ کیا جاہلانہ اور بے وردانہ سلوک کیا گیا تھا، لیکن دل کا چور خود طائف والوں کو نہ بھولا ہوگا اور اس خوف سے کہ کہیں عام دنیاداروں کی طرح اب فوت

Marfat.com

طاقت حاصل ہو گئی پر اس شخص بدسلوکی کا بدلہ لینے کے لئے رحمۃ اللعالمین طائف کا رخ نہ کریں، دفاعی تیاریاں شروع کی گئیں۔

۳۔ عام دنیادار فاتحوں کی طرح اب فاتح مکہ کہیں طائف کے زخیز علاقے کی طرف بھی للچائی ہوئی نظر نہ ڈالے۔ اس کے لئے احتیاطاً فوجی اجتماع ہونے لگا

۴۔ مکے نے اچانک دھاوے پر ہتھیار ڈال دیئے تھے اسے لڑائی میں شکست نہیں ہوئی تھی۔ طائف میں مقیم مکیوں نیز مکے کے نامال غیر مسلم باشندوں کی دیرینہ دشمنیوں کا بھی امکان ہے اور طائف والوں نے یہ سوچ کر کہ عین وقت پر غیر مسلم یا نیم مسلم اہل مکہ طائفیوں کے حملے کو نجات دہندہ سمجھ کر مدد دیں گے اور پانچویں کالم کا کام دیں گے جنگ کی تیاری کی۔

یہ یا کوئی اور ایسے اسباب تھے جن کو تاریخ نے اب بھلا دیا ہے کہ ہوازن اور ثقیف کے قبائل جمع ہونے لگے۔ آں حضرتؐ نے ایک جاسوس دریافت حال کے لئے بھیجا جو گئی دن ان کے علاقہ کر تفصیلی اطلاعات ان کی قوت اور ان کے ارادوں کے متعلق لے آیا۔ دفاع کے لئے انتظامی مہم بہتر سمجھی گئی اور اسلامی لشکر کے کا مناسب انتظام کر کے اور خود مکے سے حاصل ہونے والی کمک لے کر جس میں آدمی بھی تھے ہتھیار بھی زیادہ ہوا اور دشمن سے پہلے پہل حنین میں مڈبھیڑ ہو گئی مکے سے آنحضرتؐ یہاں چاروں میں پہنچے تھے (متاع مقریزی)

یہ اس وقت بھی ایک خیر آباد مقام ہو گا اور خلاف توقع دشمن سے مقابلے کے باعث اسے شہرت حاصل ہو گئی اور قرآن میں بھی اس کا ذکر آگیا اور آج بھی یہ جنبہ لاپتہ ہے۔ گذشتہ ہزار سوا ہزار برس سے جو مفسر و مورخ

Marfat.com

جغرافیہ نویس اور دیگر مؤلف اس کا ذکر کرتے آئے ہیں ان میں اس بارے میں باہم اختلاف ہے۔ کوئی اسے مکے سے ایک دن کی مسافت پر بتاتا ہے تو کوئی چار دن کی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی مہموں میں عادۃً توریہ (دکھاوا) کر کے چکر دار راستے سے دشمن پر جا پڑتے تھے۔ اسی لئے "عہد نبوی کے میدان جنگ" میں پیش کیا ہوا نظریہ ہی مکرر دہرانا پڑتا ہے کہ یہ حنین غالباً مکے سے طائف جانے کے راستے پر سیدھے راستہ کی جگہ نیم دائرہ چکر بنانے پر پڑتا ہوگا۔ یہ قرین قیاس نہیں کہ مکے سے صرف ایک دن کے فاصلے تک دشمن کا لشکر آ گیا ہو اور آں حضرت بے خبر رہے ہوں۔ یقیناً چار دن کی مسافت یعنی چالیس پچاس میل یا اس سے بھی کوئی زائد مسافت پر یہ معرکہ ہوا ہوگا۔

مسلمان لشکر جو دشمن کی کمین سے بے خبر پُر پیچ وادیوں اور دشوار گزار تنگ دروں میں سے گزر رہا تھا، یکایک عرب کے بہترین تیر اندازوں کی زد میں آ گیا اور تتر بتر ہو گیا۔ سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی انفرادی جانبازی اور استقلال پر جلد ہی مسلمان سنبھل گئے اور دشمن کو مار بھگایا۔ دشمن اپنے ساتھ نہ صرف اپنے تمام بیوی بچوں کو بھی لوا لایا تھا بلکہ اپنی پوری کائنات یعنی اونٹ بکری بھی۔ یہ سب بہ آسانی غنیمت بن گئے۔ اسے آں حضرتؐ نے حفاظت سے رکھوا کر دشمن کا پیچھا کیا۔ انھیں سوائے طائف کے فصیل دار شہر کے کہیں امن کی توقع نہ تھی۔ یہ ایرانی انجنیروں کا بنایا ہوا مضبوط قلعہ تھا (اغانی ۱۲/۴۸-۴۹)

Marfat.com

مسلمان بھی چلتے چلاتے طائف پہونچ گئے۔ معرکے کی تفصیل "عہد نبوی کے میدان جنگ" میں مل جائے گی۔ چند دن محاصرہ کرکے فتح کئے بغیر آں حضرتؐ واپس مکہ روانہ ہوگئے۔ شہر دس بارہ میل رہ گیا تو جعرانہ میں حنین کا مال غنیمت ملگایا اور حسب قاعدہ تقسیم کر دیا۔ ہوتان کو اب ہوش آیا۔ شرماتے اور روتے چلاتے آں حضرت کے پاس پہنچے اور رشتہ رضاعت کا واسطہ دے کر رحم کی درخواست کی۔ آں حضرتؐ نے کہا تم دیر کر کے آئے۔ فتح کے بعد سے اب تک اسی خیال سے انتظار کیا گیا کہ مسلمان ہو جاؤ تو سب مال و انسان واپس کر دیئے جائیں۔ اب مال اور بیوی بچوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرو۔ لازماً انھوں نے بیوی بچوں کا کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے خاندان والوں کا حصہ تو فوراً واپس کرتا ہوں۔ باقی کے لئے نماز کے وقت پبلک کے سامنے استدعا کرو۔ ان نومسلموں نے ایسا ہی کیا۔ آں حضرت نے اپنا پیغام دہرایا۔ فوراً صحابہ یکے بعد دیگرے اٹھے اور اپنے قبیلوں کی طرف سے بھی مال غنیمت کے عورتوں بچوں کو واپس کرتے گئے۔ آں حضرت نے عریف مقرر کئے کہ تفصیل سے فرداً فرداً ہر ہر سپاہی کا عندیہ معلوم کریں۔ اکثر نے مفت رہائی منظور کر لی۔ چند نے انکار کیا تو انھیں کہا گیا کہ ان کے حصے کی مالیت سرکاری خزانے سے ادا کی جائے گی مگر وہ لازماً رہائی منظور کریں۔ اس کا امکان ہے کہ چند ایک نوعمر غیر شادی شدہ لڑکیوں نے فاتحوں ہی کے پاس رہنا اور ان کے حبالۂ نکاح میں آجانا منظور کر لیا ہو۔ باقی سب عورتیں بچے ہوازن کے وفد کے ساتھ مسرت سے آنسو بہاتے اپنی بستی کو روانہ ہوگئے۔ پھر آں حضرتؐ بھی

Marfat.com

مدینہ سدھارے۔

غالباً مسلمانانِ مکہ نے طائف سے معاشی و داخلی قطع تعلق کر لیا ہو گا۔ اس معاشی دباؤ کو طائف کتنے دن سہار سکتا جبکہ اس کے چوطرف اسلام تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا؟ چند ماہ بعد آخر انھوں نے بھی آں حضرتؐ سے دوستی کے حصول کے لئے ایک وفد مدینہ بھیجا۔ ان کے ذہن میں اسلام صرف سیاسی سر تسلیم خم کرنا تھا۔ اسی لئے ان کے وفد نے ایک غیر مفتوح ملک کے نمائندے کی حیثیت سے ایسی شرطیں پیش کیں جو یقیناً خود اس کے اپنے ذہن میں بھی جہاد بڑھانے اور جہاد چلانے کے سوا کچھ نہ تھیں۔ چنانچہ انھوں نے کہا کہ وہ مسلمان ہونے کو تیار ہیں بشرطیکہ:-

۱- نماز سے مستثنیٰ کئے جائیں۔

۲- طائف کو بھی مکے کی طرح ایک حرم قرار دیا جائے (شائد حج سے استثناء منشا ہو)

۳- زکوٰۃ سے مستثنیٰ کئے جائیں۔

۴- جہاد سے مستثنیٰ کئے جائیں (یعنی جبری فوجی خدمت اور آں حضرت کی جنگوں میں رضاکار بھیجنے سے بری رہیں)

۵- ان کے شہر کا قدیم آبائی بت خانہ نہ توڑا جائے۔

۶- زنا کی انھیں ممانعت نہ رہے۔

۷- سود کی انھیں ممانعت نہ رہے۔ (۸) شراب کی انھیں ممانعت نہ رہے۔

اور کہتے ہیں کہ وہ معاہدے کا سودہ لکھ کر بھی لائے تھے کہ دستخط کی

جگہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مہر لگا دیں۔ معاہدہ کیا ہے کہ پورے اسلام سے استثنا ہے۔ معلوم نہیں روزے سے استثنا کا بھی مطالبہ کیا یا نہیں۔ بہر حال صاف نظر آئے گا کہ انھیں آں حضرتؐ کی مشن کی روح کو سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی تھی اور وہ اسے محض ایک ظاہر داری کا دھندا سمجھتے اور مفتوحوں پر عائد کی جانے والی شرطیں خیال کرتے ہوں گے۔ آں حضرتؐ نے فوراً قوت لیکن محبت سے ان کے خیالات کی تصحیح کی اور اس طور پر دلداری کی کہ وہ بھی سٹ گئے اور تمام لغو مطالبوں سے دستبردار ہو گئے۔ چنانچہ آں حضرتؐ نے انھیں بتایا کہ نماز اور عبادت کے بغیر انسان انسان نہیں رہتا اور ایسا مذہب کسی کام کا نہیں جو صرف دنیاداری اور مادہ پرستی پر مشتمل ہو۔ زنا کاری ایک پلید بداخلاقی ہے اور بتایا ہوگا کہ جس طرح تم اپنی بیویوں بچوں کا دوسرے کے ہاتھوں خراب ہونا پسند نہیں کرتے اسی طرح دوسرے بھی اپنی بیویوں بچوں کا تمھارے ہاتھوں خراب ہونا گوارا نہیں کر سکتے ان کی زکوٰۃ اور جہاد میں ان کی کمک اس وقت کی بڑی اسلامی مملکت کے لیے چھوٹی سی چیز ہوگی۔ آں حضرتؐ نے ان کو بروایت ابوداؤد اس سے مستثنیٰ کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ نیز طائف کو حرم قرار دینے پر اور خاص اس بارے میں ایک اعلان بھی جاری کیا گیا اور خلاف ورزی پر سزا مقرر کی گئی۔ لیکن قوم کی تعلیم چونکہ اب آں حضرتؐ کے ہاتھ میں تھی اس لیے قرآن کے پڑھنے اور اس کے ماننے والے افراد کے لیے اس استثنا سے جلدی ہی خود دستبردار ہونا ناگزیر تھا تاکہ مسلمانوں میں نکو نہ بنیں۔ بت خانے کے متعلق آں حضرتؐ نے ایک لطیف مذاق کیا اور کہا کہ تم اسے نہ

Marfat.com

توڑ دیں ہم اپنے آدمی بھجوا کر توڑ لیں گے۔ تمھارے اوہام کے مطابق کوئی بلا آئی ہے تو ہمارے آدمیوں پر آجائے گی۔ سود کے متعلق روایتوں میں کچھ ابہام سا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے عکاظ کے آئندہ میلے تک روا رکھو کیوں کہ بعد سے منسوخ کیا گیا اور کہا گیا کہ قرضوں میں سے صرف اصل رأس المال واپس لینے پر قناعت کی جائے۔ ان کے معاہدے کا جو متن تاریخوں نے محفوظ کیا ہے وہ دلچسپی کے لیے نقل کیا جاتا ہے:-

۱- مہربان رحم والے خدا کے نام سے۔

۲- یہ ایک تحریر ہے اللہ کے رسول محمدؐ کی جو نبی ہیں، ثقیف کے لیے۔

۳- لکھا جاتا ہے کہ ان کو اس خدا کا ذمہ دیا جاتا ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نبی محمد بن عبداللہ کا ذمہ اس چیز کے متعلق جو اس دستاویز میں لکھا گیا ہے۔

۴- بے شک ان کی وادی حرام ہے اور سب کی سب خدا کے لیے حرام کی گئی ہے۔ وہاں کے جنگلی خاردار درخت، وہاں کا شکار، وہاں ظلم کرنا، وہاں چوری یا کوئی برائی کرنا سب حرام ہیں،

۵- اور (اس وادیٔ) وج کا ثقیف ہی کو سب سے زیادہ استحقاق ہے ان کے طائف (قلعے) کو عبور نہیں کیا جا سکیگا۔ اور نہ کوئی مسلمان وہاں جا کر ان کو وہاں سے نکال سکیگا۔ وہ اپنے طائف میں یا اس کے سوا اپنی وادی میں جو عمارت چاہیں بنا سکیں گے۔

۶- ان کو نہ تو فوجی خدمت کے لیے جمع کیا جائے گا اور نہ ان سے عشر (زکوٰۃ)

Marfat.com

لیا جائے گا اور نہ ہی مال یا فات کے متعلق ان پر کوئی جبر کیا جا سکے گا۔

۷۔ یہ مسلمانوں ہی کا ایک گروہ ہیں۔ مسلمانوں میں جہاں چاہیں جا آ سکیں گے اور جہاں جانا آنا چاہیں جا آ سکیں گے۔

۸۔ اور ان کے پاس جو اسیر ہو وہ انھیں کا ہوگا۔ اور انھیں کو سب لوگوں سے زیادہ اس پر استحقاق ہوگا تاکہ وہ اس کے متعلق جو چاہیں کریں

۹۔ ان کو رہن کی ضمانت پر جو قرض وصول طلب ہو اور اس کی ادائی کی مدت آجائے تو وہ سود ہے اور اللہ سے برات اور جو قرض رہن کی ضمانت پر موہم عکاظ کے بعد تک کے لئے ہو تو اس کا اصل راس المال عکاظ کے وقت ادا کر دیا جائے ۔ (ابن عبدالبر اور لسان العرب کی روایت میں ہے: تو اس کا راس المال ادا کر دیا جائے اور عکاظ میں سود لیہ جا سکے گا۔ اس کے بعد نہیں)

۱۰۔ اور ثقیف کو ان کے کھانوں میں ان کے اسلام لانے کے دن لوگوں سے جو وصول طلب دیون ہیں، وہ ان کو ملیں گے۔

۱۱۔ اور ثقیف کو لوگوں سے جو امانت یا مال یا آدمی (یعنی لونڈی غلام) جسے امانت رکھانے والے نے مال غنیمت میں حاصل کیا تھا یا اس سے کھویا تھا، وصول طلب ہو تو ضرور واپس کئے جائیں گے۔

۱۲۔ اگر ثقیف کے کوئی لوگ یا سامان (دواب) غیر حاضر ہوں، تو اس کو بھی وہی امن حاصل ہوگا جو حاضر الوقت کو ہے اور ان کا جو مال لینہ میں ہو تو اس کو بھی وہی امن حاصل ہوگا جو وج میں کے مال کو ہے۔

Marfat.com

۱۳- اور ثقیف کا جو حلیف یا تجارتی معاملت دار ہوگا اس کو بھی ثقیف کے لئے طے شدہ امر ہی حاصل ہوگا۔

۱۴- اور اگر ثقیف پر کوئی الزام لگانے والا الزام لگائے یا کوئی ظلم کرنے والا ان پر ظلم کرے تو ان کے متعلق اس کی بات نہیں مانی جائے گی چاہے مال کے متعلق ہو یا جان کے۔ اور رسول کریم اور تمام مسلمان ان (ثقیف) کی مدد اس شخص کے خلاف کریں گے جو ان پر ظلم کرے۔

۱۵- اور لوگوں میں سے جن کے متعلق انھیں ناپسند ہو کہ وہ ان کے ہاں آئے تو ایسا شخص ان کے ہاں نہ آسکے گا۔

۱۶- اور بازار اور بیوپار گھوڑوں کے محنوں میں ہوگا۔

۱۷- ان کا امیر انھیں میں سے کوئی ہوا کرے گا کوئی دوسرا نہیں۔ چنانچہ بنی مالک پر ان کا امیر اور احلاف پر ان کا امیر ہوگا۔

۱۸- اور ثقیف والے قریش کے جن تاکستانوں کی آبرسانی کریں گے تو آبرساں کو اس کا آدھا ملے گا۔

۱۹- اور ان کو رہن کی ضمانت پر جو قرض وصول طلب ہو تو سود نہیں لیا جائیگا اگر رہن کے مالک فوری ادائی کے قابل ہوں تو ادا کر دیں گے اور اگر فوری ادائی نہ کر سکتے ہوں تو آئندہ سال کے جمادی الاولیٰ تک ہو سکیگا اور جس کا وقت آگیا اور ادا نہ کرے تو گویا اس نے سود لیا۔

۲۰- اور ان لوگوں سے جو قرض وصول طلب ہو تو انھیں راس المال کے سوا کچھ نہ ملے گا۔

Marfat.com

۲۱۔ اور ان کے پاس جو اسیر ہو جسے اس کے مالک نے بیچ دیا ہو تو اسی کو اس بیع کا حق ہوگا۔ اور جو بیچا نہ گیا ہو تو اس میں (فدیہ) چھے اونٹنیاں ہوں گی آدھوں آدھ تین سالہ اونٹنیاں اور دودھ پلائی (بنت لبون) عمدہ موٹی۔

۲۲۔ اور جس نے معاملۂ بیع کر کے کچھ خریدا ہو تو اس بیع کا اسی کو حق ہوگا۔

(ابو عبید کتاب الاموال ص ۵۰۶)

موطا امام مالک (ج ۳۱/۸۳) میں زمانہ جاہلیت کے سود کی جو کیفیت لکھی ہے وہ غالباً ثقیف پر بھی صادق آتی ہے کہ کچھ قرض دے کر مدت معین کی جاتی۔ اگر وقت پر ادا ہو تو فبہا ورنہ قرض کو دگنا قرار دے کر مدت بڑھا دی جاتی۔ اس مہلت میں بھی ادائی نہ ہو تو قرض کی مقدار پھر دگنی کر کے مزید مہلت دی جاتی۔

ابن سعد (ج ۳۳) نے ایک عجیب سی بات لکھی ہے کہ ثقیف کے وفد کے اصرار پر معاہدے کی دستاویز پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم (کی چونکہ نرینہ اولاد نہ تھی اس لئے آپؐ) کے دونوں نواسوں کی بھی گواہی ثبت کی گئی۔ امام حسن کی عمر اس وقت چار سال کی تھی اور امام حسین کی تین ساڑھے تین سال کی۔ کیا انگوٹھوں کا نشان لگایا گیا؟ ابو عبید (ص ۵۰۷) میں بھی اس کا کچھ ذکر ہے مگر محض قیاس آرائی۔

ایک مکتوب نبوی اور ملتا ہے۔ جس میں اہل طائف کے نام ہدایت نامہ ہے کہ مکئی کی شراب (غبیراء کی نبیذ) حرام ہے۔

چند ماہ بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور فتنۂ ارتداد کے وقت حضرت ابو بکر نے ان کے گورنر عثمان بن ابی العاص الثقفی کو حکم بھیجا کہ اپنے علاقے کے ہر تعلقے (مخلاف) سے فوجی رضاکار بھیجے۔ گورنر نے بروایت

طبری (ص ۱۸۷۱ و ص ۱۹۸۸) ہر مخالف کو بیس بیس سپاہی مہیا کرنے کا پابند کیا اور اس کی بے چون وچرا تعمیل ہوئی۔

طائف کے کچھ لوگ اس سے پہلے ہی اسلام لا چکے تھے ان کے وفد کی آمد کے وقت مغیرہ بن شعبہ الثقفی مدینے ہی میں تھے۔ خیبر میں منجنیقوں وغیرہ سے سابقہ پڑا تھا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں کو اس کے بنانے کی تعلیم پانے جرش بھیجا تھا ان میں عروہ بن مسعود ثقفی اور غیلان بن سلمہ ثقفی بھی تھے اور اسی تعلیمی سفر کے باعث وہ حنین اور محاصرۂ طائف میں آں حضرت کے ساتھ نہ رہ سکے تھے (ابن ہشام ص ۸۶۹۔ ابن سعد ۲/۵۲۔ نیز طبری) اس تعلیم گاہ جرش کا نیچے ابھی ذکر آتا ہے۔ ایک روایت میں تو طائف میں خود سلمان فارسی نے اپنے ہاتھ سے ایک منجنیق تیار کر کے لگائی۔

## جرش

طائف کے جنوب میں تبالہ اور جرش کافی اہم مقام تھے۔ فتح مکہ کے بعد لیکن غالباً طائف کے اسلام لانے سے قبل ایک یمنی سردار صرد بن عبداللہ الازدی نے اسلام قبول کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کا مجاز کیا کہ اپنے آس پاس کے علاقے میں مناسب فوجی کارروائیاں کریں۔ ابن ہشام (ص ۹۵۲) نے لکھا ہے کہ صرد بن عبداللہ آں حضرتؐ کے حکم سے ایک فوج لے کر چلے اور جرش میں اُترے جو اُن دنوں ایک فصیل زدہ شہر تھا۔ محاصرے کی تاب نہ لاکر اہل جرش مجبور ہوئے اور ایک معاہدہ کیا (جس کا خلاصہ بلاذری ص ۵۹ میں ہے) کہ ان کی جائداد انھیں کی رہے گی آئندہ مسلمان مسافروں کی گذرتے وقت یہ مفت مہمان نوازی کیا کریں گے۔ نیز یہاں کے اہل کتاب یہود وغیرہ پر جزیہ بھی لگایا گیا۔ نیز حضرت ابوسفیان کو

Marfat.com

یہاں کا گورنر مقرر کر کے بھیجا گیا۔

اس جُرش میں اس زمانے میں حیرت ہو گی کہ اتنا بڑا تمدن ہو کہ وہاں منجنیق دبابہ، ضبور وغیرہ قلعہ شکن اور دفاعی آلات بنتے ہوں۔ یہاں "مدینہ مغلقہ" ہونا بھی حیرت پر حیرت پیدا کرے گا۔

ایک اور شہر ہے جس کا نام (جیم کے زبر کے ساتھ) جَرش ہے۔ یہ جنوبی فلسطین (حالیہ شرق اردن) میں ہے۔ یونانی دور میں یہ بڑا اہم مقام تھا۔ اب تک اس کے شاندار کھنڈر ایک عظمت ماضی کے گواہ ہیں۔ مورخ اور جغرافیہ نگار (مثلاً یاقوت) یہاں کی فصیلوں وغیرہ کا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

گمان ہوتا ہے کہ منجنیق اور دبابہ بنانے کی صنعت سیکھنے کاریگر اسی شمالی جَرش بھیجے گئے ہوں گے۔ اور صرد بن عبداللہ کی مہم میں جُرش کے ساتھ "مدینہ مغلقہ" کے الفاظ محض سہواً آ گئے۔ راوی کو جَرش کا شائد پتہ نہ تھا یا جُرش سے وہ بے خبر تھا۔ دونوں کو ایک سمجھ لیا۔

اگر ایسا نہیں بلکہ طائف کے جنوب کی بستی جُرش میں بھی فوجی کلیں بنتی تھیں تو اس علاقے کو شاباش ہے کہ وہ مکے، مدینے اور طائف سے بھی تمدن میں پار تھا حتیٰ کہ طائف کے کاریگر وہاں تعلیم پانے بھیجے گئے۔

حسب معمول نومسلم جُرشیوں کے ساتھ مراعات کی گئیں۔ ان کے نام ایک مکتوب نبوی میں (جو دیبلی نے محفوظ کیا ہے) لکھا ہے کہ "اسلام لاتے وقت ان کے پاس جو قبائلی چراگاہ تھی وہ انھیں کے لئے محفوظ رہے گی جس میں ان کی اجازت کے بغیر کوئی اور اپنے جانور چرا نہ سکیگا۔ جو نہ مانے تو اس

کا مال بدر ہے جو چاہے چھین لے۔ زہیر بن حماط کے بیٹے کو جو قبیلہ خثعم میں ہے گرفتار کرو کیونکہ اس پر ایک ضمانت کی ذمہ داری ہے"۔ معلوم نہیں یہ کیا واقعہ تھا۔ ممکن ہے اسی کی بنا پر مصر بن عبداللہ کو تادیبی کارروائی کرنے پر مامور کیا گیا ہو۔

## متفرقات

۹ھ عام الوفود کہلاتا ہے۔ کیونکہ مکے کی فتح کے بعد سارے عرب کے درجنوں چھوٹے بڑے قبائل اسلام قبول کرنے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفدے کر حاضر ہوتے اور اپنے علاقوں کی ملکیت وغیرہ کے پروانے حاصل کرتے جاتے تھے۔ اس سال کے اواخر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ براءۃ کے نازل ہونے پر حج کے زمانے میں اس کا اعلان کرایا اور تمام عرب کو چار مہینے کی مہلت دی کہ اسلام کی اطاعت کریں ورنہ خدا اور رسول ان کی حفاظت کی ذمہ داری سے بری ہیں۔ اس مہلتیے کے ایک سال بعد جب رسول اکرمؐ نے ۱۰ھ میں خود حج فرمایا تو کہتے ہیں کہ ڈیڑھ لاکھ مسلمان میدانِ عرفات میں جمع ہوئے تھے ان کو مخاطب ہو کر آں حضرتؐ نے وصیت فرمائی اور جبل الرحمہ پر چڑھ کر حجۃ الوداع کا جو مشہور خطبہ دیا وہ حقیقت میں حقوق انسانی کا ایک منشور اعظم ہے۔ (اس کا ترجمہ آگے الگ درج ملے گا) اس کے تین ہی ماہ بعد آپؐ رفیق اعلیٰ جل شانہٗ سے جا ملے۔

جو قبائل مسلمان ہوتے جاتے وہاں دو گونہ سیاست کارفرما تھی۔ نہ صرف انھیں نماز پڑھا کرنے اور مرکزِ حکومت کو زکوٰۃ دیا کرنے کا پابند کیا جاتا

Marfat.com

بلکہ اس کی تعمیل کرانے پر ہر چھوٹے بڑے مقام پر مسلمان عامل (گورنر) مرکز سے مامور کر کے بھیجے جانے لگے۔ ان کا فریضہ کئی قسم کا تھا۔ مقامی لوگوں کو اسلامیات کی تعلیم دینا، اچھا کردار سکھانا۔ ان کے مقدموں میں انصاف کرنا اور ان سے زکوٰۃ وصول کر کے حسب قاعدہ خرچ کرنا اور گویا اس محصول کے معاوضے میں ان کی حفاظت کرنا اور ان کے علاقے میں سماجی بہبود کا نظام جاری کر کے زکوٰۃ کی رقم سے ہر محتاج مسکین کے لئے کھانا کپڑا بقدر ضرورت مہیا کرنا۔

اس سے چند لوگ جن کے پرانے حقوق مستقرہ متاثر ہوتے اور ان کی چودھریت ختم ہو رہی تھی یا ان کی لوٹ مار اور انسانیت سوزی کی آزادی میں دخل اندازی ہو رہی تھی، بپھر سکتے تھے اور بپھرے بھی۔ چنانچہ آں حضرتؐ کی زندگی کے آخری زمانہ اور خلافت صدیقی کا ابتدائی زمانہ اسی کی نذر ہوا جس میں گرداجس کا مختصر تبصرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔ تفصیل تو ایک خصوصی کتاب کی محتاج ہے اور واقدی کی اسی موضوع پر خصوصی تالیف (کتاب الردہ) جو دستیاب ہو گئی ہے اس قابل ہے کہ اسے شائع کیا جائے اور اس کی تفصیلی تحلیل کرے دیگر کتب تاریخ کے مواد سے اس کی تنقیح و تکمیل کی جائے۔

Marfat.com

# ارتداد و بغاوت

کسی کی کامیابی دیکھ کر حسد کا ہونا ذی الطبع انسانوں میں ایک عام فطری بات ہے۔ اور کچھ نہیں تو سارے عرب سے زکوٰۃ کا وصول ہو کر مدینہ جانا رقابت و لالچ کے جذبات کو بیدار کرنے کے لئے کافی تھا۔ زر کے ساتھ زمین و زور یعنی اقتدار کے لئے بھی کشمکش ہو سکتی ہے۔

**یمامہ و نجد** بنو حنیفہ کا ایک سردار ثمامہ بن اثال تھا ابن حجر (اصابہ ص ۹۶۱) نے لکھا ہے کہ قبل ہجرت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مکے میں تبلیغ کی تھی تو اس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکایا کہ مزید اصرار کیا تو جان سے مار ڈالوں گا۔ ۴ھ میں بئر معونہ میں اس کے علاقے میں عامر بن الطفیل وغیرہ نے دھوکے سے اسلامی مہمانوں اور مبلغوں کا قتل عام کیا تھا۔ ۶ھ کے آغاز پر (خمیس ۲/۳) ثمامہ زندہ گرفتار کر کے مدینہ لایا گیا۔ آں حضرت کی عنایت اور جاں بخشی سے متاثر ہو کر اس نے اسلام قبول کیا۔ اور یمامہ سے غلے کی برآمد مکے کو بند کر دی جو ابھی تک مسلمانوں سے برسر جنگ تھا۔ ثمامہ کا اسلام سچا اور پختہ تھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد کے موقع پر بھی اس نے اسلام کی عظیم خدمت انجام دی۔ (طبری ص ۱۹۱۲)

یمامہ و نجد کا ساحلی حصہ جو خلیج فارس سے متصل ہے، کافی حد تک ایرانی

اثرات میں تھا۔ بنو حنیفہ کے بڑے قبیلے کی ایک اور شاخ کا سردار ہوذہ بن علی تھا اشتقاق ابن درید (ص ۲۹) میں لکھا ہے کہ "کسرائے ایران نے اسے ایک ٹوپی عنایت کی تھی جس میں ایک جواہر لگا ہوا تھا جسے وہ پہنا کرتا تھا۔ اسی لئے ہوذہ کو ذوالتاج (تاج والا) کہا جاتا تھا" (نیز دیکھو عقد الفرید ۲/۲۷) یہ ایرانی کاروانوں کی حفاظت کا ذمہ دار اور شاہ ایران کا حلیف تھا۔ نینوی میں بیزنطینی قیصر روم کے ہاتھوں ایران کو شکست ہوئی اور ملک میں شاہ گردی ہونے لگی تو مرکز کا اثر ان دور دراز ماتحت علاقوں پر ڈھیلا ہو گیا۔ آں حضرت ﷺ نے ۸ھ میں ہوذہ کو دعوت اسلام کا خط بھیجا تو اس نے جواب دیا کہ آں حضرت ﷺ اس کو اپنا شریک اقتدار بنائیں تو وہ اسلام لانے پر آمادہ ہے۔ جلد ہی ہوذہ دنیا سے چل بسا۔ اور اسلام کی بڑھتی ہوئی کامیابی دیکھ کر بنو حنیفہ کے بھی چند قبائل مسلمان ہوئے (ابن ہشام ص ۹۴۵ وغیرہ)

اسی زمانے میں ایک اور قبیلے کا وفد مدینہ آیا۔ جس میں مسیلمہ بن حبیب بھی تھا تاریخ اسی کو مسیلمہ کذاب کے نام سے یاد رکھتی ہے۔ مدینے میں اسلام قبول کرنے کے باوجود وطن واپس ہوتے ہی اس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گستاخانہ خط لکھا اور ہوذہ بن علی کی طرح شرکت اقتدار کا دعویٰ کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سفیروں سے معلوم کیا کہ یہ سب مرتد ہو گئے ہیں اور ایک سخت جواب دیا گیا۔ اب مسیلمہ نے کھلم کھلا نبوت کا دعویٰ شروع کیا۔ اس فتنے کے انسداد کو کئی سال لگے۔ آخر خلافت صدیقی میں خالد بن الولید کے ہاتھوں اللہ کی تلوار جب چلنے لگی تو مسیلمہ اور اس کے

Marfat.com

بہت سے ساتھی مارے گئے اور اس فتنے کا خاتمہ ہوا۔ مسیلمہ ایک ادیب اور قابل شخص تھا۔ قرآن کی نقل میں اس نے بہت سی آیتیں اور چھوٹے سورے بھی بنائے تھے جن میں سے بعض تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔ لیکن اس مصنوعی قرآن میں ادب و اخلاق کی جگہ صرف سطحی ترنم بلکہ محض پاروڈی (PARODY) پائی جاتی ہے۔ مسیلمہ میں انتظامی قابلیت اور سیاسی کاربراری بھی کافی تھی۔ اس کی ہمسایہ سجاح تمیمیہ بھی نبوت کا دعویٰ کرنے لگی تو مسیلمہ نے آسانی سے اسے رام کر لیا اور وہ اپنی نبوت سے دستبردار ہو کر مسیلمہ کی حلیف بن گئی۔ مسیلمہ کا مصنوعی قرآن اس میں خوب کام آیا۔ سجاح کی جوانی کی رائیں مرادوں کے دن تھے۔ مسیلمہ سے تخلیے کی گفتگو سیاسی مسائل پر ہونے لگی تو مسیلمہ کے آگ لگا دینے والے انتہائی مخمس جملے کافی تھے۔ بیچاری عورت ذات گنتی دیر ضبط کرتی۔ جنس کے سیلاب میں ڈوب کر ختم ہو گئی۔ مسیلمہ کے قتل کے بعد اس نے توبہ کر لی اور پھر کہتے ہیں کہ راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے بہت دن تک زندہ رہی۔

حجۃ الوداع کے بعد یمن میں اسود العنسی نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا اس سردار کا نام ذوالخمار عیہلہ بن کعب تھا۔ قبیلہ مذحج نے اس کا ساتھ دیا اور نجران کا رنگ بھی بدلنے لگا۔ اس نے آں حضرتؐ کے مقرر عاملوں کو اپنے اور قبیلۂ مراد کے ہاں سے نکال باہر کیا۔ بعض عاملوں کو قتل بھی کر دیا۔ آں حضرتؐ نے اطراف کے افسروں کو اپنی قوت اکٹھی کرنے اور اس بغاوت کو فرو کرنے کی جدوجہد کا حکم دیا۔ اسود کا اثر ملک پر اس کے جادو منتر وغیرہ کے باعث نظر

آتا ہے۔ اس نے ایک مسلمان ایرانی النسل عورت پر اس کے حسن کے باعث ریجھ کر اور اس کے شوہر کو قتل کر کے تصرف کر لیا تھا۔ وہ راسخ العقیدہ لڑکی تھی اور اسی کی امداد سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک دو دن قبل اسود مارا گیا اور بے سری فوج پھر جلد بہ آسانی رام کر لی گئی اور اس فتنے کا بھی خاتمہ خلافت صدیقی میں ہوا۔ اس نے حضر موت سے طائف تک اپنا اثر پھیلا لیا تھا۔

مسیلمہ، سجاح اور اسود عنسی کا دیکھا دیکھی طلیحہ بن خویلہ اسدی نے بھی نبوت کا سوانگ رچایا۔ اور آں حضرت کو خط لکھ کر دوستی اور شرکت اقتدار کی خواہش کی۔ یہ مدینے کی شمال میں غطفان کا سردار تھا۔ خلافت صدیقی میں حضرت خالد بن ولید ادھر مامور ہوئے اور آسانی سے اس فتنے کا بھی انسداد ہو گیا۔

غالباً ہوذہ بن علی کے بعد ذوالتاج کا لقب اور عہدہ عمان کے لقیط بن مالک الازدی کو حاصل ہوا تھا۔ اس کو بھی نبوت کے دعوے کا شوق چرایا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں انیس[19] خط فتنۂ ارتداد و بغاوت کے انسداد کے لئے اپنے عاملوں اور راسخ العقیدہ قبائلی سرداروں کو تحریر فرمائے تھے۔ اتنے میں آپ کی وفات ہو گئی اور صورت حال میں بغاوت کے پھیلنے سے مزید نزاکت و انتشار پیدا ہو گیا۔ حضرت ابوبکر نے مدینے کے اطراف کی ایک بڑی فوج اسامہ بن زید کی سرکردگی میں فلسطین بھی بھجوا دی۔ اس سے بھی کہتے ہیں کہ شروع میں بعض لٹیروں کو سرزوری دکھانے کی حوصلہ افزائی ہوئی اور خود مرکز مدینہ ان کے نرغے سے گویا محاصرے میں آ گیا۔

Marfat.com

بغاوت کے کئی اسباب تھے۔ بعض لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ بعض جگہ نئے مدعیان نبوت پیدا ہو گئے تھے۔ اور بعض جگہ محض مرکزیت پسند عناصر تھا۔ اور زکوٰۃ کی مرکز کو ادائی سے انکار کیا جا رہا تھا۔ یاد ہو گا کہ ۹ھ کے اواخر میں سارے عرب میں زکوٰۃ کے محصل امور کئے گئے تھے اور ۱۰ھ کے آغاز پر رسول اکرم کی وفات ہو گئی۔ اس فتنے کا استیصال جس تیزی، خوبی اور قوت سے ہوا وہ اگرچہ تاریخ عالم کا ایک لافانی واقعہ ہے لیکن اس کے لئے ہم عہد نبوی سے باہر ہو جائیں گے۔ یہاں اس کی تفصیلیں زیادہ تر طبری سے لی گئی ہیں۔

Marfat.com

# عہد نبوی کی سیاسی دستاویزیں

مکتوبات نبوی کو جمع کرنے کا شوق عہد صحابہ ہی سے نظر آتا ہے۔ کسی دور کی سیاست کو سمجھنے کے لئے مورخوں کے عام تذکروں سے زیادہ اس دور کی سرکاری دستاویزوں پر اعتماد کرنا صحیح ہوتا ہے۔ اگرچہ عہد نبوی کی بہت سی دستاویزیں زمانے کی دستبرد سے اب ناپید ہو گئی ہیں، پھر بھی کسی اور قدیم نبی یا حکمران کے برخلاف رسول عربی کے سلسلے میں ایسا بہتا مواد محفوظ ہے وہ بے نظیر ہے۔

اپنے مطالعات سیرت کے سلسلے میں اس کی بھی کچھ خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔ ۱۹۶۱ء میں مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ کے نام سے ایک کتاب مصر میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں عہد نبوی کے کوئی پونے تین سو مکتوب یکجا ہوئے ہیں۔ پھر خلافت راشدہ کا کچھ ذخیرہ ہے اس کتاب کے چھپنے کے بعد سے بھی کوئی ڈیڑھ دو درجن مزید مکتوبات نبوی کا پتہ چلا۔ طبع جدید کا موقع ملے تو ان کا بھی اضافہ ہو کر پبلک کے استفادے کی صورت ہو سکتی ہے۔

اس باب کا ذکر صرف یہاں اس غرض کے لئے ہے کہ یہاں اگلے اور پچھلے اوراق میں جہاں مکتوبات نبوی کا ذکر ہے۔ ان کے لئے مذکورہ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ سے رجوع کیا جائے جہاں نہ صرف اس کا حوالہ ہے

Marfat.com

کہ کون سا مکتوب کس کس کتاب میں ملتا ہے، بلکہ متن کے ساتھ جملہ اختلافاتِ روایات بھی جمع کئے گئے ہیں۔ نیز حل لغات وغیرہ دیگر فوائد بھی ہیں۔ اپنے پیشروؤں کا بھی احترام کے ساتھ ذکر اور ان سے استفادے کا اعتراف ہے۔

جب ساری خلقت ازل سے ابد تک ایک واحد کل کی حیثیت رکھتی اور اگلی پچھلی چیزیں سب لازم و ملزوم ہیں تو کوئی ایک کتاب اپنی جگہ کیسے دوسروں سے بے نیاز کر سکتی ہے۔ ممکن ہے اس کتاب میں بھی تشنگی رہے۔ کارِ دنیا کو کس نے تمام کیا ہے؟!

Marfat.com

# اُمہات المومنین ازواجِ مطہرات نبویؐ
# اور
# عہد نبویؐ میں بین الاقوامی عصبیتوں کو دور کرنے کی
# بعض تدبیریں

**پس منظر** اب سے ہزار ڈیڑھ ہزار سال پہلے جب نہ تعلیم اتنی عام تھی نہ اجنبیوں کے میل ملاپ کے اتنے ذرائع یا مواقع تھے، نہ مختلف اقطاع عالم ایک دوسرے کے اتنے محتاج تھے جتنے آج ہیں تو یہ ناگزیر تھا کہ مذہب کے فرق وطن کے فرق، قوم و نسل کے فرق، قبیلے کے فرق، فرقے کے فرق بلکہ ہر لایعنی اور بے حقیقت فرق انسانوں میں خونریزی کا جائز سبب پیدا کر دیا کریں۔ الہامی یقین (یعنی مذہب) اور عقلی استقراء و استنباط (یعنی سائنس) اب اس پر متفق ہو چکے ہیں کہ کرۂ زمین کی موجودہ انسانی آبادی ایک ہی باپ کی اولاد ہے۔ اولاد آدمؑ میں ذاتی حفاظت مرکز کشی پر مجبور کرتی رہی تو معاشی ضرورتیں مرکز گریزی پر آمادہ کرتی رہیں اور اس مرکز گریزی نے برادر کشی تک کو جائز بنا دیا۔ یونانی اور لاطینی جیسی قدیم متمدن زبانوں میں (اور غالباً سنسکرت میں بھی) "دشمن" کے لئے جو لفظ پایا جاتا ہے، اس کے اصلی معنے محض "اجنبی" کے ہیں اور یہ ان زبانوں

کی پروردہ والی قوموں کے تصورات کا آئینہ دار ہے۔ کم متمدن قوموں کا کیا طرز عمل ہوگا اور وحشی قبائل کا کیا حال ہوگا، اس پر کچھ مزید کہنے کی ضرورت نہیں۔

جہاں تک عرب کے صحرائی براعظم کا تعلق ہے، وہیں وہاں بھی یہی صورت حال اپنی پوری شدتوں کے ساتھ ــــ بلکہ شائد سب سے زیادہ انتہائی صورت میں ــــ نظر آتی ہے۔ عرب اور عجم کا بنیادی امتیاز چھوڑ بھی دیا جائے تو عدنانی اور قحطانی قبائل کا باہمی تعصب کچھ اتنا شدید تھا کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں بھی اس کے اثرات پڑے بغیر نہ رہے۔ پھر عدنانیوں میں بھی مضر اور ربیعہ کی کشمکش کچھ کم شدید نہ تھی۔ اسی طرح نیچے اترتے ہوئے قریش وغیر قریش ایک مستقل مسئلہ تھا۔ اور خود قریش کے اندر بنی ہاشم و بنی امیہ کی رقابتوں سے جملہ اسلام کی تاریخ ہی کون واقف نہیں۔ ان سب کے علاوہ شہری اور خانہ بدوش یعنی حضری اور بدوی کا جھگڑا بھی الگ تھا۔ اور باہم ایک دوسرے کو حقیر سمجھتے تھے۔ آج بھی کوئی بدوی شتربان بڑی متانت اور استخفاف و حقارت کے ساتھ کہے گا کہ "مرغیاں اور کوئی بدوی پالے؟ وہ تو حضریوں کے پاس ہوتی ہیں"۔ جیسا کہ خود میرے ایک سوال پر حجاز میں جواب ملا تھا۔

ان کی جہالت اور اجڈپن کے باعث یہ کہنا ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ آج عالم امن میں کسی جرمن اور فرانسیسی میں، یا کسی پولستانی اور روسی میں باہم جو طبیعی نفرت ہوتی ہے وہ اس تنفر کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جو قبل اسلام کے ہم جد عربی قبائل میں آپس میں پائی جاتی تھی۔ اس چیز نے ان میں انفرادیت پسندی اتنی بڑھا دی تھی کہ نکاح بیاہ عموماً قبیلے کے اندر ہی ہوتا تھا۔ قبائلی عصبیت ایک

Marfat.com

قبیلے کے لئے دوسرے کو اپنا کفو یا ہمسر سمجھنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ پھر رات دن کی بات بات پر خانہ جنگیاں الگ تھیں۔ آبادی کی روز افزوں کثرت اور وسائل معاش کی عرب میں قلت الگ مسائل پیدا کر رہی تھی۔

**آغاز اسلام** ان حالات میں اسلام کا آغاز ہوتا ہے اور وہ ان تمام تنگ نظریوں اور عصبیتوں کے خلاف ایک دوسری انتہا پر پہنچا ہوا تھا۔ اسلام کے نزدیک عرب کا خدا بھی ایک ہی تھا اور عجم کا بھی۔ جو عدنانیوں کا خدا تھا، وہی قحطانیوں کا۔ تمام انسان ایک ہی باپ آدم کی اولاد ہیں۔ خدا گورے کالے ہونے یا زبانوں اور وطنوں کا فرق رکھنے سے ان کی فطری مساوات میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اگر کوئی برتری و فروتری ان میں آپس میں ہے تو وہ صرف ہر ایک کے ذاتی اعمال و اخلاق کے باعث ہے۔

یہ ظاہر خدا کی وحدانیت کا مسئلہ عقائد و دینیات سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس کی عمرانی اہمیت بھی اسلامی سماج میں کچھ کم نہیں۔ جب تک سارے جہاں کے انسانوں کا خدا ایک نہ ہو، اس وقت تک نہ تو مساوات بنی نوع انسان کی کوئی حقیقی اساس قائم ہو سکتی ہے اور نہ انسانوں کو طاقت کے باوجود برائیوں سے بچنے اور نیکیوں کے کرنے کی کوئی ترغیب میسر آ سکتی ہے۔

اسلامی تعلیم عام طریقوں کے رواجات اور تصورات کے عین برعکس اور مخالف تھی جس طرح منصفانہ سے منصفانہ فیصلہ بیکار ہے جب عدالت اس کا نفاذ نہ کرا سکے، اسی طرح اچھی سے اچھی تعلیم اور اصول و عقائد فضول ہیں جب ان پر عمل نہ ہو۔

Marfat.com

عہد نبوی کی ہمیں بڑی خصوصیت اور امتیاز یہی نظر آتا ہے کہ وہاں تعلیم اور تعمیل ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ نظریات اور نظائر میں فرق نہیں ہوتا اور انسان کی فطرت کے اقتضاء اور عقل کے مطمح نظر میں اعتدال اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اسلام راتوں رات نہیں پھیل گیا۔ عربوں کی پلک جھپکاتے کایا پلٹ نہیں ہوگئی۔ ان حالات میں اس امر کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں کہ اسلام نے انسانی سماج کو قدیم عصبیتوں سے نجات دلانے میں جو کامیابی حاصل کی، اس کے وسائل اور مدارج اس عالم اسباب میں کیا رہے ہیں؟

## آں حضرتؐ کا طریق کار

یوں تو اسلام کے بنیادی مقاصد اور وسائل "آفتاب آمد دلیل آفتاب" کے مصداق ہیں یعنی جو مقصد ہے وہی آپ اپنا وسیلہ ہے۔ اسی لئے اولین وسیلہ میں اللہ ہی عصبیتوں کو دور کرنے کے لئے توحید خداوندی رہی ہے۔ جب سب کا خدا ایک ہو اور وہ عادل اور سب پر یکساں مہربان بھی ہو تو خود بخود انسان کے خود ساختہ مراتب اور درجات کا خاتمہ ہو جاتا ہے چنانچہ سب انسانوں میں صحیح عبدیت اور اطاعت خداوندی پیدا کرنے کے لئے یہ حدیث ارشاد ہوئی کہ سب انسان آدمؑ سے پیدا ہوئے اور خود آدمؑ مٹی (جیسی حقیر چیز) سے۔ قرآن میں یہ اصول بتا دیا گیا کہ انسانوں کو قوموں اور قبیلوں میں محض پہچان کے لئے بنایا گیا ہے اور اعزاز صرف تقوے اور برائیوں سے بچنے کے مدارج کے لحاظ سے ہے۔ ایک اور جگہ بتایا گیا کہ انسانوں کی بولیوں اور رنگوں کا اختلاف محض ان کے خلاق کی قدرت کی

نشانی ہے"۔ اور یہ بجائے خود مراعات کی درجہ بندی نہیں کرتا۔

عہد نبوی میں چونکہ نظریات اور نظائر میں فرق نہیں ہوتا تھا اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ آقا و غلام، قریشی و غیر قریشی، عربی و عجمی، حبشی و رومی و ایرانی ایک ہی صف میں شانہ بہ شانہ رہتے اور ان میں ان قدیم جاہلی اختلافات کا ذرا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا تھا۔ پیغمبر اسلام کی اس سیاست کو آپ کے جانشینوں نے بھی پوری وفاداری سے جاری رکھا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مسلمانوں کی ذہنیت میں تواتر و توارث کے باعث اتنی رچ گئی کہ پھر اسلام اور مساوات لازم و ملزوم سمجھے جانے لگ گئے۔ مثال کے طور پر ان نوں کی مساوات کے بارے میں ہندستان سب سے پسماندہ ملک ہے۔ اور ذات پات کی کٹر قدامت پسندی کے لحاظ سے شاید ملیبار سب سے گیا گذرا علاقہ ہے۔ یہاں "اچھوت" کثیر تعداد میں بستے اور انسانیت سوز ذلتوں کو برداشت کرتے ہیں۔ اس علاقے میں مسلمان کے ساتھ نسبتہً بہت بہتر سلوک ہوتا ہے! اور آج بھی کوئی اجنبی ناظر حیرت زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ صبح کو کوئی اچھوت محض اپنی پیدائش کے باعث ذلت و خواری کا مستوجب ہے تو شام کو اسلام لانے کے بعد اس گاؤں اور اسی مقام پر اس کے ساتھ وہ سلوک اعلیٰ جاتوں کے ہندو خوشی سے کرنے لگتے ہیں جو مسلمانو کے ساتھ مخصوص ہے۔ کشیر میں اب اچھوت باقی ہی نہیں ہیں تو اس کی وجہ بھی یہی بیان کی جاتی ہے کہ وہاں عالم باعمل مسلمان پہنچے اور اعلیٰ جاتیوں کی تنگ نظری نے ان اچھوتوں کو اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب مسلمانوں کا قبلہ بھی ایک قرار دیا،

قانون بھی ایک، اور قیادت بھی ایک، یہ نہیں کہ اعلیٰ خاندانوں کے سنڈر الگ ہوں نشست گاہیں (PEWS) الگ ہوں، اور ثواب الگ ہوں، انھیں پست طبقات کے مقابلے میں سزائیں ملیں ہی نہیں اور ملیں بھی تو برائے نام۔

قبلے کی یکسانی نے کرۂ ارض کے ہر حصے کو یہ سمجھنے پر مجبور کر دیا کہ وہ ایک خاص مرکز کا تابع ہے اور اس کی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ نہیں بن سکتی۔ قانون کی یکسانی نے وہ حیرت زا صورت نہیں پیدا ہونے دی کہ کشمیر کا برہمن مدراس یا بنگال کے برہمن کے ساتھ رشتہ ناتہ تو کیا۔ ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی نہیں کھا سکتا۔ قانون کی یکسانی سے زیادہ غالباً بنی نوع انسان کو پرانی وحدت کی طرف لانے والی کوئی اور چیز نہیں ہوگی اور قانون کے تفاوت سے زیادہ اپنوں کو بیگانہ بنانا والا امر کوئی اور نہ ہوگا۔ یہ سب بھی بیکار ثابت ہوتے اگر قیادت ایک نہ ہوتی۔ اگر دین اور دنیا کو ایک مرکز پر نہ لا جمع کیا جاتا۔ اگر تعلیم کی جبری تعمیل کا انتظام نہ ہوتا، اور اگر روحانی اور مادی مسائل کی اعتدال کے ساتھ باہم آمیزش نہ کر دی جاتی تو اسلام میں اور کسی فلسفی کی خیال آرائی یا مجذوب کی بڑ میں کوئی فرق نہ رہتا۔ اپنی تعلیم کی اولین تعمیل کے سلسلے میں پیغمبر اسلام نے دولتمندوں کو سب سے پہلے دبوچا اور انھیں اس کا پابند کیا کہ اپنی زائد از ضرورت دولت کا ایک معینہ و معقول حصہ لازمی طور پر مرکز کو بطور ٹیکس ادا کیا کریں۔ اس کی ادائی میں "اونٹ باندھنے کی ایک رسی کی کمی بھی بغاوت" سمجھی گئی اور اس لیوں کے خلاف پیغمبر اسلام کے سب سے پہلے جانشین صدیق اکبرؓ نے اعلان جنگ کر دیا اور جنگ کی ہو لناکیوں نے وہ بات سمجھا دی جو ترغیب و تفہیم کے باوجود سمجھ میں

Marfat.com

نہیں آتی تھی۔

مانع زکوٰۃ دولتمندوں کے خلاف ان جنگوں کی جیسی چاہئے اہمیت ابھی تک مورخوں نے نہیں سمجھی ہے۔ ورنہ تاریخ معاشرہ انسانی میں وہ ایک نقطۂ انقلاب ہیں۔ جہاں اس نے تقسیم دگردش دولت کی ضرورت کو محسوس کرایا وہیں رعایا کو اپنے رعایا ہونے کا احساس کرایا۔ ورنہ سابق میں کم از کم عرب کی حد تک شیخ قبیلہ اور بزرگ خاندان کے سوا کسی اور انسان کی اطاعت نہ ضروری تھی اور نہ روا رکھی جاتی تھی۔

پورے عالم کے ہمہ گیر انسانی معاشرے کے ان اساسی انتظامات کے ساتھ پیغمبر اسلام نے مقامی انتظامات کو بھی نظر انداز نہ فرمایا۔

## عربوں کے متعلق

عرب میں چونکہ قبیلہ داری نظام ہی عام طور پر رائج تھا اس لئے رشتہ داری سے زیادہ مؤثر کوئی اور وجہ دوستی و حلیفی کی نہیں ہو سکتی۔ چاہے خود یہ بھی کتنی ہی کمزور چیز کیوں نہ ہو لیکن اور اسباب کے مقابلے میں یہ بہر حال زیادہ مستحکم و مستقل امر تھا۔

ہجرت مدینہ کے بعد ایک اسلامی حکومت قائم ہو گئی جو ایک شہری مملکت سے آغاز پاکر دس ہی سال میں پورے جزیرہ نمائے عرب اور جنوبی عراق و فلسطین تک کے دس لاکھ بارہ لاکھ مربع میل رقبے پر محیط ہو گئی تھی۔ اس زمانے میں پیغمبر اسلام نے جو عقد فرمائے وہ جغرافی نقطۂ نظر سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

Marfat.com

تعدد ازدواج ہر صورت میں بُرا نہیں ہوتا۔ خاص کر جب ان کا مقصد برا ہوسی وعیاشی بالکل نہ ہو۔ بہرحال نقشۂ ہمرایی سے ازواج مطہراتؓ کی جغرافیائی تقسیم اور ناکہ گیرو وسعت نظر آجائے گی۔ قریب قریب ہر بڑے قبیلے کی اس میں نمائندگی ہے اور چونکہ یہ عموماً نہایت ہی شریف خاندان اور بڑے رتبے کی ہوتی تھیں اس لئے اس کے اثرات بھی دور رس ہوتے تھے۔

اہل مکہ سے باہر بی بی زینبؓ بنت خزیمہ اور بی بی میمونہؓ بنت الحارث دونوں کا تعلق یمن کے زبردست قبیلہ عامر بن صعصعہ سے تھا۔ خاص کر بی بی میمونہؓ کی آٹھ نو بہنیں تھیں اور سب نہایت اچھے گھرانوں میں بیاہی گئی تھیں اور کتاب المحبر کے مستند مؤلف محمد بن حبیب (فوت ۲۴۵ھ) کو اپنی کلاسیکل کتاب میں تسلیم کرنا پڑا کہ :-

| | |
|---|---|
| لا یُعلم امرأۃ فی العرب | پورے عرب میں کوئی اور ایسی عورت |
| کانت أشرف أصهارا من | معلوم نہیں جس کے داماد اس سے |

Marfat.com

هند بنت عوف أم صيمونة وأخواتها۔ (الجبر صـ۱۰۹)

زیادہ شریف ہوں جتنے ہند بنت عوف کے جو بی بی میمونہ رضؓ اور ان کی بہنوں کی ماں تھی۔

بی بی جویریہؓ بنی المصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں۔ یہ ایک نہایت ہی طاقتور اور وسیع قبیلہ تھا اور مکے اور مدینے کے مابین رہتا تھا اس علاقے کے ساتھ اسلامی مملکت کی سرحد مکے کی سمت کوئی سو میل آگے بڑھ گئی۔

کندہ جنوبی عرب میں ایک شاہی خاندان تھا۔ اسلام سے پہلے ان کی سلطنت جنوبی عرب سے لے کر جنوبی عراق تک عرب کے مشرقی حصے میں پھیل گئی تھی۔ اس کے اثرات عہد اسلام میں بھی کافی تھے۔ اس قبیلے سے بھی آں حضرتؐ نے ازدواجی تعلقات قائم فرمائے تھے۔ یہی حال قبائل کلاب و کلب و بنی سلیم وغیرہ کا تھا، جن کی تفصیلوں کی یہاں ضرورت نہیں۔ کتاب المحبر اور طبقات ابن سعد (جلد ۸) میں اس کے بیتے جاگتے تذکرے ہیں۔

خود مکے میں بی بی خدیجہؓ کا تعلق قبیلہ بنی اسد بن عبدالعزیٰ سے تھا۔ بی بی سودہؓ کا بنی عامر بن لوی[۱] سے، بی بی عائشہؓ کا بنی تیم سے، بی بی حفصہؓ کا بنی عدی سے، بی بی ام سلمہؓ کا بنی مخزوم سے، بی بی ام حبیبہؓ کا بنی امیہ[۲] سے۔ بی بی زینبؓ بنت جحش کا قبیلہ بنی اسد بن خزیمہ سے۔ مکے میں ان سے زیادہ با اثر اور کوئی

---

[۱] و [۲] ان دونوں کے شوہر ہجرت حبشہ پر وہاں کے ماحول کے باعث مرتد ہو کر عیسائی ہوئے۔ لیکن بی بی سودہ اور بی بی ام حبیبہ اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ اس اخلاص کا پھل ملا کہ امہات المومنین بنیں۔

Marfat.com

خاندان نہ تھے۔

بی بی ماریہؓ قبطیہ مصر کی تھیں اور پہلے عیسائی رہ چکی تھیں۔ بی بی صفیہؓ کا تعلق خیبر کے یہودیوں سے تھا۔

اس مختصر مساحت کے بعد یہ نتیجہ اخذ کئے بغیر چارہ نہیں رہتا کہ نکاحوں کے ذریعے سے مسلمانوں میں پرانی عصبیتوں کو دور کرنے کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی وسیع نہ کوشش فرمائی اور نتائج بھی بتاتے ہیں کہ یہ کوششیں بیکار نہ رہیں

## غیر عربوں کے متعلق

آں حضرتؐ نے اس نفسیاتی حقیقت کا اپنے طرز عمل میں ہمیشہ بڑا لحاظ رکھا کہ کسی کو بُرا کہنے سے اس میں ضد پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کے آغاز کی تعریف کر کے بعد میں غلطی سے اس کے طرز عمل میں برائیاں گھس آنے کا ذکر کرنا اس کو سنجیدگی سے غور کا موقع دے سکتا ہے۔ یہودیوں، نصرانیوں اور خود مشرکین عرب کے متعلق اسلامی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ خدا کے سچے اور عالی رتبہ نبی تھے۔ مگر ان کے بعد کی نسلوں نے ان کی سچی تعلیم میں من گھڑت حذف اضافہ کر لیا ہے۔ یہ تعلیم کہ

اے الہامی کتابوں والو! ایک بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں برابر کی ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ

---

ف ان کی بہن کا نام سیرین یا شیرین بیان کیا جاتا ہے۔ اگر یہ واقعی بہن تھیں تو پھر بظاہر یہ دونوں ایرانی الاصل اور پارسی ہوں گی۔ ایران کے حملہ مصر کے وقت آئیں۔ شکست کے وقت بھی رہ گئیں اور عیسائیت قبول کر لی۔

اس کا کچھ شریک ٹھہرائیں الا نہ ہم اپنے ہی میں سے بعض کو بعض،
خدا کو چھوڑ کر آقا بنائیں"۔ (قرآن)

زیادہ تر یہود و نصاریٰ کو اتحاد و یکجہتی کی دعوت کی۔ پھر یہ کہا گیا ہے۔

"ہر قوم کا ایک ہادی ہوا ہے۔ ہر اُمت کے لئے ایک خدائی پیغام
رسال ہوا ہے۔ اے محمد ہم نے اپنے بعض پیغمبروں کا تجھ
سے ذکر کیا ہے اور بعض کا نہیں"۔ وغیرہ (قرآن)

یہ تمام ہی دنیا کے مقدس لوگوں کا احترام کرنے اور ان کو تسلیم کرنے کا صریح فیصلہ تھا۔ اور آخر میں ؎

"وہ لوگ جو ایمان لائے۔ وہ لوگ جو یہودی بنے۔ اور نصرانی اور
صابی، ان میں سے جو بھی خدا اور روز قیامت پر ایمان لائے
اور نیک کام کرے تو ایسے لوگوں کو ان کے رب کے پاس ان
کا بڑا اجر ملے گا۔ اور انھیں خوف اور رنج کی کوئی وجہ نہیں"۔
(قرآن)

اسلام کا دعویٰ تھا کہ وہ "بنیادی مذہب" ہے۔ آدمؑ سے عیسیٰؑ تک سب اسی کے پرچار اور تبلیغ کے لئے آئے تھے۔ وہ ازلی صداقتوں پر مشتمل ہے جن کے مانے بغیر کسی معقولیت پسند کو چارہ نہیں اور بنیادی واجبات کے سوا باقی ہر چیز میں ان لوگوں کو کافی وسیع اباحت و صوابدید حاصل ہے کہ جو چاہے کرے

مذاہب کے مابہ الاشتراک امور اور بنیادی صداقتیں جو انسانی حقوق و واجبات کے متعلق تھیں بیان کر کے اسلام نے ساتھ ہی مذہب کو ایک نہایت

سہل و آسان چیز (الدین یسر) بھی بنا دیا اور انسان اور خدا کے مابین راست رشتہ جوڑ دیا۔

دوسرے الفاظ میں تمام مذاہب کے پیروؤں میں باہمی احترام رواداری کا جذبہ پیدا کرنا اور فروع کو چھوڑ کر معقول اصول پر سب کو ایک ہو جانے کی دعوت دینا ہی اسلامی پیغام تھا۔ اور اسی "بنیادی مذہب" کے ذریعے سے دین و دنیا کی خوبیوں سے بیک وقت استفادہ ممکن تھا۔ اور خیر و شر کے آمیزے (یعنی انسان) کو اعتدال پر رکھنے اور شیطان اور فرشتہ ہر دو سے الگ بلکہ دونوں سے بہتر خدا کی تخلیق کا ایک کامل ترین نمونہ بنانے کا طریقہ بتا دیا گیا۔

اس ہادیٔ اعظمؐ کی یہ تعلیم شاید آج بھی عصبیتوں سے بھری دنیا کے لئے سنجیدہ غور و فکر اور انسانیت سوز برادر کشیوں کے انسداد کا سامان مہیا کرتی ہے۔

یہ ایک بے معنی چیز ہو گی کہ نبیؐ کے بتائے ہوئے راستے پر تو چلیں لیکن خود نبیؐ کو نہ مانیں یوں بھی راستے میں بھٹکیں اور ہادیٔ اعظم موجود نہ ہو تو کعبے کی جگہ ترکستان پہنچ جائیں گے اور اس سے بڑھ کر کیا بدقسمتی ہو۔

Marfat.com

# بعثت نبویؐ کے وقت کی چند عالمگیر گتھیاں

## اور

# ان کا اسلامی حل

## تمہید

تمام نباتی اور حیوانی انداروں میں انسان جانے کتنا ہی بلند پایہ اور ترقی یافتہ کیوں نہ ہو، اس "تسخیر المخلوقات" میں بھی آغاز ترقی، کمال اور فنا کے بعد پھر مکرر اس کا سلسلہ لامتناہی طور پر جاری رہتا ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے۔ بڑا ہوتا ہے۔ بوڑھا ہوتا ہے اور پھر مر جاتا ہے لیکن اس پر دنیا ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اسی اثنا میں کچھ بڑوں سے کچھ نئے بچے پیدا ہو جاتے ہیں اور فنا ہونے سے قبل پھر کچھ بڑے مرتے اور نسل پیدا کرنے کے قابل بچے چھوڑ جاتے ہیں۔

شائد اس مظاہرۂ قدرت کا نتیجہ ہے کہ انسانوں میں ایک ہی چیز بار بار تازہ ہوتی اور اپنا ردعمل پیدا کرتی نظر آتی ہے۔ انسان دیگر مخلوقات کے مقابلے میں اپنوں کے سابقہ تجربوں کو ملحوظ رکھنے اور ان سے استفادہ کرنے کی سب سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے اور اسی لئے اس کا تمدن اور اس کی قوت مخلوق خدا میں روز افزوں سربلندی حاصل کرتے جا رہے ہیں۔ لیکن اس میں جو بنیادی خصوصیت ہے کہ پیدائش، نشوونما اور فنا کا سلسلہ جاری ہے،

Marfat.com

اسی لئے ہزاروں چیزیں جو ہمارے بڑے اپنے تجربوں سے معلوم اور طے کر چکے تھے، وہ ہمارے بچوں اور نوعمروں کو اس وقت تک پسند نہیں آتے جب تک وہ خود بھی تقریباً اتنے ہی تجربوں اور ٹھوکروں سے خود بھی نہ گزر جائیں۔

اس طویل تمہید یا مشاہدے کا منشا یہ ہے کہ زمانۂ قدیم کے تمام تجارب اور گتھیاں اور ان کے حل اب داستان پارینہ نہیں ہو گئے ہیں۔ شاید یہ کہنا صحیح تر ہے کہ وہ سب کی سب آج بھی باقی ہیں۔ ان کا حل اگر کبھی معلوم بھی کیا گیا تو اس حل پر عمل کرنے والوں کے زمانے ہی تک اس کا اثر بھی محدود تھا۔ جب ہی نئی نسل پھر سے سبق بھلا بیٹھی اور نئے سرے سے پرانی الجھنوں میں پڑی تو پھر سے وہی مسئلہ نمودار ہو گیا اور اس کے وہی اثرات ہویدا ہو گئے۔

## عہد نبوی کے آغاز پر دنیا کی حالت

اب (۱۳۶۹ھ سے ۱۴۰۸ھ) سال قبل بعثت نبوی کے وقت دنیا کی حالت جو کچھ تھی وہ کافی مفصل اور صحیح طور پر معلوم ہے۔ انسانی دنیا کبھی شر محض نہیں بنتی۔ اس میں کچھ اچھے لوگ بھی باقی رہتے ہیں۔ بلکہ خود بد سے بد آدمی میں بھی زندگی کے کچھ لمحے ایسے آ ہی جاتے ہیں جب وہ کچھ نہ کچھ نیکی کر جاتا ہے۔ لیکن یہاں ہمیں ان رجحانوں، عادتوں یا خصلتوں سے بحث ہے جو اس زمانے میں براج رہی تھیں۔ ان میں سے ایک کو ہم لیں گے اور دیکھیں گے کہ قاران کی چوٹیوں سے اصلاح کی جو دعوت شروع ہوئی اس نے انسانی سماج پر کارفرما ان مختلف عادتوں کے متعلق کیا رائے قائم کی اور اپنے طاقتور ہاتھوں سے انسانی عادتوں کی دھاتوں کو کن سانچوں میں ڈھال کر کن شکلوں میں بدل کیا۔ فطرت انسانی کے

Marfat.com

بدلنے کا سوال نہ تھا۔ صرف اس کے اظہار کے لئے راستے مقرر کرنے سے غرض تھی۔

یہ ظاہر ہے کہ ہر انسان میں کم و بیش رحم بھی پایا جاتا ہے اور غضب بھی۔ برداشت بھی پائی جاتی ہے، آرام طلبی بھی۔ اگر غضب اور آرام طلبی کو فنا کر دیں تو پھر انسان انسان ہی نہیں رہے گا چاہے وہ فرشتہ ہو جائے یا پتھر۔ سوال صرف یہ ہے کہ انسان کس وقت رحم کا اظہار کرے اور کس وقت غضب کا۔ کب ضبط سے کام لے اور کب ضبط کرنا نامناسب ہے۔

مصلح دراصل یہی ہدایت کرتا ہے کہ انسان اپنی کس خصلت یا قوت کو کس راہ پر لگائے اور اس کا کس حد تک مظاہرہ کرے۔

عہد نبوی کے آغاز پر دنیا میں بڑی بڑی متمدن سلطنتیں موجود تھیں۔ مدائن کے ایرانی، قسطنطنیہ کے بزنطینی اور خانبالغ کے چینی دنیا کے تین بڑوں پر مشتمل تھے۔ انسانی دماغ اہرام مصر بھی بنا چکا تھا۔ ایلورہ اجنٹہ بھی اور آیا صوفیہ بھی۔ توریت کی گرمی بھی دنیا میں آ چکی تھی۔ انجیل کی نرمی بھی، وید کی (جات پات کی) تقسیم انگیزی کا بھی انسان تجربہ کر کے نتیجہ دیکھ چکا تھا اور کنفوشس کی تعلیم کے مطابق ایک سو ایک پشت تک کی رشتہ داری کو یاد رکھنے کی کوشش بھی کر چکا تھا۔ کاوٹلیا کی ارتھ شاستر بھی لکھی جا چکی تھی اور ارسطو کی پالیٹکس بھی مہابھارت بھی اور الیڈ و اڈیسے بھی۔ غرض مذہب، فنون لطیفہ، تعمیرات، ادبیات، سیاسیات،

صناعی غرض ہر شعبے میں ان مدارج پر پہنچ چکا تھا کہ ان کی عظمت آج بھی کسی کے سامنے شرمندہ نہیں۔

لیکن ان ذہنی کمالات کے ساتھ روحانی زوالات بھی کم نہ تھے۔

**قومیت** ایرانیوں کو اپنے گورے رنگ پر اتنا ناز تھا کہ حبشیوں اور ہندیوں کو کوّے کہا کرتے تھے۔ عربوں کو اپنی زبان کی ساخت اور مفہوم کی ادائی کی صلاحیت پر اتنا ناز تھا کہ اپنے سوا ساری دنیا کو گونگا سمجھتے تھے۔

ایرانی بیشک گورے تھے اور عربی زبان بیشک بڑی نایاب خصوصیتیں رکھتی تھی لیکن اس واقعے کی صداقت کو اتنی ہی کم اہمیت تھی جتنا اس کو کہ انسان کے دانت مُنہ کے اندر ہوتے ہیں۔ اس میں ناز کرنے اور اکڑنے کی کونسی بات تھی اور محض اختلاف رنگ و زبان کی بنا پر تعصب و عناد کیسے روا ہو سکتا تھا۔

اتنے میں یہ صدا بلند ہوئی کہ "واختلاف السنتکم والوانکم ان فی ذٰلک لاٰیٰتٍ لقوم یعلمون" (قرآن) یعنی تمہارا زبانوں اور رنگوں میں آپس میں اختلاف رکھنا محض ایسی نشانیوں پر مشتمل ہے جن سے صاحب عقل و فکر خدائے خلّاق کی کاریگری کو پہچان اور دیکھ سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی حکومت میں بلال حبشی اور صہیب رومی میں کوئی فرق کبھی نہ رہا۔ نہ ترکوں نے حبشیوں کی کبھی لنچنگ کی اور نہ عربوں نے چینیوں کے ساتھ پُرامن زندگی گزارنے میں کوئی دشواری محسوس کی۔

**جاپات** سب ایک ہی آدم و حوّا کی اولاد ہونے کے باوجود بھائی چارہ اتنا بھلا دیا گیا تھا کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کو چھونا تو کیا اس کا سایہ اپنے سایے پر پڑنے دینا بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ علم و عرفان کے متعلق اتنی بخالت اور خود غرضی تھی کہ اپنے کمالات ذہنی کے مجموعے کی مقدس کتاب کو کوئی اجنبی چھو یا پڑھ تو کیا اگر محض سُن بھی لیتا تو سزا میں پگھلتا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں ڈال کر اسے ہلاک کر دیا جاتا اور کہیں چھوٹی بڑی سیاسی وحدتوں میں اپنے فطرۃً اچھے ہونے کا اتنا غرہ ہو گیا تھا کہ باقی دنیا میں کوئی خوبی اور اپنے میں کوئی خامی نظر ہی نہیں آتی تھی۔

اس وقت یہ ربانی پیغام کی صدا بلند ہوئی کہ یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثیٰ وجعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (قرآن) ۔ اے انسانو۔ ہم تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کرتے ہیں اور تمھیں قوموں اور قبیلوں میں محض اس لئے بانٹتے ہیں کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو ورنہ خدا کے نزدیک تم میں سے سب سے معزز تو وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار اور خدا ترس ہو۔

پھر کیا ہوا؟ ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

خاندان غلاماں اور خانوادۂ ممالیک کی حکمرانی سے کسی کو اس لئے

عار نہ ہوا کہ غلام زید اور غلام زادہ اسامہ کے تحت بھی صدیقؓ و فاروقؓ اور سیف اللہؓ و اسد اللہؓ کو اپنی ہتک نہ محسوس کرنے کی تعلیم مل چکی تھی۔ انسان کی اصولی و فطری سعادت اور پرہیزگاروں کی اکتسابی فضیلت و برتری کے نئے نظریے نے وہ تمام مصنوعی اور انسان ساز بت ملیامیٹ کر دیے جو اب بھی غیر اسلامی سماجوں میں موجود اور انسانوں میں نہ ختم ہونے والی تلخی و فساد انگیزی پیدا کر رہے ہیں۔

## ثار یا غیر مختتم انتقام در انتقام

عام انسان کی کچھ افتاد طبع ہی ایسی ہے کہ نہ دوسرے کا احسان یاد رکھتا ہے اور نہ دوسرے کی پہنچائی ہوئی تکلیف بھولتا ہے۔

پرانے ناموں کے محض دہرانے سے مفہوم کا سمجھنا بعض نوعمروں کے لئے دشوار ہوگا۔ اس لئے بطور تمہید ایک نئی مثال پیش کی جاتی ہے۔ آج جاپان میں امریکیوں کی اکڑفوں اور زیادتیوں کو دیکھ کر ہمیں جاپان سے ہمدردی ہوتی ہے۔ لیکن دراصل دوران جنگ میں امریکیوں سے جاپانیوں نے جو بدسلوکیاں اور انسانیت سوز برتاؤ کیا، اسے یاد کیا جائے تو امریکہ سے ہمدردی ہونے لگتی ہے۔ اور اگر جنگ سے قبل امریکہ میں جاپان کے ساتھ جو تعصب برتا جاتا اور حقیر سمجھا جاتا تھا اسے دھیان میں رکھا جائے تو پھر دوران جنگ کے جاپان طرز عمل سے ہمدردی ہو سکتی ہے۔ اگر امریکہ کے قوانین تو طن سے قبل کی جاپانی نفرت کو سوچا جائے جو امریکہ سے تھی تو امریکہ سے ہمدردی ہونے لگتی ہے۔ لیکن اگر جاپانی نفرت کے شروع

Marfat.com

ہونے سے قبل امریکہ کے جاپان پر حملہ کرنے اور بعد ازاں تجارتی کوٹھیاں کھولنے کی اجازت حاصل کرنے پر غور کیا جائے تو جاپان سے ہمدردی ہونے لگتی ہے پھر اگر جاپان کے دنیا جہان سے الگ تھلگ رہنے پر اصرار اور اپنے ہاں کی قدرتی پیداوار سے باقی انسانوں کو استفادہ کرنے دینے سے بے وجہ انکار پر غور کیا جائے تو امریکہ سے ہمدردی ہونے لگتی ہے۔

غرض انتقام در انتقام کے یہ طویل سلسلے کبھی ختم نہیں ہو سکتے ماگر آدمی میں معاف کرنے اور عفو و درگزر سے کام لینے کا حوصلہ نہ ہو۔

عہد نبوی کے آغاز پر عرب کے قبائل کے اندر ثار یا انتقام در انتقام کا اس طرح کا سلسلہ غیر مختتم تھا ایران و یونان (روم) کی ہزار سالہ کشمکش یہی بتا رہی تھی۔ ہندوستان میں برہمنی اور بدھ مت کی کشاکش بھی ایسی ہی تھی۔ خود پیغمبر اسلام کو مکے والوں نے بھی خواہ مخواہ دعوت اصلاح پر جسمانی و روحانی تکالیف دیں۔ جان لینے کا قصد کیا۔ جلا وطنی پر آپ کی اور آپ کے رفیقوں کی جائداد اور گھر در ضبط کر لیا۔ جلا وطنی میں بھی چین نہ لینے دیا۔ بدر، احد، پھر خندق میں روز افزوں شدت سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فنا کر دینے کے لئے چڑھ دوڑے۔ اکیس ۲۱ برس کی غیر منقطع کشاکش کے بعد مکے پر اسلامی فوج کا قبضہ ہو گیا اور یہ جوہری بم سے بھی زیادہ سبق آموز واقعہ تھا۔ کیا اس وقت مکے میں قتل عام نامناسب تھا؟ مکے والوں کی پوری جائداد کی ضبطی ناجائز ہوتی؟ مکے والوں کو قیامت تک کے لئے غلام اور اچھوت قرار دینے میں زیادتی بھی ہوتی؟ مگر یہ کارنامہ فتح مکہ پر

Marfat.com

اہل شہر کو جمع کر کے کیا کہا تھا؟ لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء۔

(حدیث) یعنی آج تم پر کوئی الزام باقی نہیں۔ جاؤ تم سب کو چھوڑ دیا جاتا ہے) انتقام لیتے تو جذبۂ درندگی کی بیشک تسکین ہوتی مگر تکلیفیں پہنچ چکی تھیں۔ لوگ مر چکے تھے۔ جو بات ہو چکی اسے پھر اَن ہونی تو نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح مال لوٹ لینے میں تھوڑی سی غنیمت ہاتھ لگتی۔ لیکن مال ہاتھ کا میل ہے آیا اور چلا گیا۔ عمومی غلامی کا حکم تو دیا جا سکتا تھا لیکن کسے معلوم کتنے دن چل سکتا۔ سب کو خاموش اور پس پردہ انتقامی تیاریوں میں کامیابی ہو جاتی تو اس کا ردِ عمل کتنا سخت نہ ہوتا۔ اس کے برخلاف لاتثریب علیکم الیوم کی صدائے بازگشت کا گونجنا ابھی بند بھی نہیں ہوا تھا کہ مکے والوں کے دل پگھل گئے۔ جسم شرم سے پسینہ پسینہ ہو گئے اور مکے کی ایسی کایا پلٹ ہوئی کہ پھر کبھی مکے پر اچانک قبضے اور شکست کا وہاں والوں کو نہ خیال آیا اور نہ ریخ محسوس ہوا بلکہ اپنے سابق دشمن کے سب سے تابعدار معاون بھی بن گئے۔ کاش کوئی آئزن ہاور، کوئی اسٹالن، کوئی ہٹلر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل کی توفیق پاتا اور محوریین کی آئندہ انتقامی جنگ کے امکان کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر کے انسانوں کو امن چین عطا کر سکتا۔

**تصورِ حیات** | عہد نبوی۔ یہ آغاز پر دنیا میں جو بڑے بڑے مذہب اور تمدن باقی تھے، ان میں انسان کا مقصدِ زندگی اور تصورِ

Marfat.com

حیات مختلف تھا۔ بدھ مت نے روح اور نفس کے تزکیے پر انسان کی توجہ کو اتنا مرتکز کر دیا تھا کہ ان کے نظامِ تصور میں خدا کی کوئی جگہ اور ضرورت ہی نہیں رہی تھی اور بظاہر بغیر کسی دور رس مقصد کے انسان کو اپنے قوائے فطری کے استعمال و استفادہ سے روک دیا گیا تھا۔ عیسائیت کی عجیب حالت تھی۔ ایک طرف تو پہاڑی وعظ مسیحی تعلیم تھی جو محبت سے کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی بلکہ ناقابل عمل اور غالیانہ انتہا پسندی کو پہنچی ہوئی تھی، لیکن ساتھ ہی اس کے بانیٔ مذہب کی طرف یہ مقولہ بلکہ حکم بھی منسوب تھا کہ قیصر کی چیزیں قیصر کو اور خدا کی چیزیں خدا کو دیدو۔ اگر اس سے شرک لازم نہ بھی آئے تو مذہب و سیاست میں ایک ایسی مدامی جدائی پیدا کر دی گئی تھی کہ سیاست کو اخلاق سے کسی واسطے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اور منفعت اندوزی اور مصلحت بینی کے تحت بادشاہ انتہا درجہ مادیت پرست اور بے رحم بن سکتا تھا۔ اور دوسری طرف مذہب کو عوام کی زندگی کے نہایت محدود اور خالص عبادتی حصے کے سوا کبھی کسی اور شعبے میں دخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اور بادشاہ کلیسا کے مفادات میں تصادم کی صورت میں راسخ العقیدہ اور ساتھ ہی بادشاہ سے بھی وفاداری رکھنے والا شخص عجیب گومگو کی حالت میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ مثلاً سپاہی پیشہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پہاڑی وعظ پر کس طرح عمل کرے؟ یا اگر ہر شخص راہب بنے تو نسل انسانی کیسے باقی رہے؟

غرض کوئی مذہب یہ حکم دیتا تھا کہ دنیا سے کنارہ کش ہو جاؤ تو ہی تم انسان کہلا سکتے اور نجات ابدی کے مستحق ہو سکتے ہو اور کوئی کہتا تھا کہ کھاؤ پیو

Marfat.com

مزے اڑانا کہ زندگی کا مقصد یہی ہے۔

ظاہر ہے کہ رہبانیت گنتی کے چند مستثنیٰ طبائع کے سوا انسانوں کی کثیر اکثریت کے لئے ناقابل عمل بھی ہے اور نامناسب بھی ہے۔ اور دوسری طرف مادہ پرستی کے تحت اگر انسان کا طرز عمل اخلاقی اساس پر مبنی نہ رہے تو پھر انسان اور کسی وحشی درندے میں کیا فرق باقی رہ سکتا ہے؟

ضرورت ایسے تصور حیات کی تھی جو ہر طبیعت کے انسان کے لئے قابل عمل بھی ہو اور نسل انسانی کے مفید و موافق بھی ہو۔ اس کے متعلق قرآن مجید نے وہ انقلابی حکم دیا جو حسب ذیل آیتوں میں بیان ہوا ہے:۔

| | |
|---|---|
| منھم من یقول ربنا آتنا | یعنی بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ |
| فی الدنیا وما لہ فی الآخرۃ | اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں نواز |
| من خلاق۔ ومنھم من یقول | دے۔ ایسے شخص کو آخرت میں کوئی |
| ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و | حصہ نہیں ملے گا۔ اور بعض ایسے لوگ |
| فی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب | ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب |
| النار۔ اولئک لھم نصیب | ہم کو بھلائی دنیا میں بھی دے اور آخرت |
| مما کسبوا واللہ سریع | میں بھی اور ہم کو آتش دوزخ کے عذاب |
| الحساب۔ (قرآن) | سے بچا۔ ایسوں کو اپنے کئے ہوئے |
| | اعمال کے متعلق حصہ ملے گا اور خدا جلد |
| | حساب لینے والا ہے۔ |

یہ اسلامی یا دوسرے لفظوں میں اصلاحی مطمح نظر اور مقصد حیات ہے کہ دنیا میں بھی

بھلے رہیں اور آخرت میں بھی بھلے رہیں۔ زمین و آسمان کی ہر خدائی مخلوق سے ہم استفادہ کریں لیکن خود ہم خدا کے لئے رہیں۔ لذّت اندوزی مقصد زندگی نہ ہو بلکہ مقصد زندگی کی تکمیل کے لئے کسی کا حق مارے اور ظلم کئے بغیر جتنی لذّت کی ضرورت یا خواہش ہو اس سے روکا نہیں جاتا۔

## یقین و عمل

آغاز اسلام کے وقت مذہبی تعصب اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ہر مذہب اپنے سوا باقی تمام مذاہب کو جھوٹے اور نجات کے لئے قطعاً ناموافق سمجھتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ ستم ظریفی یہ تھی کہ اپنے مذہب کے اندر کسی اجنبی کو آنے کی بھی اجازت نہیں دیتا تھا۔ مذہب کو نسل اور پیدائش سے محدود کر دینے کی خود غرضی و ہٹ دھرمی یہودیوں میں بھی تھی اور ہندوستان میں بھی۔ بلکہ انجیل متی کی روایات پر اعتماد کیا جائے تو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرما چکے تھے کہ میں صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے آیا ہوں۔ مجھے باقی دنیا سے تعلق نہیں اور اپنے حواریوں یعنی فرستادوں اور مذہبی مبلّغوں کو بھی حکم دیا تھا کہ وہ تبلیغ عیسائیت صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں میں کریں۔

اس سب پر مستزاد یہ تصوّر تھا کہ عمل کو کوئی اہمیت نہیں۔ ہمارے ہم مذہبوں میں داخل رہنا ہی اتنا بڑا عمل ہے کہ وہ نجات ابدی کے لئے کافی ہے۔

قرآن نے اگر عمل پر زور نہیں دیا ہے تو پھر کسی چیز پر بھی زور نہیں دیا ہے۔ آمنوا (ایمان لائے) کے ساتھ وعملوا الصالحات" (نیک کام کئے)

Marfat.com

جتنی مرتبہ قرآن میں ملا کر دہرایا گیا ہے کوئی اور حکم نہیں دہرایا گیا ہے۔ نسلی اور پیدائشی مذہبوں کے متعلق یہ لرزہ خیز حکم دیا گیا کہ جب لوگ خدا کے پاس حاضر ہوں گے تو فلا انساب بینھم یومئذٍ ولا یتساءلون" (قرآن) یعنی اس دن نہ ان کے نسب کا لحاظ ہوگا اور نہ وہ ایک دوسرے سے کچھ جواب طلبی کر سکیں گے۔ ہر شخص اپنے اعمال کا انفرادی طور پر ذمہ دار ہوگا یہ نہیں کہ ہمارے گناہوں کا کوئی اور ناکردہ گناہ ہی بھینٹ چڑھ جائے چاہے وہ نعوذ باللہ خدا کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو اور ہم زندگی بھر عمداً بدمعاشیاں کرتے رہنے کے باوجود رستگاری و رہائی پا جائیں۔

## دیگر مذاہب کی تصدیق و تصحیح

اسی طرح رسولِ عربی نے یہ کبھی نہیں کہا کہ دنیا کے دیگر مذاہب جھوٹے اور ان کے ماننے والے جہنمی ہیں۔ لامذہبی اور خود پرستی کو چھوڑ کر (جس میں اپنی بھی دستکاری اور اپنے ہی مصنوعات کو اپنا خدا مان لینا شامل ہے) آنحضرت نے فرمایا کہ دنیا کا ہر مذہب سچا اور خدا کی طرف لے جانے والا ہے۔ بشرطیکہ اس مذہب کی ابتدائی اصیلت میں غلط رسم و رواج سے حذف و اضافے نہ ہو گئے ہوں۔ اور یہ کہ دنیا کا کوئی ملک اور کوئی امت ایسی نہیں جہاں خدا کے پیغمبر نہ آئے ہوں اور سچا مذہب نہ پھیلا چکے ہوں۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا کہ: "اے محمدؐ ہم نے اپنے بعض پیغمبروں کا تجھ سے تذکرہ کیا ہے اور بعض کا نہیں کیا ہے۔" "نیز کوئی امت ایسی نہیں جہاں کوئی خدا سے ڈرانے والا نہ آیا ہو۔"

۶ھ میں یعنی اپنی وفات سے صرف تین سال قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسطنطنیہ، مصر اور حبش کے عیسائی حکمرانوں کے نام جو تبلیغی خط

Marfat.com

لکھے اس میں یہ درج نہ تھا کہ عیسائیت جھوٹی ہے اسے ترک کردو بلکہ قرآن مجید کی یہ خاص طور پر دلچسپ آیت درج تھی کہ

یا اھل الکتٰبِ تعالوا الیٰ کلمۃ سواءٍ بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہٖ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دونِ اللہ فان تولّوا فقولوا اشھدوا بانّا مسلمون[1]

(قرآن)

یعنی — اے الہامی کتاب کو ماننے والو! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور اس کا کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم خدا کو چھوڑ کر اپنے ہی میں سے کسی کو رب نہ بنالیں اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو کہدو کہ گواہ رہو ہم تو اس پر سر تسلیم خم کر چکے۔"

ایک اور آیت قرآن مجید میں دو جگہ بہت خفیف لفظی فرق سے دہرائی گئی ہے۔

انّ الذین آمنوا والّذین ھادوا والنصاریٰ والصابئین من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر

یعنی — جو لوگ ایمان لائے (پیغمبر اسلام پر) اور جو لوگ یہودی ہیں نیز عیسائی اور صابی مذہب والے غرض جو بھی

---

[1] یہ ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سماکم المسلمین من قبل" کے بمصداق خاص کر یہودیوں، عیسائیوں اور مشرک عربوں سب کے لئے نقطۂ اجتماع تھا اور کسی کو اپنی کوئی عزیز چیز چھوڑنی نہ تھی۔ ملت ابراہیمی سب ہی کی مشترکہ میراث تھی — بظاہر یہ اسلام کے اندر لانے کا پہلا قدم تھا۔

Marfat.com

وعمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" (قرآن)

اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک کام کرے تو ایسوں کو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ملے گا اور نہ ان پر کوئی خوف کی وجہ ہے، اور نہ وہ غمگیں ہوں گے۔

صلح کل رواداری اور انتہائی وسعتِ قلبی کی اس عجیب و غریب تعلیم میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا ہے کہ یہودی عیسائی اور صابی اور دیگر مذاہب کے لوگ اپنے اپنے مذہب کو ترک کریں بلکہ اپنے اپنے الہامی مذہب ہی کی تجدید کرتے ہوئے چند بنیادی امور پر عمل کریں یعنی خدا و رسول کو ماننا[1] مرنے کے بعد حساب کتاب کا یقین کرنا اور زندگی بھر نیک کام کرنا۔ یہ اجر ملنے اور خوف سے بچنے کے لئے کافی ہے۔ حقیقت میں یہ ایک طرح سے ایک بنیادی مذہب مرتب کرنا تھا اور اسی بنیادی مذہب کو "ان الدین عند اللہ الاسلام" (قرآن) (یعنی حقیقی دین خدا کے نزدیک اس کی تعبید اری کا نام ہے) اور "ومن یتبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ" (قرآن) (یعنی جو خدا کی تعبیداری سوا کسی اور کی اتباع کرے تو وہ اس سے قبول نہ ہوگا) کہا گیا۔ ان آیات میں اسلام نے مذاہب عالم کو دعوت دی اور آج بھی وہ دعوت باقی ہے کہ اپنے ہاں کے اصلی مذہب پر رجوع کرو۔ بعد کے زمانے کے حذف و اضافہ سے باز آؤ اور توحید پر است اور عمل صالح کے سہ گانہ مابہ الاشتراک امر پر انضمام نہیں تو وفاق کر لو۔ ہر مذہب کی اصلی تعلیم کو مانیں تو پھر اصول کی حد تک اختلاف ہی ہی

[1] قرآن مجید ۲/۱۵۵ کے مطابق ایمان میں خدا و رسول میں فرق کی اجازت نہیں ہے۔

Marfat.com

نہیں اور چونکہ بلا استثناء ہر جگہ اور ہر مذہب و ملت میں ایک آخری تسکین دہندے کی بشارت و پیشین گوئی موجود ہے اس لئے اپنے مذہب کی تعمیل میں اس کی اطاعت بھی آجاتی ہے یوں بھی نجات کے اس طریقے سے استدلال کے لئے نبی عربی کو گواہی میں پیش کرنا انہیں کے لئے ضروری ہوگا۔

اس طرح مذہبی تعصّب کی مصیبت سے انسان کو نجات مل جاتی ہے۔ اور لا اکراہ فی الدین (قرآن — یعنی دین میں جبر نہیں) ایک ایسا سنہری اصول تھا جو اس سے پہلے کہنا چاہیئے کہ سنا ہی نہیں گیا تھا۔

## دولت و افلاس

اسلام سے پہلے کے مذاہب نے خیرات کی ترغیب تو بہت دی لیکن اس کے لئے کوئی جبر اور لزوم عائد نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا تھا کہ دولت مندوں میں عموماً جو کنجوسی اور بیرحمی ہوتی ہے اس کا کوئی موثر علاج وجود میں نہ آسکا۔ افراد کی آزادی کے باعث حصول دولت پر عموماً کوئی روک نہیں رہی اور مال دار مال دار تر ہوتے چلے گئے اور مفلس، مفلس تر۔ قبل اسلام غالباً ایک مرتبہ مزدک نے اس کے خلاف ردِّ عمل کیا اور اشتراکیت کی تعلیم دی۔ لیکن یہ تعلیم معقولیت پر نہیں۔ بلکہ نفرت اور رشک و حسد پر مبنی تھی۔ پھر اس میں اخلاقی اساس اتنی پارہ پارہ کر دی گئی کہ مال و جائداد کے حدود میں عورت کو بھی شامل کر کے ازدواج کے تقدس اور خاندان کا خاتمہ کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ زیادہ دن چل نہیں سکتا تھا۔ اگر اشتراکیت کے معنے ہیں کہ خدا نے جو بھی تھوڑا بہت ہمیں دیا اس میں ہم اپنے سے غریب تر و محتاج تر

Marfat.com

بھائیوں کو بھی شریک کرنے کی جانب ہمیشہ مائل و عامل رہیں تو ہر مسلمان پہلا اشتراکی ہے۔ لیکن اگر اشتراکیت کے معنے اپنے سے بہتر اور مالدار تر لوگوں کی دولت پر للچائی ہوئی نظریں ڈالیں اور خود نکھٹو، سُست، کام چور، فرض ناشناس ہونے کے باوجود دوسروں کے گاڑھے پسینے کو ہتیالیں تو یہ انتہائی کمینگی ہے۔ اور کوئی مسلمان قیامت تک اسے قبول نہیں کر سکتا۔ خیرات کی ترغیب اور بھیک کی ممانعت ہر دو پر جب تک بہ یک وقت عمل نہ ہو یہ گتھی حل نہیں ہوتی۔

اسلام نے اس بات کو محسوس کر لیا کہ دولت کی گردش و تقسیم سے کس طرح ہر کوئی فائدہ اُٹھاتا ہے، بغیر اس کے کہ کسی پر ظلم ہو اور ایسا نہ ہونے سے دولت چند ہی لوگوں تک محدود ہو کر باقی ملک غلامی سے بھی بدتر احتیاج میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اس لئے اجتماع دولت کی جڑوں کو کاٹا گیا۔ ہر قسم کے سود کی ممانعت کی گئی۔ وصیت پر پابندی عائد کی گئی کہ کوئی شخص اپنی پوری دولت کسی ایک شخص کو ندیدے پن سے زیادہ سے زیادہ ایک تہائی وصیت کی جا سکتی ہے پھر وراثت میں مردوں اور عورتوں دونوں کو حصہ دار رکھا گیا تاکہ ایک سے زیادہ خاندانوں میں دولت رہے۔ اور دس بارہ ایسے قریبی رشتہ نامزد کئے جو لازمی طور پر ترکے میں حصہ پائیں سود کی ممانعت کے ساتھ اسے حکومت کے فرائض میں داخل کیا گیا کہ غار میں یعنی ضرورت مندوں کے لئے بے سودی قرض دینے کے لئے اپنے موازنے میں گنجائش رکھے۔ گویا قرض کاری کو قومیا دیا گیا اور آخر میں یہ کہ دولت پر ایک جبری محصول زکات کے نام سے عائد کر دیا گیا اس کی

Marfat.com

شرح ڈھائی فی صدی سالانہ ہے۔ لیکن ہمارے فقہا نے تسلیم کیا ہے کہ یہ کم سے کم شرح ہے ورنہ غیر معمولی حالات میں کومت مال داروں سے محض سدرمق چھوڑ کر باقی پوری رقم محصول میں وصول کر سکتی ہے تاکہ دفاع یا باقی اہل ملک کی پرورش کر سکے۔ غرض حکومت کا یہ اوّلین فریضہ ہے کہ ہر شخص کو پیٹ بھر کھانا ملے اور مایحتاج زندگی پورا ہو۔ اگر (۲½ %) کے عادتی محصول سے فقرا و مساکین کا کام چل جاتا ہے اور وہ اپنے پاؤں آپ کھڑے ہو جا سکتے ہیں تو فبہا ورنہ حسب ضرورت اس شرح میں حکومت اضافہ کر سکتی ہے۔ اور اس محصول زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ حکومت اوّلین فرائض میں داخل کیا گیا ہے۔

سود کی ممانعت اور ہر فرد رعیت کے ضروریاتِ زندگی کی تکمیل وہ اصول ہیں جو اسلام ہی سے اشتراکیت نے لئے۔ لیکن سود کی ممانعت کو وہ نباہ نہ سکی اور دوبارہ جاری کر دیا۔ اسلام نے مساوات کو کبھی لازمی نہیں قرار دیا۔ صرف مال داروں پر محصول جائداد عائد کر دیا لیکن اشتراکیت نے چند روز اس پر زور دے کر اسے جب ناقابل عمل پایا تو چپکے سے اسے بھی نظرانداز کر دیا اور آج روس میں مختلف طبقات کی تنخواہوں میں جو فرق ہے وہ کسی غیر اشتراکی ملک کے وزیر اعظم اور چپراسی کی تنخواہوں سے کچھ متفاوت نہیں ہے۔ روس میں تاحال سود کی ممانعت نہیں اور اس سے قومی دولت میں ازدیاد کی کوششوں کا قلع قمع ہوتا جا رہا ہے۔ اسی طرح اسلام نے وراثت کو واحد فرد مثل فرزند اکبر کی جگہ کثیر رشتہ داروں میں پھیلا کر زیادہ مؤثر و معقول حل تجویز

Marfat.com

کیا ہے اور یہ اتنا معقول معلوم ہوا ہے کہ مصر و شام کے عیسائی، مسلمانوں سے شدید مذہبی تعصّب رکھنے کے باوجود خالص اسلامی قانون وراثت پر آج بھی عمل کرتے ہیں بیمے (معاقل) کو عہد نبوی میں امداد باہمی پر مبنی کیا گیا اور بیمہ سرمایہ داروں کو بطور پیشہ چلانے کی ممانعت کی گئی، اب ۱۴ سو سال بعد برطانیہ کو اس کا ہوش آیا اور ۱۹۵۰ء کے انتخابی مواعید میں مزدور جماعت صنعتی بیمے کو باہمی بنانے (MUTUALIZE) کا وعدۂ فردا کرنے لگی ہے۔

مسلمانوں میں جب تک اس نظام پر عمل رہا، ان کے ہاں نہ تو افلاس آیا اور نہ سود خواری کا نتیجہ یعنی مالداروں و مفلسوں میں کشمکش پیدا ہوئی۔

## متفرقات

انفرادیت اور اجتماعیت میں توازن بھی ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اسلام نے انفرادی آزادی اور ذمہ داری کو خاص طور سے تسلیم کرتے ہوئے بھی اجتماعیت کا راستہ ڈال دیا۔ انتہائی انفرادی ذمہ داری یعنی خالق و معبود کی عبادت کے لئے بھی اسلام نے حکم دیا کہ ہر روز پانچ وقت جماعت سے نماز پڑھو۔ ہر ہفتہ شہر و مضافات کے تمام لوگ اور ہر سال دُو بار دور دور کے لوگ یکجا ہوں اور عمر بھر میں کم از کم بار ہر مسلمان حج کے سالانہ اجتماع میں شرکت کرے اور یہ ساری اجتماعیت پسندی بھی ایک خاص مرکز پر دائرہ بنائے اور ناف زمین خدا کے گھر کی طرف چار دانگ عالم سے مُنہ پھیر جائے۔ عبادات بدنی کی طرح عبادات مالی یعنی صدقات و زکوٰۃ کا بھی حکومت کی طرف سے حصول و خرچ ضروری قرار دیا گیا تمام دنیا کے لئے قانون بھی ایک رکھا گیا۔ رنگ، زبان، نسل، وطن وغیرہ کے فرق کو نظر انداز

Marfat.com

کرکے جملہ انسانوں میں اصولی مساوات تسلیم کی گئی۔ اس سے اولادِ آدم کی مرکز گریزیوں کا اتنا کچھ انسداد ہو چکا ہے کہ آج بھی بے شمار دشواریوں اور خود مسلمانوں کی جہالت و بے عملی کے باوجود مسلمانانِ عالم میں جو ہمدردی و اخوت ہے وہ دنیا کے کسی اور مذہب میں نظر نہیں آتی۔

اسلام نے فطرت کی تبدیلی کی کوشش کی جگہ فطری رجحان کو معینہ راہ پر لگانا بہت ضروری قرار دیا ہے۔ وحدتِ ازدواج اصولاً مطمحِ چیز ہے لیکن جب تک لڑکوں اور لڑکیوں کی پیدائش انسان کے قابو میں نہ ہونے سے باہمی مد و جزر ہوتا رہے اور جب تک جنگ و جدال وغیرہ کے نتائج سے عورتوں کی تقریباً ہر جگہ دُنیا میں کثرت رہے، اس وقت تک تعدد زوجات کی اجازت سے بہتر کوئی حل نہیں۔ کثرت زوجات لازمی نہیں بلکہ ضرورۃً روا ہے۔ اس سے بہت سے معاشی اور سماجی مسائل حل ہوتے ہیں۔ چار کی حد بھی اس لئے ضروری ہے کہ چند مالدار محض لذّتِ نفسانی کے لئے بے شمار عورتوں کی اجارہ داری حاصل کرکے نہ خود فائدہ اُٹھائیں نہ دوسروں کی ضرورتیں پوری ہونے دیں۔ طلاق و خلع و تفریق کی اجازتیں، نکاح بیوگان و بے شوہران کی ضرورت، عورت کی مکمل آزادی اور جائدادی خود مختاری وغیرہ بیسیوں مسائل میں اسلام ہی نے رہنمائی اور پیش قدمی کی ہے۔ اور اگر آج کل اس میں کوئی دشواری محسوس ہو رہی ہے تو وہ یا تو سماجی رسم و رواج کے باعث اسلامی آزادیوں پر عمل نہ کرنے سے ہے یا اسلامی احکام کی تعبیر کرنے والوں کے جمود سے۔ کسی نے عورت میں روح تک کے وجود سے انکار کیا تو اسلام نے جنّت تک کو ماں کے

قدموں تلے ہونا قرار دیا۔

اسلام نے ذہنی غلامی کو بُرا ٹھہرایا ہے اور مناظر قدرت پر غور و خوض، تدبر و تفکّر، تعقل، و تعلّم پر قرآن نے بار بار زور دیا ہے۔ ستاروں کی گردش۔ چاند سورج کی روشنی و گرمی، بادلوں کی آمد، ہواؤں کی روانی، سمندر، پہاڑ، نباتات، حیوانات غرض ع

ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ذہنی غلامی کے معنے صرف یہی نہیں کہ ہم غیر خاص کر مردہ شخص کی رائے کا اپنے ذہن کو غلام بنا دیں اور خود اپنی ذمہ دارانہ رائے قائم کرنے اور ایمان لانے سے باز رہیں۔ بلکہ ذہنی غلامی کے معنے میرے نزدیک یہ بھی ہیں کہ اپنے ذہن ہی کے غلام ہو جائیں اور جو چیز ہمارے ذہن میں نہ آئے، خواہ وہ ہمارے فن کی ہو یا نہ ہو اس کے متعلقہ علم سے ہمیں واقفیت ہو یا نہ ہو، اس سے انکار کریں۔ سمجھنے کی کوشش کرنا بیشک ہمارا فریضہ ہے اور اس میں ہر شخص کے حسب حوصلہ و کوشش کامیابی بھی ہوتی ہے

والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سُبلنَا (قرآن۔ خدا کا وعدہ ہے کہ "۔ جو ہمارے تک پہنچنے کی کوشش کرے تو ہم اسے ضرور راستے سمجھاتے ہیں")

صداقت مطلق تو خدا کی ذات ہی ہے۔ اور اسی تک سب کو جانا ہے کچھ چیزیں تو انسان اب سمجھ چکا ہے اور اب بُت پرستی و شرک، جس پر بعثت نبوی کے وقت دنیا کا اجتماع تھا اور جس کے خلاف اسلام ہی نے علم بغاوت بلند کیا تھا، اب سنجیدہ دنیا کے نزدیک ختم ہو چکی ہے۔ اور دیگر مذاہب کے

پیرو چاہے اسلام یا اسلامی احسان کو نہ مانیں لیکن توحید کی تعلیم کو صحیح تسلیم کر چکے ہیں۔ روح، موت کے بعد کی زندگی، حساب و کتابِ آخرت چند ایک امور اور باقی رہ گئے ہیں۔ اسلام نے اپنی تعلیم کو معجزوں کی جگہ دل و دماغ کے تدبّر پر چھوڑا ہے۔ جبر کے تحت لائے ایمان کی طرح وہ ایمان بھی بیکار ہے جو بے سوچے سمجھے لایا جائے۔

یہی وہ چیز ہے جو میں اب تک سمجھ سکا اور "رَبِّ زِدنی عِلماً" قرآن یعنی — اے میرے رب مجھے علم میں بڑھا) کی دُعا کرتے ہوئے آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔

Marfat.com

# انسانیت کا منشور اعظم

## خطبۂ حجۃ الوداع

جمعہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کو جبل الرحمہ پر سے میدان عرفات کے ڈیڑھ لاکھ حاضر کو حجۃ الوداع کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطاب فرمایا تھا اسے تاریخ نے خوش قسمتی سے محفوظ رکھا ہے۔ اس خطاب کو انسانیت کا منشور اعظم کہا جا سکتا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے :-

۱- سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ ہم اسی کی حمد کرتے ہیں۔ اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ اسی سے معافی مانگتے ہیں۔ اسی کے پاس توبہ کرتے ہیں اور ہم اللہ ہی کے ہاں اپنے نفسوں کی برائیوں اور اپنے اعمال کی خرابیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے تو پھر کوئی اسے بھٹکا نہیں سکتا۔ اور جسے اللہ ضلالت عطا کرے تو پھر کوئی اس کو ہدایت پر نہیں لگا سکتا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے۔

۲- اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی تاکید اور اس کی اطاعت پر پُرزور طور آمادہ کرتا ہوں۔ اور میں اسی سے ابتدا کرنی چاہتا ہوں

جو بھلائی ہے۔

۳۔ اما بعد۔ لوگو! مجھ سے سُنو۔ میں تمھیں بتاتا ہوں۔ کیونکہ میں نہیں جانتا شاید اس سال کے بعد میں اس جگہ تم سے پھر نہ مل سکوں۔

۴۔ لوگو! تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری آبروئیں تمھارے لئے (ایک دوسرے پر) اپنے رب سے ملنے (قیامت) تک حرام ہیں۔ ایسے ہی حرام و محترم جیسے تمھارے آج کے دن، آج کے مہینے اور اس شہر کی حرمت ہے — ہاں کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

۵۔ جس کے پاس کوئی امانت ہو تو وہ اس کو ادا کر دے جس نے وہ اس کے پاس امانت رکھائی۔

۶۔ خبردار۔ جاہلیت کا سود گرا دیا جاتا ہے۔ البتہ تمھارے لئے راس المال پر حق ہوگا۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو۔ اور نہ تم پر کوئی ظلم کیا جائے۔ اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ کوئی سود نہ رہنے پائے۔ اور پہلا سود جس سے میں (اس کی) ابتدا کرتا ہوں وہ میرے اپنے چچا العباس بن عبد المطلب کا ہے۔

۷۔ خبردار۔ جاہلیت کے خون گرا دیئے جاتے ہیں اور پہلا خون جس سے میں (اس کی) ابتدا کرتا ہوں وہ (میرے چچازاد بھائی کے بیٹے) عامر بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب کا ہے۔

۸۔ خبردار۔ جاہلیت کے آثار و عہدے گرا دیئے جاتے ہیں۔ بجز

Marfat.com

(خانۂ کعبہ کی) رکھوالی اور (حجاج کو) پانی پلانے کے۔

۹۔ قتل عمد پر قصاص ہے۔ مشابہ عمدہ وہ ہے جس میں لٹھ یا پتھر سے موت واقع ہو۔ اس میں سو اونٹ (خوں بہا ہیں) جو اس میں زیادتی (کا مطالبہ) کرے تو وہ جاہلیت والا ہے۔ ہاں۔ کیا میں نے پہنچا دیا اے اللہ تو گواہ رہنا۔

۱۰۔ امابعد۔ لوگو! شیطان اس سے تو مایوس ہو گیا ہے کہ اب تمہاری اس سرزمین میں اس کی پوجا ہو۔ لیکن وہ اس پر راضی ہے کہ اس کے سوا دیگر ایسی باتوں میں اس کی اطاعت کی جائے جن کو تم اپنے اعمال میں حقیر سمجھتے ہو۔ اس لئے اپنے دین کے متعلق اس (شیطان) سے محتاط رہو۔

۱۱۔ لوگو! سال کی کبیسہ گری کفر میں ایک زیادتی ہے۔ جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اس کے باعث بہکائے جا رہے ہیں۔ وہ اسے ایک سال حلال کر لیتے ہیں اور اسے ایک سال حرام کر لیتے ہیں۔ تاکہ اس تعداد کا تکملہ کر لیں جو خدا نے حرام کر رکھی ہے۔ اس طرح وہ خدا کی حرام کردہ چیز کو حلال کر لیتے ہیں اور خدا کی حلال کردہ چیز کو حرام۔ حقیقت میں اب زمانہ چکر لگا کر پھر اسی شکل پر آ گیا ہے جیسا کہ خدا کے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے کے دن تھا۔ بیشک مہینوں کی تعداد اللہ کے پاس اللہ کی کتاب میں اس کے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے ہی کے دن بارہ مہینے لکھی ہے۔ ان میں سے

چار حرام ہیں۔ تین پے در پے اور ایک تنہا:۔ ذوالقعدہ۔ ذوالحجہ اور محرم اور (قبائل) مضر کا۔ جب جو کہ جمادی (الآخرہ) اور شعبان کے بیچ میں ہے۔ کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

۱۲۔ امابعد۔ لوگو! تمہاری عورتوں کے لئے تمہارے اوپر ایک حق ہے۔ اور تمہارے لئے ان کے اوپر یہ کہ تمہارے بستر کو تمہارے سوا کسی اور سے نہ روندوائیں اور تمہارے گھروں میں تمہاری اجازت کے بغیر کسی ایسے کو داخل نہ ہونے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو۔ اور کوئی بُرے فحش کام کا ارتکاب نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تم ان پر سختی کرو ان کے ساتھ سونا بند کرو۔ یا ان کو غیر شدید ضرب پہنچاؤ۔ اگر وہ باز آجائیں اور تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو تم پر ان کا اچھے دستور سے کھلانا اور پہنانا لازم ہے۔ عورتوں کے متعلق بھلائی کی تمہیں تاکید ہے۔ کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدی کی سی ہوتی ہیں اور اپنے لئے کسی چیز کی مالک نہیں ہوتیں اور تم ان کو اللہ کی امانت کے طور پر لیتے اور اللہ کے بول پر ان سے تمتع اپنے لئے حلال کرتے ہو۔ اسی لئے عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ان سے بھلائی کی تمہیں تاکید ہے — ہاں کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

۱۳۔ لوگو! تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔ کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں، بجز اس کے کہ وہ اس کی طبعی خوشی سے ہو۔

Marfat.com

۱۴- لہٰذا میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ جب تک تم اسے تھامے رہو، میرے بعد تم گمراہ نہ ہوگے۔ کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ ـــــ ہاں کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

۱۵- لوگو! تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک۔ تم سب آدم سے ہو۔ اور آدم مٹی سے۔ تم سے اللہ کے نزدیک سب سے مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے متقی ہو۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں بجز تقویٰ کے ـــ ہاں کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

لوگوں نے کہا۔ ہاں۔ آپؐ نے فرمایا تو پھر حاضر کو چاہیئے کہ غائب تک پہنچا دے۔

۱۶- لوگو! اللہ نے ہر وارث کے لئے ورثے میں سے اس کا حصّہ مقرر کر دیا ہے۔ اب وارث کے لئے کسی (مزید) وصیت کی اجازت نہیں۔ اور (کسی اور کے حق میں بھی) ایک تہائی (مال) سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں۔ بچّہ بستر (کے مالک) کا ہوگا اور زانی کو پتھر ملیں گے۔ جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی

Marfat.com

اور کی طرف اپنے کو منسوب کرے یا اپنے مولا (معاہداتی بھائی) کے سوا کسی اور کو مولیٰ بنائے تو اللہ اور فرشتوں اور انسانوں سب کی لعنت ہے۔ اس سے (تلافی کے لئے) کوئی خرچ اور کوئی بدلہ قبول نہیں ہوگا۔ والسلام علیکم

اس کے عربی متن کے لئے دیکھئے جاحظ کی البیان والتبیین ۲/۲۲-۲۵ سیرۃ ابن ہشام ص ۹۶۵ تاریخ الیعقوبی ۲/۱۲۲ تا ۱۲۳ تاریخ طبری ص ۱۷۵۳ تا ۵۵ سنن دار قطنی کتاب الحج۔ حجۃ الوداع تولغر محب الطبری بر موقع بکھرے اور اقتباس تو ہر حدیث کی کتاب میں ملتے ہیں۔ بخاری کے مطابق اس کی نقل خود رسول اللہ ﷺ کے حکم سے لکھ کر حضرت ابو شاہ کو دی گئی تھی۔

# دو شاہاں در اقلیمے

## تمہید

خلافت کے اولین انتخاب کے موقع پر کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں اجماع اُمت کے ذریعے سے وقت واحد میں "دو شاہاں در اقلیمے نمی گنجند" کا قاعدہ طے ہو گیا۔ لیکن اس مسئلے پر تاریخ اسلام نے اس کے خلاف بھی کچھ دلچسپ مواد جمع کیا ہے۔ اسے یہاں اس لئے یکجا کیا جاتا ہے کہ ہمارے علماء غور فرمائیں۔ میری حیثیت رعی کی نہیں مستفسر کی ہے۔

## خلافت صدیقی میں وحدت حکمران پر اجماع

رہنمایانِ انسانی کی سب سے جامع شخصیت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے "الیوم اکملت لکم دینکم" کی ربانی بشارت بھی اُمت تک پہونچا دی اور قیامت تک کے لئے اپنی تعلیم و تعمیل یا قول و فعل و تقریر (یعنی برقراری) کے ذریعے سے اسوۂ حسنہ بھی مہیا فرما دیا تو ظاہر ہے کہ اس ذات قدسی صفات (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے مزید ایثار کر کے اس دُنیائے دون و زبوں میں رہنے کی ضرورت نہ تھی۔

جب پیغمبر اسلام اس دُنیا سے سدھارے تو وحدت و اجتماعیت کی اسلامی تعلیم نے اُمت کو مجبور کیا کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن

Marfat.com

دفن سے بھی پہلے امت کی بھیڑوں کے لئے چرواہا گری کا فیصلہ کریں۔ اور ایک لمحے کے لئے بھی بے مرکزی یا نراج روا نہ رکھیں

اُمت کے سب سے مستند سیرت نگار نے اس سلسلے میں جو حالات لکھے ہیں، ان میں یہ جملے بھی ہیں کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں جب انصار اور مہاجرین دونوں کے ارباب حل و عقد جمع ہو گئے اور انصار کے خطیب نے امیری کے لئے اپنے گروہ کے حقوق جتائے تو مہاجرین کی طرف سے حضرت ابوبکر نے فرمایا۔

عن عمرؓ ... اما ما ذکر تم فیکم من خیر فانتم لہ اھل ولن تعرف العرب ھذا الامر الا لھذا الحی من قریش ھم اوسط العرب نسبا و دارا۔ وقد رضیت لکم احد ھذین الرجلین فبایعوا ایھما شئتم واخذ بیدی وبید ابی عبیدۃ ابن الجراح وھو جالس بیننا۔ ولم اکرہ شیئاً مما قال غیرھا۔ کان واللہ ان اقدم فتضرب عنقی

عمرؓ راوی ہیں ... تم نے اپنی جن خوبیوں کا ذکر فرمایا اس کے لئے بے شک تم اہل ہو لیکن عرب اس امیری کو سوائے اس قریشی قبیلے کے کسی کے لئے نہیں مانیں گے۔ وہ نسب اور گھرانے کے لحاظ سے عرب میں سب سے بلند ہیں اور میں تمہارے لئے ان دونوں میں سے کسی کے لئے بھی راضی ہوں تم ان دونوں میں سے جس سے چاہو بیعت کر لو۔ اور آپ (یعنی حضرت ابوبکرؓ) نے میرا اور حضرت

لا یقر بنی اثم ذالك احب الیّ
من ان اتامّر علیٰ قوم فیهم ابوبکر
قال فقال قائل من
الانصار انا جذ یلها المحکك
وعذ یقها المرجب منا امیر
ومنکم امیر یا معشر قریش!
قال فکثر اللغط وارتفعت
الاصوات حتی تخوفت الاختلاف
فقلت ابسط یدك یا ابابکر
فبسط یدہ فبایعته ثم
بایعه المهاجرون ثم
بایعه الانصار
(سیرۃ ابن ھشام)

ابو عبیدہ رضؓ بن الجراح کا جو ہمارے ساتھ
بیٹھے ہوئے تھے ہاتھ پکڑ لیا اور
اُنھوں نے جو کچھ کہا اس میں سے
سوائے اس آخری چیز کے مجھے کوئی
بات بھی ناگوار نہیں ہوئی تھی اور خدا
کی قسم اگر کسی گناہ کے بغیر میری گردن
اڑا دی جاتی تو مجھے زیادہ پسند
تھا بہ نسبت اس کے کہ مجھے ایسے
لوگوں کا امیر بنایا جائے جن میں ابوبکر رضؓ
بھی موجود ہوں۔
اور کہا کہ پھر ایک انصاری نے کہا کہ
اس بارے میں آپ میری تجویز مان
لیں گے اور میرا احترام کریں گے۔ ہم
میں سے ایک امیر ہو اور تم میں سے
ایک۔ اے قریش والو!
اور کہا کہ اس پر بہت شور ہوا اور
آوازیں بلند ہو گئیں یہاں تک کہ مجھے
اختلاف پیدا ہو جانے کا ڈر ہو گیا
اس لئے میں نے کہا کہ اے ابوبکر رضؓ

Marfat.com

اپنا ہاتھ بڑھائیے۔ اُنھوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے ان سے بیعت کر لی پھر مہاجرین نے آپ سے بیعت کی۔ پھر انصار نے آپ سے بیعت کی (ابن ہشام)

اس تفصیل میں اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ تعدد حکمرانان کے خلاف مستقلاً کوئی اتفاق رائے قائم ہو گیا ہو۔ بلکہ صرف یہ نظر آتا ہے کہ دو امیروں کی تجویز پر صرف شور و شغب مچا بلکہ اختلاف پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو گیا۔ جس کے معنے یہ لیے جا سکتے ہیں کہ کثرت و تعدد حکمرانان کے مسئلے پر بہت سے لوگ متفق نظر آنے لگے تھے (صرف حضرت صدیق اکبرؓ کی ممتاز شخصیت نے انصار کو اپنی تجویز پر اصرار کرنے سے باز رکھا)

صحیح مسلم (کتاب ۳۳ حدیث ۶۱) میں جو روایت ہے کہ:-

| | |
|---|---|
| اذا بویع الخلیفتان فاقتلوا الآخر منھما | جب دو خلیفوں سے بیعت ہو جائے تو ان میں سے بعد والے کو قتل کر ڈالو |

— وہ یہاں قطعاً غیر متعلق ہے۔ یہ خانہ جنگی کا ذکر ہے، جہاں دو بیعت یافتہ افراد میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہو کہ وہی تنہا خلیفہ رہے۔ بحث اس امر میں ہے کہ دو یا زائد افراد مشترکہ طور پر خلیفہ یا حکمران رہ سکتے ہیں یا نہیں۔ لزوم بھی نہیں صرف جواز اور مباح ہونے یا نہ ہونے سے بحث ہے۔

Marfat.com

# مشترک حکمرانی کی اجازت

## قرآن مجید میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت ملنے پر اس کے فرائض کی گرانباری معلوم کر کے یہ دعا کی تھی کہ:-

| | |
|---|---|
| واجعل لی وزیرا من اھلی | اور بنا میرا ایک شریک کار میرے |
| ھرون اخی اشدد بہ ازری ۔ | قریبی لوگوں میں سے۔ ہارون میرے |
| واشرکہ فی امری | بھائی کو۔ اس سے میری کمر کو مضبوط |
| سورہ طٰہٰ آیات ۲۹ تا ۳۲ | کر اور اس کو میری امیری میں شریک بنا۔ |

امیری میں شرکت کی یہ دعا خدا نے قبول فرمائی اور نبوت و امارت میں حضرت ہارون علیہ السلام بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ برابر کے حصہ دار اور شریک و سہیم بن گئے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ یہاں بھی امیری و سرداری کے لئے وہی لفظ "امر" استعمال ہوا ہے جو اوپر حضرت ابوبکرؓ کی تقریر میں تھا۔

بے شبہہ یہ انبیاء سلف کا ذکر ہے لیکن اس کی ممانعت یا منسوخی کا قرآن یا حدیث میں کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف قرآن مجید میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا دیگر سولہ پیغمبروں کے ساتھ نام لے کر رسول کریم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی امامت کو حکم دیا گیا ہے کہ ؎

| | |
|---|---|
| اولئک الذین ھدی اللہ | یہی وہ لوگ ہیں جنھیں خدا نے |
| فبھداھم اقتدہ | سیدھا راستہ دکھایا ہے اس |
| (سورہ ۶ آیت ۹۰) | لئے ان کی رہنمائی کی اقتداء و پیروی کر۔ |

**حدیث میں** کتب حدیث و سیرت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بڑا مشہور مکتوب ملتا ہے جو عمان (جنوب مشرقی عرب) کے دو مشترک حکمرانوں کے نام روانہ کیا گیا تھا۔ یہ لوگ اپنے باپ کی وفات پر یکجا اور مشترک حکمراں تھے :-

| | |
|---|---|
| بسم اللہ الرحمن الرحیم | بسم اللہ الرحمن الرحیم |
| من محمد رسول اللہ الی | محمد رسول اللہ کی طرف سے الجلندی کے |
| جیفر و عبد ابنی الجلندی | دونوں بیٹوں جیفر اور عبد کے نام |
| السلام علی من اتبع الھدی | اس پر سلام جو ہدایت کی اتباع کرے۔ |
| اما بعد فانی ادعوکما | اس کے بعد میں تم دونوں کو اسلام |
| بدعایۃ الاسلام اسلما | کے بلاوے کی دعوت دیتا ہوں۔ |
| تسلما فانی رسول اللہ | اسلام لاؤ تم دونوں سلامت رہوگے |
| الی الناس کافۃ لانذر | کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف خدا |
| من کان حیا ویحق القول | کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ ہر زندہ شخص |
| علی الکافرین وانکما ان | کو ڈراؤں اور کافروں کے خلاف |
| اقررتما بالاسلام ولیتکما | دھمکی کا بول پورا ہو کر رہے گا۔ |

وان ابیتما ان تقرا بالاسلام فان ملکما زائل وخیلی تحل بساحتکما وتظهر نبوتی علی ملکما

وکتب

ابی بن کعب

اور اگر تم دونوں نے اسلام کا اقرار کیا تو میں تم دونوں کو والی رکھوں گا اور اگر تم اسلام کا اقرار کرنے سے انکار کرو تو تم دونوں کی بادشاہت زائل ہو جائے گی اور میرے سوار تم دونوں کے صحن میں پہنچ جائیں گے۔ اور میری نبوت تم دونوں کی بادشاہت پر غالب آجائے گی۔

ابی بن کعب نے لکھا۔

علامت مہر (محمد رسول اللہ)

علامۃ الختم

اللہ
رسول
محمد

اس کا ذکر ابن طولون، قسطانی، ابن القیم، القلقشندی، الحلبی وغیرہ نے کیا ہے۔ (تفصیلات کے لئے دیکھئے میری الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ (ستاویر ۷۶)

سیرت نگار لکھتے ہیں کہ ان دونوں نے سعادت اسلام پائی اور حسب وعدہ ان کو ان کی بادشاہت پر باقی رکھا گیا۔ اور حضرت عمرو بن العاص کو خاص فرائض کے لئے ان کے دربار میں بطور ریزیڈنٹ متعین دکھا گیا۔

Marfat.com

**تاریخ اسلام** ابوالفداء نے اپنی تاریخ میں ۵۵۸ھ کے واقعات میں شام کے حالات میں دو افراد کا حال لکھا ہے کہ مشترکہ حکمراں بنے تھے۔ اور:-

فملکوا معًا مدة مدیدة — وہ مدت مدید تک مل کر بادشاہت کرتے رہے۔

دوسرا واقعہ جو اس کا تقریباً ہمعصر ہے، دکن کے سب قدیم فارسی مورخ عصامی نے اپنی منظوم تالیف فتوح السلاطین میں سلطان محمود غزنوی کے جانشینوں کے متعلق یوں بیان کیا ہے:-

چوں مودود خونہای شان برفشاند — جب مودود نے ان کو قتل کیا

بہ سال جای پدر ملک راند — اور اپنے باپ کی جگہ نو سال حکومت کی

وزان پس ازیں کاروان رخت برد — تو پھر وہ مر گیا۔

کلید جہان دیگران را سپرد — اور حکومت دوسروں کے سپرد کر گیا۔

پس ازوی علی و محمد بہ تخت — اس کے بعد علی و محمد تخت پر

بشرکت نشستند از زور بخت — بخت کے زور سے مشترکہ طور پر بیٹھے۔

علی بود فرزند مسعود را — علی مسعود کا بیٹا تھا۔

محمد پسر بود مودود را — اور محمد مودود کا۔

علی و محمد در آں تخت گاہ — علی اور محمد اس تخت پر

بشرکت چو راندند ملکی دو ماہ — جب دو ماہ تک مشترکہ حکومت کر چکے

شنیدم یکی روز سر لشکراں — تو میں نے سنا کہ ایک دن فوجی افسروں نے

زشاہی بکردند معزول شان ان کو بادشاہت سے معزول کر دیا۔
شائع کردہ ڈاکٹر مہدی حسین ۱۹۳۸ء
مطبوعہ آگرہ بیت نمبر ۱۲۲۰ تا ۲۵

**نتیجہ** ان حالات میں یہ قرار دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ مشترکہ حکمرانی اسلام میں ممنوع ہے۔

ایک مماثل ہمعصر لیکن غیر مسلم نظیر پر اسے ختم کرتا ہوں۔

**جمہوریۂ سان ماری نو کا حالیہ دستور** سان ماریٹو دنیا کی سب سے دلچسپ جمہوریت ہے۔ یہ چوتھی صدی عیسوی سے قائم ہے۔ اس کا ایک چھوٹا سا رقبہ چاروں طرف ایک ہی مملکت یعنی اٹلی کے علاقے سے گھرا ہوا ہے۔ اور اس کے باوجود خود اٹلی اس کی خود مختاری و آزادی کو تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ انگلستان، امریکہ وغیرہ سے اس کے سفارتی تعلقات موجود ہیں۔

سان ماریٹو کی جمہوریت کی صدارت مشترکہ طور پر دو افراد کے سپرد ہے۔ ان کا ہر ششماہی پر انتخاب ہوتا ہے اور ایک میقات میں اس کام کو انجام دینے کے بعد وہ مکرر تین سال تک اس انتخاب میں کھڑے ہونے کے مجاز نہیں ہوتے۔ نہ منفرداً نہ مشترکاً۔

**تتمہ** یہاں تک لکھا گیا تھا کہ استاذ محترم مولانا مناظر احسن گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ سے اس نظریے پر گفتگو آئی، موصوف نے میری توجہ شاہ ولی اللہ دہلوی کی البدور والنہایۃ

کی طرف منعطف کرائی، جس میں وہ بھی اس کی طرف مائل نظر آتے ہیں کہ اگر مطلوبہ صفتیں اور اہلیتیں سب کی سب ایک ہی شخص میں کسی وقت نہ پائی جائیں تو ایک سے زائد افراد میں تقسیم کار کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ باہم ایک دوسرے کے نقائص کی تلافی کر کے ضرورتِ ملک کی تکمیل کریں۔ گو شاہ ولی اللہؒ یہ بھی صاف کہتے ہیں کہ وحدت ہی قابل ترجیح ہے۔

چنانچہ کتاب مذکور کی ایک پوری فصل (مبحث الارتفاق الثالث و تفصیل اقسامہ) خاص اسی موضوع پر ہے کہ مملکت کسے کہتے ہیں اور یہ کہ وہ محض فصیل اور قلعے اور بازار وغیرہ کا نام نہیں ہے بلکہ وہاں کے بسنے والوں میں ایک ربط ہونا اور وہ سب مل کر اعضائے یکدیگر بننا ضروری ہے۔ اور یہ کہ ایسے معاشرے نظام میں ایک فیر جانبدار اور اپنی مرضی منوا کر جھگڑے چکانے والے کی ضرورت ہے اور یہ کہ جب یہ بات صرف ایک شخص کے بس کی نہ ہو تو چند آدمیوں کی جماعت کے سپرد بھی کام کیا جا سکتا ہے (ملاحظہ ہو البدور البازغہ ص ۲۷)

**خاتمہ** غرض مکرر یہ چیز دہرانی اور واضح کرنی ہے کہ "دہ شاہان در اقلیمے" کا اسلام نے نہ تو لزوم کیا ہے اور نہ ہی وہ کوئی عام رواج رہا ہے بلکہ یہ اور صرف یہ کہ اس کی بھی اجازت دی ہے اور یہ اجازت

قرآن سے،

حدیث سے،

عہد نبویؐ کے عملی واقعات و نظائر سے،

اور زمانہ مابعد کی تاریخ اسلام کے نظائر سے ثابت ہوتی ہے

Marfat.com

اور حسب ضرورت ویسا کیا جا سکتا ہے۔

جو کچھ ہے وہ تو دنیائے فانی کے لئے ہے ورنہ آخرت میں تو:۔

لمن الملک الیوم؟ آج بادشاہت کس کے لئے ہے؟

للہ الواحد القہار صرف خدائے واحد قہار کے لئے!

(سورۃ مومن آیت ۱۶)

Marfat.com

# اشاریہ (انڈکس)

کسی ہندسے کے بعد (ح) = حاشیہ۔ (م) = مقام یا ملک۔ (ق) = قوم یا قبیلہ۔ اسماء و مواد کی اس ابجدی فہرست میں حوالے کے مؤلفوں کے نام، چاہے متن میں ہوں یا حاشیئے میں، چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ کثرت ذکر کے باعث آں حضرتؐ کا نام بھی یہاں نہیں لیا گیا ہے۔ یہی حال کعبے اور مدینے کا ہے


آب حیات ۳۲۲
آبرسانی ۳۹۰
آبرو ۴۳۷
آبل (م) ۲۷۹
آتش پرست ۳۲-۲۹۱
آٹا ۸۶
آخری تسکین دہندہ ۳۱۰، ۴۲۹
آرام (م) ۳۷۸
آمبینیا (م) ۱۸-۲۸۴ نیز ارمنی
آسام (م) ۳۰
آکسفرڈ (م) ۱۵۶، ۱۸۵، ۲۱۰
آگسٹائیس (عہدہ) ۲۱۵
آکل المرار ۴۵
آل یزن ۱۴۴
آمنہ (والدہ رسول اللہ) ۵۳
ح-۵۸-۵۹-۳۱۶
آمے لینو ۲۱۰
آئرن ہاور ۴۲۲
آیا صوفیا، مسجد ۴۱۷
ابراہیمؑ ۴۶-۴۸-ح ۸۴-۲۸۰-۳۱۲-۳۱۶ ۴۱۲
ابرویز ۲۹۶- نیز پرویز خسرو۔
ابرہہ ۱۴۳-۱۴۴-۱۴۶ تا ۱۴۸-۱۷۱
ابن عباس ۲۳۷-۲۳۹
۲۴۰-۲۴۲
ابن ہاشم ۵۸ نیز عبداللہ والد رسول اللہؐ
ابنیٰ (م) ۲۷۹
ابوبراء ۶۴
ابوالبصیر ۳۶۵
ابوبکر صدیقؓ ۱۶-۴۱-۹۰ ۹۷-۹۸-۱۰۰-۱۲۳ ۱۲۸-۲۷۹ تا ۲۸۲-
۳۴۲-۳۹۱-۳۹۹
۴۴۳-۴۴۴-۴۴۶ نیز صدیق اکبر


Marfat.com

ابوجہل ۴۲-۶۶-۱۰۲-۳۵۹
ابوالحکم ۴۲ نیز ابوجہل
ابوذر غفاری ۱۰۱-۲۷۲-
۳۶۷-۳۶۸
ابوسفیان ۴۱-۴۲-۱۲۱
۱۳۳-۱۳۵-۲۶۱ ح
۳۵۹-۳۹۲-
ابوطالب ۴۲-۴۹-۵۷
۶۱ تا ۶۳-۷۰-۷۶-
۸۰-۱۰۱-۱۰۴-۲۶۵
ابوطلحہ ۱۱۲
ابوعبیدہ بن الجراح ۱۲۸-
۴۴۳-۴۴۴-
ابولہب ۴۲-۴۹-۱۰۴
۱۱۳-
ابوہالہ تیمی ۷۳
ابوہریرہ ۳۵۰
ابواء (م) ۵۶-۳۶۰
اُبی بن کعب ۲۲۲-۴۴۸

ابی سینیا (م) ۱۳۹-۲۵۸-
نیز حبشہ
اٹلی (م) ۲۱۴-۴۵۰
اجماع اُمت ۴۴۲
اجنٹہ م ۴۱۷
احباش ۱۲۳
اُحد (م) ۱۱۷-۱۳۳-۱۳۷
۲۰۱-۳۲۵-۳۲۹-
۳۳۱-۳۳۹-۳۷۱-
۴۲۱
اَحلاف (ق) ۳۹۰
اخراج کی نگرانی کا افسر ۳۲۸
اخمیم (م) ۲۰۴
ادھار خرید ۳۳۵-۳۳۹
آدیس ابابا (م) ۱۶۹
آذرح (م) ۲۵۷-۲۷۰
۲۷۱-۳۴۵-۳۴۹
آذرعات (م) ۳۲۸
اذفونش ۲۵۲

اراحمیس ۱۴۴
ارتداد ۱۶۱-۳۱۹-۳۸۰
۳۹۶-۳۹۹-۴۱۱ ح
نیز سکران و عبیداللہ
بن جحش۔
اردن (م) ۶۹-۲۸۱
ارسطو ۱۷-۵۲-۴۱۷
ارض مقدس (م) ۳۰۸
۳۰۹ نیز فلسطین۔
الارقم ۱۰۰-۱۰۳
ارمنی ۲۰۸-۲۸۰
نیز آرمینا۔
ارہا بن اصحم ۱۶۶
ارباط ۱۴۳
ازدواج ۴۳۳ نیز
تعدد ازدواج
اساف ۸۶
اُسامہ بن زید ۲۷۸
۲۷۹-۳۹۹-۴۲۰


Marfat.com

اپسین (م) ۲۰۰-۲۴۴ تا
۲۴۶-۲۵۳
اشانبول (م) ۲۰۹-
۲۱۱-۲۱۷
اشتلین ۴۲۲
اسحاقؑ ۲۴۱
اسد ۴۱
اسد بن خزیمہ ابخاری (ق)
۴۱۱-
اسد بن عبدالعزی (ق) ۸۲
۴۱۱-
اسداللہ ۴۲۰ نیز علیؓ
بنی اسرائیل (ق) ۲۱-
۳۱۱-۳۱۲-۳۱۷-
۳۲۶-۴۲۵ نیز یہود
کی کھوئی بھیڑیں ۱۹۱
۴۲۵-
اسکاٹ لینڈ (م) ۱۵۶
-۴۴۲-۴۴۴
اسکندریہ (م) ۲۱۳-۲۱۵
۲۳۳-۲۵۸-۲۶۳
اسلم (ق) ۱۴۵-۳۷۴
۳۷۶-
اسلمؓ (ق) ۳۷۵
اسماعیلؑ ۴۸ح ۴۱۲۰۸۲
اسوان (م) ۱۷۴-۱۷۷
اسود عنسی ۳۹۸-۳۹۹
اسیر ۳۸۹-۳۹۱
اشتراکیت ۴۲۹-۴۳۱
اشجع (ق) ۳۷۰
اشعر (ق) اشعری ۳۴۲
اشموئیلؑ ۳۰۸
الاصبغ ۲۶۷-۳۷۹
اصحاب الاخدود ۱۴۰
اصحاب الفیل ۳۳-۱۴۶
اصحاب کہف ۳۲۱
اصحم بن ابجر الاصحم۔ اصحمہ
۱۵۳-۱۶۴-۱۶۷-۱۸۸
۲۳۲-نیز نجاشی
اطالوی پادری ۲۶۳
اعیانیت ۳۷-۲۵۹
افریقہ (م) ۳۳-۳۴
۱۱۵-۲۸۶-
افلاطون ۱۷-۵۲
اکیدر ۲۲۱-۲۶۶-
۲۶۷-۲۷۰-۴۷۸ تا
۸۱-
اکسوم (م) ۱۴۵
الفونسو ۲۴۴-۲۵۳
البرداڈیسڈ نظمی ۴۱۷
ام ایمن ۵۵-۶۳
ام حبیبہ ۱۱۳-۱۲۱-۴۱۱
آنس خادم رسول اللہؐ
۲۴۲-۳۷۹
انطاس ۲۵۶ح
انصار (ق) ۲۷۹-۲۵۸
-۴۴۲-۴۴۴


Marfat.com

الفاف ۳۴۲
انطاکیہ (م) ۲۸۳
انگلستان - ۱۸۳-۱۸۸
-۴۵۰
انگوٹھے کا نشان ۳۹۱
أنیسہ ۵۵
اوقیانوسیہ (م) ۳۳
اونٹ ۳۶-۳۷-۶۰
۶۶-۶۸-۷۱-۷۷
۷۹-۱۱۰-۱۷۹-
۱۸۰-۳۵۹-۳۹۱
-۴۳۸
اہرام مصر ۴۱۷
اہل بیت رسول اللہ ؐ
۲۷۴-۲۷۵-۳۴۷-
اہل رسول اللہ ؐ ۲۷۳-
-۳۴۷
ایاز- ۴۱۹
ایاس بن قبیصہ الطائی ۲۸۹

ایران - ایرانی (م۔ ق)
۱۸-۲۸-۳۱ تا ۳۴-۳۷
۴۴-۱۱۵-۱۲۲-۱۴۶
۱۴۸-۲۰۲-۲۲۲-
۲۳۳-۲۳۶-۲۴۴-
۲۵۴-تا ۵۶-۲۶۰
۲۶۲-۲۶۵-۲۸۲
۲۸۶ تا ۸۹-۲۹۱-
۲۹۴-۲۹۸-۳۰۵
۳۸۴-۳۹۷-۴۱۲
-۴۲۱
ایشیا (م) ۳۳-۳۴-
-۱۱۵
ایشیائے کوچک (م) ۲۰۸
ایلاف ۳۷-۴۴-۴۵
ایلورہ (م) ۴۱۷
ایلہ (م) ۷۲-۲۵۷-۲۷۰ تا
۷۲-۳۰۹-۳۴۶-
ایندھن ۸۶

ایوب ؑ ۳۱۲
باب المندب (م) ۱۴۲
۱۵۱-۲۶۲
بابل (م) ۲۲۱-۳۰۸
-۳۷۸
بادشاہ علاوہ پیغمبر کے
۳۵۲
باذان ۲۸۹-۲۹۷
بارتیلمی ۲۰۴ تا ۷-۲۲۵
بازار ۳۹۰
باغ ۷۳-۳۴۲
باقوم ۸۱
بت - بت پرستی ۴۶-۷۴
۸۴-۸۵-۱۰۱-۱۵۲
۳۸۶ تا ۸۷-۴۳۴
بٹائی ۳۹۰
بُجہ (م) ۱۷۹ تا ۸۱
بحر احمر (م) ۷۳-۱۴۹
۱۷۹-۲۶۱-


Marfat.com

بحرِ متوسط (م) ۱۱۵
بحرِ مردار (م) ۷۰
بحری راہ۔ بحری سفر ۷۲-۱۵۱-۲۶۴
بحرین (م) ۴۵-۷۱-۱۲۲-۱۳۷-۱۵۱-۲۰۰-۲۰۲-۲۱۰-۲۲۲-۲۲۵-۲۴۱-۲۶۳-۲۷۰-۲۹۳-۲۹۶-۳۰۶-۳۰۹-۳۵۰ نیز الحساء
بحیرۂ دساہیب (م) ۶۱-۶۲
بخت نصر ۳۲۰
بدر (م) ۲۵-۱۱۷-۱۲۳-۲۰۱-۳۰۱-۳۳۱-۳۶۲-۳۶۶ تا ۴۷۰-۴۲۱
بدرقہ ۴۵ نیز خفارہ
بدھ مت ۲۹-۴۲۱
بُدیل خزاعی ۳۷۳
برآمد ۲۶۱
برائڈکرک (م) ۱۵۷
برٹش میوزیم ۱۸۳-۱۸۸-۱۹۰-۱۹۲-۴۳۲
بروک ہاؤس۔ پروفیسر ۲۲۵
برہمن۔ برہمنیت ۳۰-۳۷-۴۰۸-۴۲۱
برہنگی ۸۴
بریدہ بن الخصیب ۳۷۵
بڑھئی۔ ۸۱
بصری (م) ۶۱-۶۲-۷۰-۲۳۴-۲۴۰ تا ۲۴۱-۲۴۴-۲۶۳-۲۶۹-
بطلمیوس (م) ۵۸
بطریرک ۲۱۳-۲۶۳ نیز پادری
بعاث (م) ۱۰۵-۳۲۶
بغداد (م) ۱۸۱ سے ۴۲۱
بقط، معاہدہ ۱۷۲-۱۷۳
بکر۔ بنی (ق) ۱۲۷-۳۶۹-۳۷۳
بلال ۹۸-۱۱۲-۱۷۰-۴۱۸-
"انگلستانی ۱۷۱
"بن حارث ۳۷۰
بلوچستان (م) ۴۴
بلّی (ق) ۲۵۷
بنگال ۳۰-۴۰۸
بنیادی مذہب ۴۱۴-۴۲۸
بنیامین ۲۱۵
بلانہ (م) ۶۳
بوران دُخت ۳۴
بوش ۲۲۳
بول۔ پروفیسر ۲۳-۲۳۵-
بون (م) ۱۸۸
بھانجہ ۱۷۹ نیز ماں، بہن
بہرام (ق) ۲۵۷
بھیڑ۔ قربانی کی بھیڑ ۶۲
بھیڑیں بنی اسرائیل کی ۴۲۵
بیرعروہ (م) ۳۲۵
بیرسوشہ (م) ۳۹۶


Marfat.com

بیت المدراس ۳۲۵
بیت المقدس (م) ۱۶۱-۶۱ ح
۲۳۳ - ۲۳۶ - ۲۴۰ تا ۴۱
۲۴۳ - ۳۳۱
۳۰۶
بیزنطینی سلطنت - ۳۲ -
۶۱ - ۱۴۱ - ۲۳۳ تا ۳۴
۲۴۳ - ۲۴۷ - ۲۵۴ تا
۵۸ - ۲۶۳
بیعت ۴۴۵
بیعت شجرہ ۱۲۴
بیکر پروفیسر ۳۱۱
بیگلری ۳۷۳ - ۳۴۷ -
بیرلیس ۲۰۳ - ۲۰۹ -
۲۱۱ - ۲۲۳
بیمہ ۳۲۲ - ۳۷۷ - ۳۷۸
۳۹۵ - ۴۳۲
پادری ۲۰۰ - ۲۰۳
۲۱۳ - ۲۱۵ - ۲۷۱
پارلیمنٹ ۲۵۹
پاریس (م) ۱۳۹ - ۱۷۱ -
۲۰۳ - ۲۱۶
پالمیرا (م) ۱۹۶)
پٹرول ۲۸
پٹنہ (م) ۲۹۴
پٹنی - مسجد ۱۷۱
پٹھا - جلد کا ۳۶۶
پدرکشی ۲۹۷ - ۲۹۸ -
۳۰۰ -
پران - کتاب ۱۴
پرانہ ان ۲۶۰
پرویز خسرو ۲۹۶ - ۲۹۹
۳۰۴ تا ۶ نیز ابرویز
پلّوا - خانوادہ ۳۱
پلی کین ۳۰
پوپ ۲۱۵
پورٹ سوڈان ۱۷۹ نیز
عیذاب
پوست ۲۶۱ نیز چمڑا -
کھال -
پہلوی زبان ۳۸
پیغمبر ۴۴۶ - نیز انبیاء
تاتار (ق) ۲۹
تاج شہریاری ۲۵۷
تاجر و تجارت ۳۶ - ۳۷ -
۴۴ - ۵۱ - ۶۵ - ۶۷
۷۰ - ۷۱ - ۹۷ - ۱۰۸ -
۱۲۴ - ۱۲۶ - ۱۳۳ -
۱۳۶ - ۱۴۸ - ۱۵۰
۱۷۲ - ۱۷۹ - ۲۳۳ -
۲۳۸ - ۲۴۱ - ۲۵۸
۲۶۰ - ۲۶۳ تا ۶۶ -
۲۷۱ - ۲۸۶ - ۲۸۸
۳۲۶ - ۳۴۵ - ۳۵۸
۳۶۵ - ۳۷۲ -
تاریخ کتب - ۲۹۹
تازی ۲۵۴ - ۲۸۶
تاشی ۲۵۵ - ۲۸۶
تاشی لاما ۲۸۷
تالاب ۱۴۴
تبار (م) ۳۹۲
تبت (م) ۲۹۱ - ۳۱ - ۲۸۷
تبع ۳۲۵

Marfat.com

تبلیغ ۹۷-۲۳۵-۲۴۳
۲۶۲-۲۶۸-۲۹۳-
۴۲۵-
تبوک (م) ۲۱۴-۲۳۹
۲۴۶-۲۶۷-۲۷۰ تا
۷۳-۲۷۶-۲۷۸-۳۴۵
تا ۴۶-۳۵۰-۳۷۶ تا
۷۷-۳۷۹
تحریف ۳۵۲
تحفے ۱۶۷-۳۰۶
تخنث ۸۸
تحویل ملزمین ۱۲۴ تا ۲۵-
۱۵۹
تدوین۔ قانون ۲۸
ترجمۂ معاہدہ ۱۸۱
ترک۔ ترکستان۔ ترکی
۱۸-۳۱-۸۸
ترمیم صلحنامہ ۱۲۵
تصاویر انبیاء ۲۸۰
تصدیق مذاہب الہامی ۴۲۶
تطوان (م) ۲۴۶

تعارف نامہ ۲۶۴
تعدد ازدواج ۲۸۶
۴۳۲ تا ۳۳-۴۱۰ نیز
ازدواج۔
تعدد حکمراناں ۴۴۵ نیز
مشترک حکمراں
تعصب۔ ۴۲۵
تعلیم ۳۸۷-۳۹۵
تغلب (ق) ۲۵۷-۲۸۳
تفریق ۴۳۳
تمیم داری ۲۰۰
تنخواہ ۴۳۱
توریت ۱۵-۹۳-
۳۱۲-۳۱۵-۳۲۰
۳۳۸-۳۵۱-۴۱۷
" کی سرگزشت ۳۱۹
" مال غنیمت میں ملنے پر
یہود کو واپسی ۳۴۳
تونس (م) ۱۸
تہامہ (م) ۶۹-۱۴۴
تھانیسر (م) ۳۰

تہمد ۸۴
تیر ۶۴
تیل ۱۵۰ ح
تیم (ق) ۴۱-۶۵ تا ۶۶
۸۲-۴۱۱-
تیماء (م) ۱۱۸-۳۰۹
۳۴۵ تا ۴۶
تیرفان۔ مورخ ۲۴۱
ٹانگ۔ خانوادہ ۲۹
ٹیکس ۲۶۱ نیز محصول
ثار ۴۲۰
ثالث ۴۰
ثبیر۔ پہاڑ۔ ۶۷
ثریا ستارے ۷۴
ثعلبہ ۲۵۷
ثقیف (ق) ۳۴۵-
۳۸۲ تا ۸۳-۳۸۸ تا
۹۱-
ثمامہ بن اثال ۱۲۱-۱۲۴
۱۴۴-۳۹۶
ثویبہ ۱۱۳

جاپان (م) ۲۲۰-۴۲۱
بات پات ۴۰-۳۷-۴۱۴
۴۱۹-
جادو- ۳۹۸
جاسوس ۱۲۳-۳۸۳
جاگیر ۲۵۰-۲۸۲-
۳۷۰ تا ۷۱-
جانور ۲۷۳ تا ۷۴-
۳۷۵-
جاوی زبان ۱۷۱
جائداد ۳۵۹
جبرئیل-جبریل ۹۰-
۹۱-۹۴
جبل الرحمہ ۳۹۴-۴۳۶
جزیرہ ۶۲-۱۵۱-۲۰۲
۲۴۹-
جذام (ق) ۲۳۸-۲۵۷
۳۷۶ تا ۷۷
جلاح ۱۴۵-
جراثیم (م) ۳۵۷-۲۷۰
تا ۷۱-۳۴۵-۳۴۹
جرجی زیدان ۲۰۹
جرثقیل (م) ۳۹۳
جرثومہ (م) ۶۹-۲۰۹-
۳۹۲ تا ۹۳
الجرمز، بنی (ق) ۳۶۵
تا ۶۶-
جرنیل (م) ۲۱-۳۵-
۱۸۸-۲۱۱ تا ۱۲-
جریم (ق) ۶۵
جزیہ - ۲۷۱-۳۴۵
۳۴۷-۳۵۰ تا ۵۱
۳۵۴ - ۳۸۰-۲۹۲
جستی نین بادشاہ ۱۶-۲۸
جفشانہ (م) ۳۸۵
جعفر طیار بن ابی طالب
۸۲-۸۰-۱۵۲ تا ۵۹
۱۵۸ تا ۵۹ - ۱۹۳-
۱۹۵-۲۶۹-۳۷۶
جلی دستاویز ۲۷۶
الجلندی بن المستکبر ۲۹۰
۴۴۷ -
جمع، بنی جمیح ۸۱-۸۲
جنسی اباحیت ۲۹۱
جنگِ عظیم، پہلی، دوسری ۲۹
جواہر نگار ٹرپی ۲۹۰
جویریہ ۱۱۱
جہاد ۳۵۲-۳۸۶ تا
۸۷-
جھاڑو ۱۷۶
جہاز ۸۱- ۲۷۱
جہینہ (ق) ۲۵۸ تا
۵۹ - ۳۶۳ - ۳۶۵
جیحون-دریا ۳۰
جیفر بن الجلندیٰ ۲۹۰
۴۴۷-
چراگاہ-چھاپا- ۵۷
۱۱۳-۲۹۲
چکی کا پاٹ ۳۳۲-
۳۳۸ — ۳۴۱
چلوکیا- خانزادہ ۳۰-۳۱


Marfat.com

چلہ ۸۷ - ۸۸
چمڑا - ۶۸ - ۱۵۰ -
۲۶۱ ح ۳۶۶ نیز کھال
چنگی ۲۶۵ - ۲۷۵ نیز
درآمد ٹیکس۔
چوتھ ۳۶۶ ح نیز برباع
چوری ۳۸۸
چیچک ۱۲۷ ح
چین (م) ۲۰ - ۲۸ -
۲۹ - ۳۷ - ۱۱۵ -
۱۴۳ - ۱۴۹ - ۲۵۴
۲۸۶ -
حاجز - حاجز مملکت ۲۳۳
۲۵۸ - ۲۸۷ - ۲۸۹
حارث بادشاہ ۲۵۵
حارث ۲۸۶ ح
" بن ابی ہالہ ۱۰۱
" بن جبلہ ۱۴۶
" بن عامر ۴۱
" بن فہر ابن (ق) ۹۶
" بن قیس ۴۱

" بن کلدہ ۶۰
حارثہ بن قطن ۳۸۰ -
۳۸۱ -
حافظ قرآن ۱۶
الحاکم بامر اللہ ۲۷۸
۳۴۹
حباشہ (م) ۶۹ - ۷۰
حبش، حبشہ (م)، حبشی
۲۸ - ۳۳ - ۳۷ - ۴۴
۵۱ - ۷۲ - ۸۱ - ۱۱۳ -
۱۲۱ - ۱۲۹ - ۱۴۱ - ۱۴۴
۱۴۸ - ۱۵۰ تا ۱۵۳ - ۵۱
۱۵۶ - ۱۵۹ - ۱۶۲ -
۱۶۳ - ۱۶۶ تا ۱۶۹ - ۷۷
۱۷۰ - ۱۷۹ - ۱۸۳ -
۱۸۵ - ۱۸۹ - ۱۹۴ -
۲۰۲ - ۲۵۸ - ۲۶۰
۲۶۲ - ۲۶۴ - ۲۸۴
۲۸۹ - ۴۲۷ -
حج ۴۵ - ۴۶ - ۱۰۴
۱۰۶ - ۱۲۰ - ۱۲۱ -

۱۲۶ - ۱۳۵ - ۳۰۲
۳۰۴ - ۳۷۳ - ۳۷۴
۳۸۶ - ۳۹۴ - ۴۳۲
نیز حجۃ الوداع
حجاج بن یوسف ۱۹۹
حجاز (م) ۳۵ - ۴۵ -
۴۸ - ۶۲ - ۱۲۱ - ۱۴۸
۱۵۰ - ۲۴۸ - ۲۶۶
۳۰۴ -
حجر اسود ۸۳
حجۃ الوداع ۳۰۱ -
۴۳۶ نیز حج
حدیبیہ (م) ۳۱ - ۱۱۴
۱۱۵ - ۱۲۳ - ۱۲۵ تا ۲۶
۱۳۵ - ۲۰۲ تا ۳ - ۲۳۵
۲۳۹ تا ۴۰ - ۲۶۱ ح
۲۹۳ - ۲۹۸ تا ۹۹ -
۳۰۳ - ۳۰۵ - ۳۶۵
۳۶۹ - ۳۷۳ تا ۷۴
۳۷۹ -
حرام مہینے ۴۶ - ۶۳ - ۳۰۷


Marfat.com

حراء، غار ۶۷ - ۸۷ -
۸۸ - ۱۳۰ -
حَرَش ۶۹
الحرقہ بنی (ق) ۳۶۶
حرم، حرم مکہ (م) ۳۶۶
۳۸۶ تا ۸۸
حُرَیب - ۴۵
الحساء (م) ۷۱ - ۲۹۰
نیز بحرین -
حِسمیٰ (م) ۲۳۹ تا ۴۰
حسن، امام ۳۹۱
حسین امام ۳۹۱
حِصن الزبیر (م) ۳۴۱
الحصین بن آوس ۳۷۶
حضرموت (م) ۴۵ -
۱۳۹ - ۱۴۴ تا ۴۵ - ۳۹۹
حطیم کعبہ ۸۲ - ۸۳ - ۸۵
حفاظتی محصول ۲۸۱
حفصہ ۲۱۳ - ۴۱۱ -
حقوق انسانی ۴۳۶
الحکم بن سعید بن العاص ۳۴۴

حکیم بن حزام ۱۱۰
حلب (م) ۲۵۵ - ۲۸۶ ح
حلف الفضول ۴۰ - ۶۴
۶۵ - ۶۷ -
حلیفی، حلیفی کی تجدید ۴۰ -
۳۵۹ - ۳۶۰ - ۳۶۷
۳۷۳ -
حلیمہ سعدیہ ۵۰ - ۵۳ -
۵۹ - ۷۹ - ۳۱۰ -
حمال ۳۵۴
حمزہ بن عبدالمطلب ۱۰۳
حمزہ العقدی ۳۴۴
حمص (م) ۲۴۰
حمید اللہ ۱۸۹
حِمیر (ق) ۲۶۰
حنش ۱۴۴
حنیفہ - بنی (ق) ۳۹۶ تا
۹۷ -
حُنین (م) ۱۱۲ - ۲۹۱ -
۳۸۲ تا ۸۵ - ۳۹۳ -
حواری ۱۷۸ - ۱۹۱ - ۲۴۴ تا

۳۵ - ۴۲۵
حوران (م) ۲۴۴
الحوراء (م) ۲۴۹
الحویطات (ق) ۲۴۹
حیدرآباد دکن (م) ۱۵۷
۱۸۶ - ۲۱۰ -
حِیرہ (م) ۱۴۰ ح ۱۴۶
۲۲۱ - ۴۵۵ تا ۵۶ - ۲۶۲
۲۸۷ تا ۹۰ - ۳۸۱
حُیَی بن اَخطَب ۳۳۷
خالد بن سعید بن العاص
۲۴۲ - ۳۴۶ -
خالد بن الولید ۴۲ - ۲۶۷
۲۶۹ تا ۷۰ - ۳۷۹ -
۳۹۷ - ۳۹۹ نیز سیف اللہ
خان (ق) ۲۹ - ۳۱
خان، سفیلاق ۳۰
خانبالغ (م) ۴۱۷
خاندان مشترکہ ۳۵۸
خانقاہ ۶۰
خانہ بدوش ۲۸۷

خشم دق، ۳۹۴
خدا کشی کا الزام یہود پر ۳۵۳
خدیجۃ الکبریٰ ۴۹۔ ۶۹ تا
۷۱۔ تا ۷۹۔ ۸۷۔ ۹۲
۹۴۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۸ تا
۹۔ ۴۱۱۔
ؓ کی عمر بوقت نکاح ۷۴
خدیو مصر ۲۰۸
خمار (م) ۳۵۹
خمر اور (ق) ۱۲۷۔ ۲۵۹
۳۶۹۔ ۳۷۰ تا ۷۴۔
خمر ج (ق) ۳۷۷
خمیہ ۷۰
خسرو پرویز ۲۰۳۔ ۲۱۵
۲۹۸۔ نیز پرویز
خط ۱۹۰۔ ۱۹۳۔ ۲۳۳۔ ۲۴۱
۲۴۳۔ ۲۶۴
خط مسند کے کچھ رہنے
میں ۳۲۵
خفارہ ۴۵ نیز بعد قبہ
خلع ۴۴۳
خلیج فارس (م) ۳۹۶
خلوق۔ عطر ۷۶
خلیفہ ۲۷۹۔ ۴۴۵
خمس غنیمت ۳۶۶۔ ۳۷۰
خندق ثمانی ۳۳۹
خون۔ خون بہا ۱۸۱۔ ۳۴۵
۳۷۸۔ ۴۳۷ تا ۳۸
خولید ۷۶
خیبر (م) ۲۵۔ ۱۱۷ تا ۲۰
۱۴۳ تا ۳۶۔ ۲۰۱۔ ۲۳۷
۴۰۱ تا ۲۷۵ تا ۷۶۔ ۲۷۸
۲۹۳۔ ۳۰۹۔ ۳۱۴۔
۳۲۷۔ ۳۲۹۔ ۳۳۶۔
۳۳۹ تا ۴۴۸۔ ۳۴۸ تا
۴۹۔ ۳۵۴۔ ۳۷۶۔
۳۷۸۔ تا ۷۹۔ ۳۹۲۔
۴۱۴۔
خیمہ لکڑی کا ۳۳۴
داؤد النذر ۳۹۔ ۴۲۔
۲۵۹۔
داری (ق) ۲۶۹۔ ۴۴۲
نیز تمیم داری۔
داؤدؑ ۳۰۹۔ ۳۱۲۔ ۳۴۲
دباء (م) ۷۱
دباغ ۲۹۱۔ ۳۹۳۔
دحیہ کلبی ۲۳۶ تا ۴۰۔
۲۴۲۔ ۲۴۶۔ ۲۴۸
درآمد۔ ۶۳۔ ۸۱۔ ۱۰۶
دربار۔ ۴۴۸
درخت ۳۸۸
درخت پرستی ۱۱۲
دستقد۔ دستورید ۱۳۲۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰
۳۶۸۔
دکن (م) ۳۰۔ ۴۴۹
دمشق (م) ۶۹۔ ۱۵۳۔
۱۸۸۔ ۱۹۸۔ ۲۲۴

۲۳۱-۲۳۳-۲۵۵ تا
۲۸۶-۵۶ ح
دُنقد (م) ۱۷۳
دُومۃ الجندل (م) ۴۵
۱۱۸-۱۳۳-۲۲۱-
۲۵۷-۲۶۶ تا ۶۷
۲۷۰-۳۳۷-۳۷۸
تا ۷۹
دنگولہ ۱۷۳
دودھ پلائی ۳۸۲
دودھ پیتے بچے ۳۰۹
دیقیوس بادشاہ ۲۵۶ تا
۵۷-
دیوتا - دیوستھان ۳۰
۸۵-
ڈنلاپ ۱۵۶-۱۷۰-
۱۸۲ و مابعد-
ڈیماستھینس ۱۶
ذبیحہ ۳۳۶
ذبیان ۱۴۴
ذرناج ۱۴۵

ذمی ۱۷۳-۱۸۱-۲۷۵-
۳۴۸-
ذوالتاج ۲۹۰-۳۹۷-
۳۹۹-
ذوخلیل ۱۴۴
ذوالخمار ۳۹۸
ذوریدان ۱۴۴
ذوقار (م) ۲۸۹
ذوالمجاز (م) ۱۰۴-۳۰۹-
۳۵۶-
ذوالمروۃ (م) ۳۶۵
ذونواس بادشاہ ۱۳۹ تا ۴۰
۱۴۲-۲۶۲-
ذہنی غلامی ۴۳۴
رابسن - پروفیسر ۱۸۸
رابغ (م) ۲۴۹-۳۵۹
۳۷۵ ح-
رابیہ (م) ۴۵
راحت اللہ خاں ۲۱۰
راس امید (م) ۲۵۴
راک فیلر ۲۵

راہب ۶۰-۷۰-۴۲۴
رائش ۲۳۱
ربیعہ (ق) ۴۵-۶۴-
۴۰۴-
رجب مضر ۴۳۸
رحلۃ الشتاء والصیف ۲۶۰
رعمسیس فرعون ۳۰۸-
۳۱۱-
رُعین (م) ۱۴۵
رفادہ ٹیکس ۲۵۹
رفاعہ بن زید - بنی (ق)
۳۷۷
رکارڈ آفس (سرکاری
محافظ خانہ) ۱۹۹
رُکانہ پہلوان ۱۰۲
روزینہ ۳۳۹
رَوس ۳۵۷
رُوس ۴۳۱
روم - رومہ (م - ق)
۲۸-۳۱-۳۴-۴۴
۱۱۵-۱۲۲-۲۰۲-

۲۳۳ تا ۳۴ - ۲۳۸ - ۲۴۱
۲۴۶ - ۲۶۰ تا ۶۱ - ۲۶۵
۲۸۳ - ۴۲۱ نیز بیزنطینی
روئی (م) ۱۴۴
رہن ۳۸۹ - ۳۹۰
ریحانۂ قریش ۴۲
ریشم ۱۴۸ - ۲۶۲
رینو - ۲۰۳
زبانیں سیکھنے کا معجزہ ۲۳۴
زبید (م) ۶۵
زبیر بن عبدالمطلب ۶۴ -
۶۵ -
زبیر بن العوام ۹۸ - ۱۰۱
زراعت ۳۲۶
زکات ۱۸۱ - ۳۵۰ -
۳۶۶ - ۳۷۰ - ۳۷۶ تا ۷۷
۳۸۰ - ۳۸۶ تا ۸۷ -
۳۹۴ تا ۹۵ - ۴۰۰ -
۴۰۹ - ۴۳۰ - ۴۳۲
زمین روندا سنہ ۳۴۱
زنا - زانی - ۸۶ - ۱۰۵

۳۵۱ - ۳۸۶ تا ۸۷ - ۴۴۰
زنبور (م) ۱۴۵ -
زُنیرہ ۹۸ - ۱۱۳ -
زوناراس مورخ ۲۵۰
زہر خورانی ۳۴۳
زہرہ - بنی (ق) ۶۶ -
۸۲ -
زہیر بن حماطہ ۳۹۴
زید بن حارثہ ۹۷ - ۲۶۹
۲۷۸ - ۴۲۹ -
زینب بنت جحش ۴۱۱
زینب بنت خزیمہ ۴۱۰
زیور ۳۴۱
سابیوس ۲۸۰
سان ماری نو (م) ۴۵۰
سانپ ۸۱ - ۸۲
ساؤل ۳۰۹ - ۳۵۳
نیز طالوت -
سبا (م) ۱۴۴
سجاح تمیمہ ۳۹۸ - ۳۹۹
سید مارب (م) ۳۵۶

سرمنڈانا ۶۳
سُرتی - کتاب - ۱۴
سرکاری امداد غلاماں -
۳۵۶ ح
سعد بن ابی وقاص ۶۰
۹۸ - ۱۲۸ -
سعدیٰ بنت کریز ۱۱۱
سعید بن زید ۱۰۱
سفارت - سفیر - ۳۹ -
۱۱۲ - ۱۲۳ - ۱۴۸ -
۱۶۲ - ۱۶۳ - ۱۶۶ -
۱۷۸ - ۲۰۷ - ۲۲۱ -
۲۵۹ - ۲۶۱ ح ۲۸۰
۲۸۳ - ۳۹۷ -
سفیر کا قتل ۲۶۹
سقیفۂ بنی ساعدہ ۴۴۳
سُکران مرتد - ۱۱۳
سکندر اعظم ۱۷ - ۵۲ -
۳۲۲ -
سکین (م) ۱۷۹
سلمان فارسی ۲۷۶ - ۳۹۲


Marfat.com

سلیم - بنی (ق) ۴۱۱
سلیمانؑ ۳۰۹ - ۳۱۲ - ۳۱۹ -
سماجی بیمہ ۳۳۲
سماوہ (م) ۲۹۳
سموأل بن عادیا ۳۴۶ - ۳۵۲ -
سندھ ۳۷ - ۴۴
سنسکرت زبان ۳۸
سنگساری ۳۵۱
سواری ۲۷۵ - ۳۴۸ - ۴۴۸ -
سوت کاتنا ۲۷۳
سُود ۸۲ - ۲۸۰ - ۳۳۵ - ۳۴۵ - ۳۶۶ - ۳۸۶ - ۳۸۸ تا ۹۱ - ۴۳۰ تا ۳۱ - ۴۳۷ -
سودہ ۱۱۳ - ۴۱۱
سوق بنی قینقاع ۳۲۹
سونا ۲۶۱
سوئی خانوادہ ۲۹
سویڈن (م) ۲۳۴
سہم (ق) ۴۱ - ۸۲
سُہیل بن عمرو ۱۲۸
سیپ ۳۷ - ۳۶۲
سیتی بادشاہ ۳۰۸
سیرین ۲۱۴ - ۴۱۲ ح نیز شیرین -
سیزر بادشاہ ۵۲
سیسو سقرس - فرعون - ۳۰۸ ح
سیسہ ۱۴۵
سیف الدین قلیج ۲۴۴
سیف اللہ ۴۲۰ نیز خالد بن الولید -
سینا - جزیرہ نما ۷۲
سینٹ پاول ۲۵۵ - ۲۸۶ ح
شادی ۷۳
شاعر و شاعری ۲۵ - ۴۳ - ۲۸۸
شام (م) ۱۸ - نیز بہ کثرت مابعد
شب خون ۳۷۳
شراب ۵۵ - ۶۰ - ۱۵۰ ح ۱۷۸ - ۳۸۶ - ۳۹۱ -
شرحبیل بن عمرو ۲۶۹
شرق اردن ۶۹ نیز اردن
شعب ابی طالب (م) ۱۱۰
شعبان (م) ۱۴۵
شعیبؑ ۳۱۵
شعیبہ (م) ۷۲ - ۸۱
شفاء بنت عبداللہ ۱۱۳
شکار ۳۸۸
شکرانہ ۲۴۱
شمخ - بنی (ق) ۳۶۵
شمیسی (م) ۱۳۶ -
شنخ - بنی (م) ۳۶۵
شوء خانوادہ ۲۹
شولمان ۱۴۵
شہداء کا قبرستان ۱۴۳
شہری مملکت ۳۷ - ۳۹ - ۲۵۹ - ۲۶۵ - ۳۵۸

شیرویہ ۲۹۷ - ۲۹۹ - ۳۰۰ -
شیرین ۲۱۴ - ۴۱۲ -
نیز سیریں -
شیعہ ۲۷۷ - ۲۷۸
شیماء ۵۴ - ۵۹
صابی ۳۳۰ - ۴۲۷ تا ۴۸
صالحؑ ۳۱۵
صحراء ۲۸۰
صدقات ۴۳۲
صدیق اکبر ۴۰۸ - ۴۲۰
نیز ابوبکر
صُرد بن عبداللہ الازدی
۳۹۲ تا ۹۴
صرفِ خاص نبویؐ ۳۴۴
صفا پہاڑ ۴۶ - ۱۰۰
صفوان بن امیہ ۴۱
صفیہ (دو مختلف افراد)
۲۷۵ - ۳۴۳ - ۴۱۲
صلاح الدین ایوبی سلطان
۲۳۱ -

صلیب مقدس ۲۳۶ -
۲۳۰ تا ۴۱
صلیبی لڑائیاں ۲۱۵
صنعا (م) ۱۴۳ - ۱۴۶
صوبائی آمدنی ۳۵۰
صہیب رومی ۴۱۸
ضبطی کشتیوں کی ۲۶۲
ضبور - آلۂ جنگ ۳۹۳
ضجعم (ق) ۲۵۶ - تا ۵۸
۲۸۸ -
ضف (م) ۱۴۳
ضمرہ و رسول اللہؐ کا دودھ
بھائی ۵۳
ضمرہ بنی (ق) ۱۱۷ - ۱۳۲ تا
۳۳ - ۳۵۸ - ۳۶۰ - ۳۶۲
تا ۶۴ - ۳۶۶ - ۳۶۹ -
طابت (م) ۳۲۵ نیز مدینہ
منورہ - طیبہ
طالوت بادشاہ ۳۰۹ - ۳۵۳
نیز ساول
طاہر بن الرسولؐ ۷۸

طاہرہ ۷۰ نیز خدیجۃ الکبریٰ
طائف (م) ۲۴ - ۳۷ تا
۳۸ - ۵۰ - ۶۹ - ۱۰۴
۲۶۱ - ۲۹۱ - ۳۰۹ -
عامر بن صعصعہ (ق)
۴۱۰ -
عامر بن الطفیل ۳۹۶ -
عامر بن عکرمہ (ق) ۳۷۰ -
۳۷۱ -
عامر بن فُہیرہ ۹۸
عامر بن لوی (ق) ۴۱۱
عائشہ ۷۹ - ۴۱۱
عبا ۷۶
عباد - عبادی (ق) ۳۷۸
العباس بن عبدالمطلب
۴۱ - ۸۰ - ۸۴ - ۴۳۷
عبد بن الجلندی ۲۹۰ - ۴۴۷
عبد بن عدی بنی (ق) ۳۶۶
عبدالدار (ق) ۴۱ - ۸۲
عبدالرحمٰن بن عوف ۹۸
۱۲۸ - ۲۶۷ - ۳۷۹ -


(بقیہ صفحہ ۴۸۰)

عبد شمس ۴۱ - ۲۶۰
عبد العزیٰ بن الرسول ۷۸
عبد العزیٰ (ق) ۴۱
عبد القیس (ق) ۷۱ - ۲۹۴
عبد المطلب ۴۲ - ۴۸ - ۴۹
۵۷ - ۶۰ - ۶۶ - ۳۷۳
عبد مناف ۲۶۰ - ۲۶۱
عبد اللہ بن جحش ۲۲۰
" بن جدعان ۶۵ - ۶۶
" بن جہم ۱۸۰
" بن حذافہ السہمی ۲۹۶
" بن الحمار ۷۱
" بن الرسول ۷۸
" بن سعد ۱۷۲ تا ۷۴
۱۷۹ -
" بن سہیل ۱۲۸
" بن عبد المطلب ۴۸ -
۴۹ - ۵۸ - ۳۱۶ -
عبد المجید خان سلطان
۲۱۷ -

عبد الملک بن سعید ۲۴۴
عبد مناف ۴۱ - ۴۲ - ۸۴
عبید اللہ بن جحش مرتد ۱۱۳
عبرانی زبان و خط ۲۷۴ - ۳۴۸
عبیلہ بن کعب ۳۹۸
عتبہ ۱۰۱
عتیق بن عائذ مخزومی ۷۳
عثمان بن عفان ۴۲ - ۹۸
۱۰۱ - ۱۱۱ - ۱۲۳ - ۱۷۲ تا
۷۳ - ۱۹۷ - ۲۸۳
عثمان بن طلحہ ۴۱
عثمان بن العاص ۳۹۱
عداس نصرانی ۱۰۹
عدالتی اقتدار ۲۸۳
عدار بن خالد ۳۷۱
عدن (م) ۱۳۸
عدنان ۴۰۴ تا ۵
عدی، بنی عدی (ق) ۴۱
۸۲ - ۴۱۱ -
عذرہ (ق) ۳۴۲ - ۳۷۶
عراف ۳۰۹ نیز قیافہ شناس

عراق (م) ۳۷ - نیز بہ کثرت
مابعد -
عرب (م) ۳۳ نیز بہ کثرت
مابعد -
عربی دستاویز ۲۸۴ تا ۸۵
عربی زبان ۱۸۰ - ۳۸ -
۲۸۳ -
عرفات (م) ۴۵ - ۴۶ -
۸۸ - ۳۹۴ - ۴۳۶
عُرقوب ۳۵۲
عروہ بن مسعود ثقفی ۲۹۲
عروہ ۲۹۹ - ۳۰۳ -
عُریض - بنی (ق) ۳۳۹
عریف ۳۸۵
عزیز مصر ۳۰۸
عشار - ۲۶۵ نیز ماکس
درآمد - محصول -
عُشر ۶۳ - ۲۵۹ - ۳۸۸
عصمت ۲۸۸
عطر - ۶۸ - ۷۶ - ۷۷
۱۳۸ - نیز خلوق


Marfat.com

عقاب ۸۲
عقبہ۔ بیعت ۶۰-۶۲-۱۰۴
تا ۹۰-۱۱۱-۳۰۹-۳۲۹
-۳۵۷
عقبہ (م) ۲۷۱-۲۷۳
۳۴۶- نیز الیہ۔
عقد نمائیانہ ۱۶۳
العقیق۔ وادی ۳۲۵
عقیل بن ابی طالب ۹۴
عکاظ (م) ۴۳-۵۹
۶۰-۱۴۴-۳۰۹-۳۵۶
۳۸۸ تا ۸۹-
علاج ۶۰
العلاء بن الحضرمی ۴۵
علوہ (م) ۱۷۴-۱۷۷
علی بن ابی طالب ۸۰-۹۷
۱۲۸-۱۶۶-۲۷۴-
۲۷۶ تا ۷۸-۳۴۳-
۳۴۷-۳۷۱
علی غزنوی ۴۴۹
عمار بن یاسر ۲۷۶
عمالقہ (ق) ۳۰۹-۳۵۲ حج
عمان (م) ۳۷-۴۴-۵۱
۱۲۲-۱۳۷-۱۵۱-
۲۰۲-۲۶۳-۲۷۰
۲۹۰-۲۹۳-۳۰۶
۳۰۹-۳۹۹-۴۴۷-
عمر کی قید ۲۵۹
عمر بن الخطاب ۴۱-۴۲
۸۹-۱۰۳-۱۰۵-۱۱۳
۱۲۲-۱۲۴-۱۷۲-
۲۷۷-۲۸۳-۳۴۸-
۳۵۶ ق-۳۷۰-۴۴۴
نیز فاروق
عمران ۳۲۲
عمرو بن اسد ۷۶-۷۷
۔ بن حزم ۱۹۹
۔ بن سعید بن العاص ۳۴۴
۔ بن شرجیل ۱۷۸
۔ بن العاص ۷۲-۱۵۹
۱۷۲ تا ۷۳-۲۴۲-۲۶۴
۲۶۹-۴۴۸-
۔ بن عبد مناف ۲۴ نیز
ہاشم
۔ بن مرثد۔ بنی (ق)
۴۵
۔ بن معد الجنی ۳۶۹
۔ بن ہصیص ۴۱
عمرہ ۱۲۴ تا ۲۶-۳۷۴
نیز حج
عمیرہ ۱۰۵ تا ۶
عورت ۱۰۸-۲۱۵
۲۴۳-۴۲۸-۴۳۸
۳۸۵-۴۳۳-۴۳۹
عویمر بن حارثہ الجعفی ۳۶
عیادت ۳۳۹
عیذاب (م) ۱۷۹ نیز
پورٹ سوڈان
عیسائی۔ عیسائیت ۲۱-
۳۱-۳۲-۱۴۳-۲۵۷
۲۶۲-
عیسیٰ ۱۵-۲۱-۴۳-
۴۶-۸۴-۱۵۴-۱۵۸ تا

۱۶۴-۱۸۶-۱۹۰۰
۲۱۴-۲۱۹ تا ۲۲۴
۳۳۶-۳۴۶-۳۵۱
۴۱۳-۴۱۲-۴۲۵
عیص - (م) ۳۵۹
غمیرا، شراب ۳۹۱
غدیر الاشطاط (م) ۳۶۸
غدیر خم - ۳۷۵ ج
غنا - ۲۸۶
غزہ (م) ۶۲
غزنی ۱۱۰-
غسان (ق) ۱۴۶-۲۵۶
۵۷ تا ۲۶۰-۲۶۹-
۲۸۳-۲۸۷ تا ۸۸
غطفان (ق) ۱۱۸ تا ۱۹۶
۱۳۴-۱۳۶-۲۶۶-
۳۳۷-۳۴۰-۳۵۸
۳۷۰-۳۹۹-
غفار - بنی (ق) ۳۶۷ تا
۶۸ نیز ابوذر غفاری
غلام ۱۷۵ تا ۱۸۰-۱۷۸ تا

۸۱-۲۷۳ تا ۷۵ -
۳۳۸-۳۴۷-۳۵۶ ج
۳۸۹ - ۴۲۱-۴۳۴
نیز سرکانکا / اماد غلامان
غلام کا اسلام موجب آزادی
۳۴۱
غلام کی فروخت کا دستاویز
۳۴۱-
غلامان - خانوادہ ۴۱۹
غلہ - ۲۸ - ۶۸ - ۸۰
۱۳۴ - ۱۴۸ - ۲۶۱ -
۳۴۸-۳۹۶
غینت ۳۳۸ - ۳۶۶
۳۷۷-
غیب دانی ۲۰۵-۳۰۹
غیر مسلم سفیر نبوی ۱۶۳
غیلان بن سلمہ ثقفی ۳۹۲
فاران پہاڑ - ۸۸
فاروق ۴۲۰ نیز عمر بن الخطاب
فاطمہ بنت الخطاب ۱۱۱
فاطمہ الزہراء ۳۴۲

فاطمی خانوادہ ۲۷۸
۳۴۹-
فانشدم، ۱۴۵
فترت وحی ۹۴-۹۷
فجار - جنگ ۶۳-۶۵
فدک (م) ۳۰۹-۳۴۴
فدیہ ۳۹۱
فرانس (م) ۲۰۴-۲۴۶
فرزند اکبر کا میراث ۴۳۱
فرشتہ ۸۴ - ۹۱
فرع (ق) ۳۶۹
فرعون ۳۰۸ - ۳۱۱ تا
۱۲-۳۱۵ نیز رعمیس -
فزارہ (ق) ۱۱۸-۳۴۰
۳۴۰-
فصیل ۲۹۰-۳۹۲
فقیم - بنی (ق) ۳۰۲
فلسطین (م) ۱۸-۴۴۰
۵۱-۶۸ تا ۷۰-۱۵۱-
۱۵۷-۱۷۰-۱۹۱-
۱۹۶-۲۰۲-۲۴۴-


Marfat.com

۲۵۶-۲۶۴ تا ۶۴-
۲۶۶-۲۶۱-۲۶۶
۲۸۰-۲۸۳-۲۸۹-
۳۰۸-۳۱۰-۳۲۰
۳۲۸-۳۹۹-۴۰۹
فوج قائم ۴۰-۱۷۱-
فوجی مخزن ۱۲۲-
فینیقی (ق) ۲۵۹
قابیل ۲۶۹ نیز قائن
قاسم بن الرسولؐ ۶۸
قاہرہ (م) ۲۰۴-۲۰۹
۲۱۶-
قائن ۲۷۹ نیز قابیل
قبرستان ۳۶۹
قبطی (ق) ۲۰۵-۲۰۸
۲۱۵-
قبلہ ۳۳۱-۴۰۷ تا ۸
قبلیہ (م) ۳۶۹
قبیل (م) ۳۶۹
قتل انبیاء ۳۰۹-۳۳۹
نیز انبیاء۔
قتل عمد ۲۶۵-۴۳۸
قحط ۸۶-۱۲۱-۱۳۴
تا ۳۵
قحطان (م) ۴۰۴ تا ۵
قرآن مجید ۱۵-۱۸۱-۱۹۳
۱۹۷-
قرآن مجید کی نشانی ۳۹۸
قربانی ۱۲۸
قرض ۳۸۸-۳۹۱
۴۳۰-
ـــ جلاوطن کئے جانے
والے کا ۳۳۳
ـــ کاری قوم یادی
گئی ۴۳۰
قرعہ ۴۰
قریشی (ق) ۳۷ نیز مابعد
بہ کثرت
قریظہ۔ بنی (ق) ۲۹ ۳ تا
۳۰-۳۳۴-۳۳۷ تا
۳۹-
قسطنطیہ (م) ۳۱-۳۲
۳۴-۳۴۱-۱۴۳-
۲۳۳-۲۴۳-۲۴۹ تا
۴۷-۲۵۰-۲۶۲-
۱۷ ۴-۴۲۷
قسطلہ (م) ۲۲۴
قسم و حلف ۸۳
قصاص ۳۵۲
قضی ۲۹-۴۱-۴۲
۶۵-۲۵۸ تا ۵۹
قضاۃ (ق) ۲۵۷ تا
۵۸-۲۶۹-۳۷۵
تا ۷۹-
قطن بن خارجہ ۳۸۰
قلاؤون بادشاہ ۲۴۴
قلعہ ۲۶۷-۲۹۰-
نیز فصیل۔
قلمس۔ عہدہ ۳۰۲-
۳۰۷-
قلیدرث بادشاہ
۱۷۳-
قلیس (گرجل) ۱۴۳-


Marfat.com

۱۴۶ تا ۴۷ -
قنافہ الکلبی ۳۷۸
قیافہ شناس ۴۸ ح
نیز عراف
قیروس ۲۱۵
قیس بن السائب ۶۹
قیصر روم - ۴۴ - نیز بہ کثرت
مابعد - نیز ہرقل
قیصر ہند - ۲۵۸
قین ۲۵۷
قینقاع، بنی (ق) ۱۱۷ -
۳۲۷ تا ۳۱ - ۳۳۸ -
۳۴۰
کاتب کا نام خط میں ۲۲۲
کاٹھیاواڑ (م) ۳۰
کاغذ ۲۸ -
کارواں - ۲۸ - ۴۰
۴۴ - ۴۶ - ۶۸ - ۶۹
۷۰ - ۱۱۷ تا ۱۸ - ۱۲۵ -
۱۴۸ - ۱۵۰ - ۱۷۲ - ۲۳۳
۲۶۰ - ۲۶۶ - ۳۱۰ -

۳۳۷ - ۳۵۹ تا ۶۰
۳۷۰ تا ۷۱ - ۳۷۸ -
۳۹۷ -
کالا جنگل (م) ۳۵
کالسی رون (م) ۲۸۲
کان کاٹنا - بطور سزا
۲۸۲
کان - معدنی ۳۶۹
کانسی نو ۱۹۶
کانجی ورم (م) ۳۱
کاوٹلیا ۱۶ - ۴۱۷
کاہن ۳۰۹
کبیسہ سال - ۲۴۸ -
۳۰۱ تا ۲ - ۳۰۴ -
۳۰۶ تا ۷ - ۴۳۸
کپڑا - ۱۷۸ - ۲۷۳ تا
۷۵ - ۲۷۷ - ۳۴۷ -
۳۴۹ -
کتائی - سوت کی ۲۷۳
۳۴۷ -

کتبہ - ۱۸۵ - ۳۲۵
۳۶۹ -
کدار - قصر ۱۴۵
کسریٰ ۱۰۴ - ۲۶۰
۲۶۵ - ۲۸۸ - ۲۹۰
۲۹۳ تا ۹۴ - ۲۹۶ تا
۹۷ - ۳۰۴ - ۳۵۶ -
۳۹۷ -
کشتی لڑنا - ۱۰۲
کشتی جہاز ۷۲ - ۱۳۱
۱۶۳ - ۱۶۶ - ۲۶۲
۲۷۳ -
کشمیر (م) ۴۰۷ - ۴۰۸
کعب بن الاشرف ۳۳۱
تا ۳۳ -
کعب بن لوی ۴۱
کعبہ - ۳۹ - ۴۰ -
۴۵ - ۴۶ - ۴۸ ح
۶۰ - ۶۴ - ۸۰ تا ۸۶
۸۸ - ۹۰ - ۱۰۰ - ۱۰۲ تا

۳-۱۲۰ تا ۲۲-۱۳۸-
۱۴۷-۳۱۶-۳۳۱-۴۴۷
کِلاب (ق) ۴۱-۳۷۴-
۴۱۱-
کلب (ق) ۴۵-۲۵۷-
۲۶۷-۳۷۸ تا ۸۰-۴۱۱-
کمال آفندی ۲۲۵-
کمال الدین خواجہ ۲۳۱-
کنانہ بن الربیع ۳۴۳-
کِندہ (ق) ۱۴۴ تا ۴۵
۴۱۱-
کنز (خزانۂ بلدیہ)
۳۲۵-۳۴۳
کنعان (م) ۳۰۸
کنفوشیوس ۱۶-۲۹-
۳۰-۴۱۷-
کنون بن عبدالعزیز بادشاہ
۱۸۰ تا ۱۸۱
کوّا ۴۱۸
کوفہ (م) ۲۲۱-۲۵۵-
۲۸۷-۳۸۱
کونگ فوت سیو ۲۹
کوئلہ ۲۸-
کھال ۱۲۱-۲۱۸-
۲۶۱ نیز جھلّی چمڑا-پوست
کھجور ۱۲۱-۱۳۴-
۲۶۱-۲۷۳-۳۴۰
کھدائی کے آلات ۳۳۷
کہف اصحاب ۳۲۱ نیز
اصحاب کہف
کیمبرج (م) ۱۸
گانا بجانا-۵۷-۷۷-
۳۳۳-
گاندھی ۱۸
گائے ۷۶-۱۸۰
گجرات (م) ۳۰
گدھا ۳۴۳
گرجا ۸۱-۱۷۳-نیز قلیس
گریجن تیوس پادری ۱۴۳
۲۶۳-
گلاسگو ۱۸۲-۱۸۸-
۱۹۸-
گلگامیش ۳۲۲
گنبذ ۲۷۳-۲۷۴
۳۴۸ تا ۴۹
گوبی، صحرائے (م) ۳۵
گوتم بدھ ۱۴-۱۶-۱۷-
۳۰-۳۱۶ نیز بدھ مت-
گوشت (قدید) ۵۵
گوند ۱۵۰
گونگا ۴۱۸
گھر ڈھانا- ۲۸۲
گھوڑا ۳۶-۳۷-۲۷۵
۳۳۸-۳۴۸
گھی- ۱۵
لاش، فرعون کی ۳۰۸
لباس ۸۴-۳۴۲-۳۴۸

کبینہ ۹۸-۱۱۳
لخم-لخمی (ق) ۲۵۷-
۲۶۹ ۲۸۷ تا ۸۸
لقیط بن مالک ۳۹۹
لکھنا پڑھنا-۴۳-۱۱۱-۱۱۳
لکڑی ۸۱-۱۴۵
لکڑی کا خیمہ ۳۳۴
لنچنگ (دروندکر مار ڈالنا) ۴۱۸
لندن (م) ۱۵۷-۱۷۱-
۱۸۲-۱۸۵ تا ۸۶
لوبان ۱۵۰
لوط ۳۱۵
لونڈیاں ۲۱۳
لوہا ۲۸-۸۱
لے شنسکی ۲۰۷۶-۳۴۹
لیہ (م) ۳۸۹
ماورائے معاشرہ ۱۷۹
مارب (م) ۱۴۴ تا ۴۶
-۲۵۶
مارگولیوث ۱۵۶-۱۸۵ تا
۸۶-۱۸۸-۲۱۰-
ماریہ قبطیہ ۲۱۴-۴۱۲
مارکس-عہدہ ۲۶۵ نیز
عشّار
مالک-بنی (ق) ۳۹۰
مالک بن احمر الجذامی ۳۷۸
ماگوہ (م) ۳۰
مامون خلیفہ ۱۸۰-۳۴۹
ماں کا درجہ ۴۳۳
مانوی فرائٹ فرقہ ۲۱۴ نیز
طبیعت واحدہ
متعہ ۳۴۳
متوکل خلیفہ ۱۸۱-۳۴۹
مثنیٰ شیبانی ۲۸۹-
مجرم جنگ ۲۳۸-۲۵۸
مجدی بن عمرو ۳۶۳ تا ۶۵
مجنّہ (م) ۱۰۴-۳۰۹-۳۵۶
مجوس مجوسیت ۲۸۸-۲۹۵
-۳۵۰
مچھلی ۲۷۳-۳۲۲
محافظ دستہ ۱۷۲ نیز
خفارہ-بدرقہ-
محصول (درآمد وغیرہ)
۲۵۶-۲۵۹
محمد غزنوی ۴۴۹
محمود بن مسلمہ ۱۲۸
محمود غزنوی ۴۱۹-۴۴۹
محمود ہاتھی-۱۴۷
مخزوم، بنی (ق) ۴۲۱
۸۲-۴۱۱
مخشی بن عمرو ۳۶۰
مدائن (م) ۲۸۸ تا ۸۹
۲۹۳-۲۹۶ تا ۹۷-
۳۰۶-۴۱۷
مدراس (م)-۴۰۸-
مُدلج (ق) ۱۱۷-۳۴۸
۱۳۲-۳۶۳
مدینہ منورہ (م) ۳۴ نیز


Marfat.com

بہ کثرت مابعد نیز طابت طیبہ
مراد (ق) ۳۹۸-
مراکش (م) ۲۴۵ تا ۴۶
مرباع ۳۶۶ ح-
مرتد ۲۷۹ نیز ارتداد-
مرثد- ۱۴۴
مرجزف ۱۴۵
مَرحَب ۳۴۱
مرزبان ۲۹۰
مرغی ۴۰۴
مردہ پہاڑ ۴۶
مرّہ (ق) ۴۱-۱۴۴
مریمؑ ۴۶-۸۴-۱۵۳-۱۵۸-۱۶۰
مریم ۲۱۴ ح نیز ماریہ قبطیہ
مَزوک-مزدکیت ۳۲-۲۸۸-۴۲۹
مزدور جماعت ۴۳۲
مزینہ (ق) ۳۶۹
مساوات ۴۳۲
مسجد ۱۷۳-۱۷۶ تا ۱۷۷-۱۸۱-۳۴۸-
مسجد حُریض ۳۳۹
مسجد فضیخ ۳۳۴
مسعود غزنوی ۴۴۹
مَسلمہ بن حبیب ۳۹۷ نیز مُسیلمہ کذاب-
مسیح-مسیحا ۳۲-۶۲-۹۳
۱۷۸-۳۱۰
مُسیلمہ کذاب ۳۹۷ تا ۹۹۶
مشابہ عمد، قتل- ۴۳۸
مشترک حکمراں ۴۴۷ تا ۴۵۰
مُصطلیف ۳۵۹-۳۶۳
مُصطلیف ۴۴۵
مُشقّر (م) ۴۵-۷۱
مصر (م) ۲۷ نیز بہ کثرت مابعد
المصطلق-بنی (ق) ۳۷۲-۴۱۱-
مُضر (ق) ۴۵-۶۴-۴۰۴-۴۳۸-
المطّلب-بنی (ق) ۴۹
المطلب ۲۶۰
مُعاذ بن جبل ۲۷۳ ح
معاش-معاشی دباؤ ۲۳۳
۳۵۹-۳۸۶-
معاقل ۴۳۲ نیز بیمہ
معان (م) ۲۵۷-۲۶۹ ح
۲۷۱-۲۸۳-
معاویہ بن ابی سفیان ۲۸۳-۳۷۰-
معاہداتی بھائی ۴۴۱ نیز مولا
معاہدۂ معاشری ۳۵۷
معاہر (م) ۱۴۵
معدی کرب بن سمیفع ۱۴۴-
معلقات-سبع ۴۳
مغیرہ بن شعبہ ۳۹۲
مقاتل- ۲۵۷
مقاطعہ ۱۰۳-۱۰۴
مقام ابراہیم (م) ۳۴۸
مقنا (م) ۱۱۸-۲۵۷-
۲۷۰-۲۷۲ تا ۲۷۷-۳۴۵ تا ۴۷۶
مقوقس ۱۸۲-۱۸۵-۱۹۰-


Marfat.com

۱۹۷-۲۰۰-۲۰۷ تا ۲۱۰-۲۱۳
تا ۱۵-۲۱۷-۲۲۲-۲۲۵-
-۲۳۱
مقیم عام ۲۴۶
مکاتبت غلاماں ۳۵۶ ج نیز غلام
مکتوب نبوی ۲۴-۱۵۳-۱۸۲
۱۸۵-۲۱۶-۲۹۳-۴۰۱
مکرز بن حفص ۱۲۸
مکۂ معظمہ (م) ۳۳ نیز بہ کثرت
مابعد نیز ام القریٰ
ملاحی-۲۸۶ نیز کشتی
ملاعب الاسنہ ۶۴
ملیبار (م) ۴۰۷
مملوک-ممالیک خانوادہ
۲۴۴-۴۱۹
منا-منیٰ (م) ۶۴-۸۸-
۱۰۴-۱۰۶-۳۰۴-۳۰۹-
۳۱۶-۳۷۲
مناظر احسن گیلانی ۶۴ ج-۴۵
منجنیق ۱۷۳-۲۹۱-۳۴۱
۳۹۲ تا ۹۳-
مہاجرین حبشہ ۳۳
مہذب وحشی (۱۸)
مُہر ۱۹۶-۲۰۹-۲۱۲-۲۲۰
تا ۲۱-۳۸۱-۴۴۸ نیز ناخن
کی مہر-
مہرہ (م) ۴۵-۱۳۹
میامون بادشاہ ۳۰۸ ج
میسرہ ۷۰
میلہ-۵۹-۱۵۰-۳۵۶
۳۷۸ نیز تاجر
میمونہ بنت الحارث ۴۱۰
-تا ۱۱۱
میوہ ۶۸
نابغہ ۵۵
ناخن کی مہر ۲۲۱-۲۶۸
-۳۸۱
ناشتہ رسول اللہ کا بچپن میں
الناصر لدین اللہ الموحدی
-۲۵۳
ناظر فداری ۲۵۷
ناف زمین ۳۴-۳۸-۱۱۵-
-۴۳۲
منذر بن ساوی ۱۴۶-۱۸۲
۱۸۵-۱۹۰-۱۹۶ تا ۹۷-۲۰۰
۲۰۳-۲۲۲-۲۲۸-۲۲۷ تا
۲۸-۲۹۳-۳۵۰-۴۰۸-
مواخات ۳۵۸
موالات ۱۶۶ نیز مولا-
موبرگ ۳۰۷-
مؤتہ (م) ۱۹۱-۲۱۴-
۲۴۳-۲۶۹-۲۷۸-
مودود غزنوی ۴۴۹-
مؤذن ۱۷۰-۱۷۱ نیز بلالؓ
موسیٰؑ ۱۵-۹۳-۳۰۸-۳۱۱
تا ۱۳۱-۳۱۵ تا ۱۶-۳۱۸-
۳۲۱ تا ۲۲-۳۵۲-۴۱۲
-۴۴۶
موصل (م) ۳۱
مولا بنانا ۴۴۱ نیز موالات
معاہداتی بھائی
مہابھارت ۴۱۷
مہاجرین ۳۵۹-۴۴۳

ناک کاٹنا ۲۸۲
نامہ نگار ۱۳۷
نائلہ ۸۶
نبطی (ق) ۲۶۶
نبی اُمّی ۳۱۳
نبی موعود ۳۲۶ تا ۲۷
نبی علاوہ بادشاہ کے ۳۵۲
نبیذ (شراب) ۳۹۱
نپولین ۱۷-۳۵
النجار- نبی (ق) ۵۵
نجاشی ۷۲ نیز بہ کثرت مابعد
نیز اصحم
نجد- (م) ۴۵-۱۱۷-۱۳۳
۱۴۴-۳۳۸-۳۹۶-
نجران (ق) ۱۳۹ تا ۴۱-
۱۴۳-۲۶۱ تا ۶۲-۳۹۸-
نجومی-۵۹
نراج ۴۴۳
نربداندی ۳۰

نرس ۱۱۲
نسطورا، راہب ۷۰
نسلی مذہب ۴۲۵
نسئی ۳۰۶-۳۰۷ نیز کبیسہ گری
النفیر، نبی (ق) ۱۱۷ تا ۱۸-
۳۳۰ تا ۳۴-۳۳۶-۳۳۸
-۳۴۳
نعیم بن مسعود اشجعی ۳۷۱
نفیسہ ۷۵
نقفور- ۲۴۱
نقیب ۳۵۷
نکاح- نکاح بیگان
۳۳۶-۴۳۳
نماز ۹۹-۱۰۰-۳۷۷-
۳۸۶ تا ۸۷-۳۹۴-۴۳۲
نماز جنازۂ غائبانہ ۱۶۱
نوآبادیاں ۱۳۷
نمرود ۳۰۸
نواسہ وارث ہونا ۱۷۹
نیز مادرانہ معاشرہ

نوبہ- نوبیہ (ق) ۷۲ تا ۷۴-
-۱۷۹
نوحؑ ۳۱۵
نور- جبل ۸۸-۱۳۰
نوشیرواں بادشاہ ۳۲
نوفل ۴۱-۲۶۰
نہدیہ ۹۸
نیپال (م) ۳۰
نیل- دریائے ۷۲-۱۷۹
نینویٰ (م) ۳۱-۱۲۲-
۲۰۲-۲۳۳-۲۹۳-۲۹۹
-۳۰۰-۳۰۵-۳۹۷-
وادی القریٰ (م) ۱۱۸
۲۳۹-۳۰۹-۳۴۴ تا
-۴۵
وائی خانوادہ ۲۹
وتیر (م) ۳۷۳
وج (م) ۲۹۰-۳۸۸
نیز طائف
الوجہ (م) ۲۴۹
وحی ۹۰


Marfat.com

وراثت ۴۳۰-۴۳۲-۴۴۰-
ورقہ بن نوفل ۷۶-۸۷-۹۲-۱۰۹
وزیر ۳۹-۳۵۵
وسط ایشیا (م) ۳۰
وصیت ۴۳۰-۴۴۰-
وطنیت پسندی ۳۰۶
وظیفہ رقمی ۲۵۸
وعدہ ہائے رسول ۲۷۹
وقائع نگار ۲۴۳
الولید بن المغیرہ ۴۲
ولی عہد کی تعلیم ۲۸۸
ولیمہ ۷۷
وہ خانوادہ ۲۹
وہرز ۲۸۹
ویانا (م) ۱۴۳-۳۶۳
وید کتاب ۱۴-۳۱۶-۴۱۷
ویٹ پروفیسر ۲۱۶ تا ۱۸
ہارون ۳۱۸-۳۲۲-۴۴۶-
ہاشم - بنی ہاشم ۴۱-۴۲
۴۴-۴۹ تا ۵۰-۲۶۰-۴۰۴-
ہاشم کی قبر ۷۲-
ہبل بت ۴۶
ہایلا سلاسی ۱۶۹
ہتیار - ۱۲۲-۱۵۰-۲۶۱
۲۷۳ تا ۷۵-۲۷۷-
۳۲۸-۳۴۳-۳۴۷
تا ۴۸-۳۸۰
ہٹلر - ۱۷-۳۲۰-
ہجر (م) ۲۹۰
ہجرت ۱۳۲-۱۵۲
۳۷۶ - نیز مہاجرین
ہندلی ۵۹
ہراج ۳۳۸
ہرجائہ عائیت ۳۴۱
ہرش، راجہ ۳۰-۳۱
ہرقل ۳۱-۲۰۳-۲۳۴
۲۴۱ تا ۴۲-۲۴۴ تا ۴۷
۲۵۳-۲۷۰-۲۸۲-۲۹۹-
۳۰۴-
ہسیونگ نو ۲۹
ہصیص ۴۱
ہفتان ۱۴۴
ہمدان (ق) ۱۴۵
ہند - ہندوستان ۲۸-۳۰-
۳۷-۴۴-۱۱۵-۱۴۸-۱۷۹
۱۸۶-۲۰۰-۲۰۹-۲۱۱-۲۵۴
۲۵۸-۲۶۲-۲۸۶-۳۷۸
۴۰۷-۴۲۱-۴۲۵-
ہند بن ابی ہالہ - ۷۳-۷۴
ہند بنت عتیق ۷۳
ہند بنت عوف ۴۱۱
ہندو مذہب ۱۴
ہوازن (ق) ۳۷۴-
۳۸۲ تا ۸۳-۳۸۵
ہود ۳۱۵
ہوذہ بن علی ۳۹۰-۳۹۷
۳۹۹-
ہومر یونانی - ۱۶- ۱۷-

Marfat.com

یثرب (م) ۳۰۹-۳۲۵
نیز مدینہ منورہ
یحنہ بن رؤبہ ۲۷۱
یرغمال ۱۸۰ تا ۸۱
یرولعام ۳۱۹
یزید ۱۴۵
ؓ بن ابی سفیان
۳۴۵
ؓ بن زمعہ ۴۱
ؓ بن کبشہ ۱۴۴
یعقوبؑ ۳۰۸
یعقوبی عیسائی (جاکوبائٹ)
۲۸۳
یلغار ۲۳۹
یمامہ (م) ۱۲۱ تا ۲۲-
۱۳۴-۳۶۱-۳۹۶-
یمن (م) ۳۳-۳۷
۴۴-۱۲۲-۶۵۵۱-
۱۳۹-۱۴۲-۱۴۴-
۱۴۷ تا ۴۸-۱۵۱-
۱۹۹-۲۰۲-۲۰۶-۲۴۱
۲۵۶-۲۵۸-۲۶۰
۲۹۳-۲۹۷-۳۰۴
۵-۳۰۹-۳۱۴-
۳۵۱-۳۹۸-۴۱۰-
۱۴۴ (م) یمنات
۱۱۷ (م) ینبع-ینبوع
۱۳۲-۲۴۹-۳۶۹
۳۱- (م) یورپ
۳۳ تا ۳۴-۳۷-۱۱۵
۱۴۹-۲۰۰-۲۱۵-
۲۵۴-۳۵۳-:
یوسفؑ ۳۰۸
یوم الجماجم، جنگ ۱۹۹
یونان-یونانی (م-ق)
۳۱-۳۴-۳۸-۱۱۵
۱۶۰-۲۵۹-۲۱۴
ہبود-یہودی (ق)
۱۰۵-۱۱۸-۱۲۰-۱۳۳
تا ۳۴-۱۳۶-۱۳۹
۱۹۱-۲۶۶-۲۷۲-
۲۷۶ تا ۷۸-۲۸۲-
۳۰۸ تا ۹-۴۲۵-
یہود کی فضیلت ۲۰-
یہودیت ۱۴۰-۲۶۲-

Marfat.com

صفحہ ۴۵۵ کا تتمہ

ام سلمہ ۴۱۱
ام سلیم بنت ملحان ۱۱۱
ام شریک دوسیہ ۱۱۱
ام عُبیس ۹۸
ام القریٰ (م) ۳۱۱ نیز مکہ
امانت داری ۲۸۹-۳۲۹-۴۴۷-
امریکا (م) ۴۲۰ تا ۴۳۱-۴۵۰
امہات المومنین ۴۰۳
امہرہ (م) ۱۳۹
امیری ۴۴۳-۴۴۶
الامینؐ ۵۱-۶۹-۷۳-۸۳-۹۴-۱۵۱
امیہ ۴۱
ـــ بنی (ق) ۴۱-۴۲-۴۹-۴۴-۴۱۱-
ـــ بن المغیرہ ۸۳
انبا مارقوس - گرجا ۲۰۸
انبیا کا کردار ۳۱۸
انجیل میں حکم رجم ۳۵۱
انجیر ۳۸۴

صفحہ ۴۶۷ کا تتمہ

طائف ۳۱۴-۳۴۱-۳۴۵-۳۵۶-
تا ۳۸۸-۳۹۲ تا ۳۹۳-۳۹۹
طائی یعنی عرب ۲۸۲
طبیب ۶۰
طبیعت واحدہ - فرقہ ۱۶۰-۲۱۴
طرابلس ۱۸
طلاق ۴۳۳
طلحہ بن عبید اللہ ۹۸
طلیحہ بن خویلد ۳۹۹
طوفان نوحؑ ۲۴۹
طیب بن الرسولؐ ۷۸
طیبہ (م) ۳۲۵ نیز طابت - مدینہ
طین خاتم ۲۱۹
طیئی (ق) ۴۵-۲۵۴-۲۸۶-
عادل - قلعدار ۱۴۵
عادیا - بنی (ق) ۳۴۶
عاریت مال ۳۴۱
عام الوفود ۳۹۴
عامر الجادر ۸۱
ـــ بن ربیعہ بن الحارث ۴۳۷
ـــ بن صعصعہ (ق) ۴۱۰

یہ کتاب ملنے کا پتہ :- دار الاشاعت مولوی مسافر خانہ کراچی

Marfat.com